

اسان اور اسلام کے باقی اور ذوق عالی پر پوری
توجہ کے ساتھ تیسری مرتبہ حاضر کیا گیا

آثار الحنبلیہ

فی سنن
الفلک و العرفان

جلد دوم

تالیف
جسٹس (ریٹائرڈ) اکبر غلامہ خاں لدھیانوی
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی راجستھن

پبلشرز
محمد علی گھنٹو اسلامک بک ٹرسٹ لاہور
پوسٹ بک ڈسٹریبیوٹرز اسلام آباد

احسان اور اسلام کے باطنی اور روحانی پہلو پر
مؤلف کے قلم سے عصرِ حاضر کا شاہکار

آثارُ الحسَناءِ

۶۲
۶۲
۶۲

فِی سَبْرِ
السُّلُوكِ وَالْعِرْفَانِ

جلد دوم

نائب

جسٹس (ر) ڈاکٹر علامہ خالد محمود دامت برکاتہم

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی ماچسٹر

شائع کردہ: محمود پبلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور

جامعہ طیبہ اسلامیہ محمود کالونی شاہدرہ، لاہور

| | | |
|------------------------------------|-------|----------|
| آ جا را لا احسان (جلد دوم) | | نام کتاب |
| ڈاکٹر علامہ خالد محمود امتیہ کا ہم | | مصنف |
| طاہر علی، کریم پارک، لاہور | | کتابت |
| محمود چلی کیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور | | ناشر |
| ۴۳۲ | | صفحات |
| ایک ہزار | | تعداد |
| | | قیمت |

ملنے کے پتے

دفتر دار المعارف 1/3 دیوساج روڈ سنت نگر لاہور
جامعہ طیبہ اسلامیہ محمود کالونی نزد قو حید پارک شاہد رہ لاہور 0300/0336-6332387
جیلانی اکیڈمی جہانزیب بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور 0300-4840053
محمود چلی کیشنز LG10 ہادیہ حلیمہ سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور 042-37321526
شی جامع مسجد شاک پورٹ روڈ مانچسٹر پوسٹ کوڈ ایم۔۱۲
Jamia Islamia Manchester M12 4DT
00447877151083 - 00447815108503

فہرست مضامین

| | | | |
|--------------------------------------|----|--|----|
| فقرا اور چڑ ہے اور تصوف اور | ۲۱ | آثار الاحسان | ۲۱ |
| رزق کی تقسیم خدا کی طرف سے | | مقدمہ | |
| آخرت کی راہ میں تین ہلاکتیں | | گناہوں سے دلوں پر زنگ لگتا ہے | |
| تصوف میں اصلاح و تربیت کی ابتدا | | ذکر سے دلوں کا زنگ اترتا ہے | |
| کس طرح ہوتی ہے | ۲۲ | طریقت سے شریعت بوجھ نہیں رہتی | |
| ۱۔ نیک محبت سے | | ۱۔ حضرت علیؓ جو برائی کی شہادت | |
| ۲۔ علم کے سائے میں | | ۲۔ شیخ ضیاء الدین کی شہادت | |
| تصوف میں محبت کی اولیت | | ۳۔ شیخ عبدالقادر کی شہادت | |
| زندگی کا کوئی دور تصوف سے خالی نہیں | | ۴۔ مجدد الف ثانی کی شہادت | |
| تصوف دل کے حجابات اٹھانے کا نام ہے | ۳۳ | اللہ نے ولایت کی کمرز کی کملی رکھی | |
| دل کے حجابات کیسے اٹھتے ہیں | | ختم نبوت پر اولیاء کی بے بسی | |
| توبہ کے تین مختلف دائرے | | خدا نے انبیاء و رسل کو اپنا نام نہ دیا | |
| ۱۔ کہاڑ سے ۲۔ صخاڑ سے ۳۔ سیات اور | | اولیاء کرام کو اپنا نام دلی دیا | |
| خلاف ادولی سے | | مقام ولایت کی جزوی فضیلت | |
| ارادت اور توبہ کے اپنے اپنے آداب ہیں | | شیخ اکبر کی حاضری باب الہی پر | |
| اخلاق ہلنہ کے دو ہی ائے | | تصوف کی بناء تو اربع پر ہوتی ہے | |
| ۱۔ حلق بالقلب ۲۔ حلق بانحس | | علم کے ساتھ تواضع کا اٹنا | |
| نو اخلاق حمیدہ | | پانچ قسم کے لوگ زیادہ عزت والے ہیں | |
| دس اخلاق رذیلہ | ۳۹ | کبر کے مریض کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں | |
| روح اور نفس کا اپنا اپنا دائرہ | | کبر کا مرض کسی ہمدردی کا مستحق نہیں | |
| تصوف کے دس مقامات | ۳۹ | تصوف ترک دنیا کا نام نہیں | |

روزے کا باطنی پہلو

طریقت میں روزے کی حقیقت

روزے کے تین درجے

۱۔ عوام کا ۲۔ خواص کا ۳۔ خواص الخواص کا

۶۰ آسواں کشف الحجاب حج کے بارے میں

اللہ کے حضور پوری سپرداری

دنیا کے سب نئے نئے کاموں

حج کے اعمال میں سب سے بڑا عمل

حج میں سب سے لمبا عمل

اہل طریقت کے حج کی ایک جھلک

۶۳ نواں کشف الحجاب صحبت کے آداب

صحبت کے تمام آداب

آداب اقامت، آداب سفر

آداب خورد و نوش، آداب چلنے کے

آداب سونے کے، آداب بولنے کے

لٹاک اور حجرہ کے آداب

امام غزالی کی بیان کردہ دس مہلکات

امام غزالی کی بیان کردہ دس نجات

۴۳ باب دوم آداب تصوف

پہلا ادب شریعت کا، محبت عقائد

اہل تصوف کے بیان کردہ تیس عقائد

۴۳ (۱) توحید باری تعالیٰ

دس عقیدے

۴۳ (۲) تصدیق رسالت محمدی

دس عقیدے

ایک خطرے پر اجنبانہ

ایک اصولی بات پہلے ذہن نشین کر لیجئے

باب اول مسائل تصوف

۳۹

حضور کا طریق دعوت

۱۔ توحید ۲۔ پانچ وقت کی نماز

۳۔ زکوٰۃ اور اس کا غریبوں پر خرچ کرنا

کشف الحجاب

اس میں نو پرہے اٹھانے پر محنت

باطنی زندگی کی بھی تربیت امام غزالی کے ہاں

مقام احسان کی شرح محدثین کے ہاں

اس راہ کی مختلف منزلیں

سالک کی پہلی ضرورت

اللہ کی صحیح معرفت

۳۵ پہلا کشف الحجاب اللہ کی معرفت کا راز

۳۶ دوسرا کشف الحجاب اخلاص عقیدہ توحید

۳۷ تیسرا کشف الحجاب ایمان کا وسیع دائرہ

ایمان کی کمی بیشی

۳۸ چوتھا کشف الحجاب طہارت کے باب میں

۳۹ پانچواں کشف الحجاب نماز کے بارے میں

اہل تصوف کی نماز کی پانچ شرطیں

اہل تصوف کو ان کی نماز میں پہچانو

۵۳ چھٹا کشف الحجاب زکوٰۃ کے بارے میں

زکوٰۃ کی حد کو پہچاننا محل کی وجہ سے

۵۴ ساتواں کشف الحجاب روزے کے

بارے میں

- ۳۔ ظاہر و باطن کا ایک ہونا ۷۵
- ۴۔ عارفوں میں محبت کا ہونا
- ۷۷ علم، عمل اور عبادتِ خداوندی
- اس راہ کے مسافروں کے تین طبقے
- ۱۔ تاویل
- ۲۔ تاویل
- دوسرا ادب..... محبت عمل کا ۸۰
- کسب کو روزی کے لئے ضروری نہ سمجھے
- فخرِ امتیازی تو عمری سے بہتر ہے
- تواضع اور مہر
- ۸۷ پانچواں ادب..... محبت عبادت کا
- شریعت میں محبت عبادت قواعد فقہ پر
- طریقہ میں محبت عبادت کا ایک اپنا رنگ
- ۸۸ چھٹا ادب..... محبت معاملات کا
- ۸۳ ساکب کی محبت معاملات
- معاملات کیسے خراب ہوتے ہیں؟
- ۱۔ دوسروں کے مال پر نظر رکھنا
- ۲۔ دوسروں سے بلا ضرورت ادھار لینا
- ۳۔ ادھار واپس نہ کرنے کی بے پرواہی
- ۴۔ کسی کی امانت واپس نہ کرنا
- ۵۔ دوسروں کے حقوق میں دخل اندازی
- ۶۔ زمینوں پر ناجائز قبضے
- ۷۔ قبضہ گروہوں سے سمجھوتے
- ۸۔ کرایہ داروں کے خیالات قبضہ
- ان سب کے پیچھے مال کی محبت کا فرما ہے
- حب جاہ کے ساتھ خدا کی محبت جمع نہیں ہوتی
- ساکب اپنی عزت و جاہ کو نظر میں نہ رکھے
- (۳) صحابہ کی نسبت سے
- دس حقیقہ سے
- صفات باری میں دو مسلک
- ۱۔ تقویٰ
- ۲۔ تاویل
- دوسرا ادب..... محبت عمل کا
- کسب کو روزی کے لئے ضروری نہ سمجھے
- فخرِ امتیازی تو عمری سے بہتر ہے
- تواضع اور مہر
- ایک استدلال مال کی بزرگی میں
- نسبت اسباب کا بوجھ کم کر دیتی ہے
- اسباب کی طلب تصوف کے خلاف نہیں
- تیسرا ادب..... محبت احکام کا
- ۸۳ حلال و حرام کے قائلے ضروری چاہے
- اختلاف فقہاء کو رحمت سمجھے
- محمد شین اور فقہاء میں کون آگے؟
- اہل تصوف کی محبت سے کون سے مسائل
- کھلتے ہیں؟
- شرکِ خفی اور شہوتِ خفیہ سے خلاصی
- احوال کا عبور
- چوتھا ادب..... محبت باطن کا ۸۵
- ہر وقت کے مطابق ایک ادب
- ہر مقام کے لیے ایک ادب
- کلامیاب لوگوں کے باطن کے آداب
- ۱۔ بظہور کی نگہبانی ۲۔ اسرار کی رعایت

نماز میں بھی خشوع تصوف کی راہ سے
نماز کے باطنی اثرات ظاہر میں بھی
نظر آنے لگتے ہیں

تصوف اسی احسان کا نام ہے

شریعت کا مورد زبان بدن اور مال

طریقت کا مورد قلب اور ذکر

قرآن کریم نے قلب کو ایک نئے معنی دیئے

قلب بھی حواسِ خمسہ کا مورد ہے

دلوں پر رنگ لگنے کی خبر

قلب کے لطائف سے

لطیفہ کھلے تو دل جاگ اٹھتا ہے

حکیم سید دائم علی کی شہادت

مولانا محمد قاسم کا قلب جاری تھا

دل و دماغ کی اپنی اپنی جولانگاہ

جبریل حضور ﷺ کے دل پر اترتے تھے

ایمان کا گل بھی قلب ہی ہے

علم اور تزکیہ پر برابر کی محنت

ختم نبوت کے بعد ولایت کی راہ کھلی رہی

وحی ولایت کا مورد بھی دل ہی ہے

علم کا مورد دماغ۔ تزکیہ کا مورد دل ہے

تزکیہ کے لیے خلوت گزینی

خافقہوں کے عمل صحابہ کے دور میں

نیک صحبت میں رہنے کی تلقین

اسلام نے شرف صحبت کو اساسی درجہ دیا ہے

ایک غیر صحابی کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا

ایسے لوگوں میں رہنے سے اجتناب شہوات سے بچاؤ

حلال کی طلب صوفیوں پر اور ضروری ہے

معاملات میں صرف ظاہر شریعت کو نہ دیکھے

اہل تصوف کبھی عام مخلوق کے لیے سبب

ضرر نہیں بنتے

گراں قیمت کے انتظار میں مال روکنا

صحت امور عامہ

۱۔ زبان ادب سے محروم رہے تو سزا پائے گی

۲۔ کان کا ادب..... بری باتوں سے بچنا

۳۔ آنکھ کا ادب..... بد نظری سے بچنا

۴۔ دل کا ادب ہر بری خواہش سے بچنا

۵۔ ہاتھ کا ادب کہ بخشش میں پھیلے

۶۔ پاؤں کا ادب کہ آڑ نہ چلے

سالمک کے لباس کے آداب

لباس سے شہرت کی طلب نہ ہو

بیوعہ لگے کپڑے پہننے کی فضیلت

آداب ارادت

۹۸

۱۰۱

باب سوم..... قرآن میں قلب کی واردات

قلب قرآن کی رو سے

اسلام کے پانچوں رکن تقوئی پر مبنی ہیں

تین اس آیت میں مذکور ہیں اور یہ تینوں

متقین کے اعمال ہیں

۳۔ روزے کی قیامت بھی تقوئی کا حصول ہے

۵۔ حج میں بھی تقوئی ہی درکار ہے

قربانی میں بھی تقوئی درکار ہے

سینات سے مرے وقت توبہ لائق قبول نہیں
 نہ کفر پر جان دینے والوں کی توبہ قبول ہے
 کہاڑ اور سینات کی حد بندی نہیں کی گئی
 کہاڑ کی حد بندی نہ کرنے کی حکمت

صغیرہ پر اصرار اور اس کا حکم راس سے کبیرہ بتا دیتا ہے
 نیکیوں کی کثرت بھی برائیوں کو بہالے جاتی ہے

۱۳۳

باب پنجم..... عظمت الہیات

حمزہ، حتم کے، اندرونی اور بیرونی

شیابین الجن اندر سے

شیاطین الانس باہر سے

ہرنہی کے لیے دونوں طرح کے دشمن

پنچبروں کو ان سے بچاؤ کی ضمانت

حضور کو لوگوں سے بچانے کا وعدہ دیا گیا

باہر کے حملوں سے بچنے کی ضرورت

بریں مجلسوں سے بچنے کی تعلیم

شیطان کا حملہ انسان کی رگوں سے

اچھی محبت تمہاری سے بہتر ہے

بریں محبت سے تمہاری بہتر ہے

ہر غلطی کے بعد اچھائی کی ضرورت ہوتی ہے

حضور کے دل میں تمہاری محبت ڈال دی گئی

اسلام میں اچھی محبت کی ضرورت

اللہ کی راہ میں آپس میں محبت

اللہ کی راہ میں آپس میں مجلس

اللہ کی راہ میں آپس میں ملاقات

کھانے پینے میں نیکیوں کی مجلس

قرون للہ مشہود لہا بالخیر

شریعت میں کشف والہام سندھیں

اہل طریقت ان سے بھی مدد لیتے ہیں

خدا پر دھیان لگانے کی ضرورت

۱۱۸ تزکیہ قلب کی ضرورت قرآن کریم کی رو سے

لہس کا سنوارنا اور پاک کرنا

پنچبروں کی سیرت کا اجتماعی کارنامہ

تزکیہ کی محنت حضرت خاتم النبیین کے ذمہ لگی

قرآن کی پہلی دعوت، دلوں میں

خوف خدا پیدا کرنا

۱۲۳

صوفیاء کرام کی محنت کی کامیابی

اصلاح کے لئے مشائخ کی ضرورت

شیخ کا طرز عمل

دو ہفتوں کے پاس بیٹھنے والے پیر

۱۲۷

باب چہارم..... عظمت الذنوب

لفظ ذنب کے وسیع معنی

گناہ کبیرہ مطلق گناہ۔ گناہ صغیرہ خلاف اولی

برا عمل گناہ نہیں بنتا جب تک مقصد اور

ارادہ ساتھ نہ ہو

آدم کا مثل عصیان کی صرف ظاہری صورت تھی

گناہ کرنے والے سرچھے کئے ہوں گے

گناہوں کی مختلف قسمیں

۱۲۹

کہاڑ اور سینات کا تقابلی مطالعہ

کہاڑ اور لہم کا تقابلی مطالعہ

توبہ کی توفیق صرف جاہلوں کو ملتی ہے

- ۱۳۷ نماز میں پہلے تہذیبہ پھر تحمید پھر کوئی حصہ قرآن
توبہ کا دروازہ آخر تک کھلا ہے
حدیث قدسی میں مغفرت کی بشارت
حضرت شاہ ابوسعید کا ارشاد
۱۳۶ سالک کو توبہ پر استقامت درکار ہے
توبہ اور مراقبہ میں ایک گہرا ربط
توبہ کا عہد ہر دم آنکھوں کے سامنے رہے
توبہ میں چار کام دل کے چار بدن کے
توبہ پر نہ آنے کے پانچ امراض
حضرت امام غزالی کے ہاں ان کا علاج
توبہ میں دیر کرنا بڑی نادانی ہے
۱۳۹ گناہوں سے نکلنے کی خواہش
شیخ کامل کی تلاش سلوک کی محنت میں
پہلے بیعت توبہ پھر بیعت سلوک
توبہ میں عوام و خواص کے اپنے اپنے مقامات
توبہ کے آداب
۱۵۱ ۱۔ مال حلال سے کھانا ہو اور مال حلال سے
بنا کپڑا پہنا ہو
۲۔ بزرگوں سے بھی اپنے حق میں دعا کرائے
۳۔ گناہ دوسروں کے ظلم میں ہو تو توبہ بھی
ان کے سامنے کرے
۴۔ اپنے بگاڑے کام کو درست کرے
۱۵۳ صحبت شیخ کے آداب
۱۔ شیخ عقائد اسلام سے واقف ہو
۲۔ شیخ کو اولوالامر میں سے سمجھے
- ۱۳۷ شرف صحبت کی سب پر سبقت
شرف صحبت میں سب صحابہ ایک
شرف صحبت کی ظلم و عمل پر سبقت
امت میں تزکیہ قلب کی محنت تسلسل سے چلی ہے
تزکیہ قلب کی محنت پر الٰہی نوازشیں
بری مجالس کی دو قسمیں اعتقادی اور عملی
اعتقادی بدی حلقوں سے اجتناب کی ضرورت
۱۳۹ بری عملی مجالس کی مختلف انواع
حضرت مجدد الف ثانی کا بدعات پر اظہار غم
پیر کرم شاہ صاحب تفریق اہلسنت پر غم
نیکیوں کے گرد لائی گئی بدعات
اہل علمت کی کتابوں سے بھی بچے
حضرت مولانا تھانوی کا ارشاد
سالکین کے لئے احوال کی زیادتی
فحائل کی دو قسمیں
اعمال صالحہ میں سہولت کی طلب نفس کا
ایک عملی کید ہے
۱۳۳ باب ششم..... کفارات الذنوب
پہلا مقام..... توبہ
حضرت امام غزالی کا ارشاد
توبہ سالکوں کی راہ کی ابتداء ہے
حضرت آدم کے زمین پر آنے سے پہلے انہیں
گناہوں سے نکلنے کی راہ بتلا دی گئی
کلمات توبہ بھی خدا سے ہی ملے
تسبیح و تحمید اور استغفار

۱۰۔ شیخ اگر غصہ سے مغلوب ہو جائے تو اپنے

آپ کو ولایت سے معزول سمجھے

مریدوں سے الگ رہ کر اپنی اصلاح کرے

کسی دوسرے بزرگ کی مجلس میں جا بیٹھے

۱۱۔ اہل تصوف کی شہلیات سلوک و احسان

۱۶۹

کے ضابطے نہ بنیں

شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی نصیحت

پھر ہمیشہ ظہیف کے دکھاوے میں رہے

دسویں صدی کی ان باتوں کی حضرت

محمد دالف ثانی نے کھل کر تردید کی ہے

۱۲۵ باب ہفتم..... اولیائے کرام کی حیات برزخی

۱۷۵

بعض اولیائے کرام کے بدن محفوظ دیکھے گئے

بعض قبروں کی مٹی سے خوشبو کی لہریں اٹھیں

حیات برزخی کب سے شروع ہوتی ہے

شاہ نظام الدین اولیاء کے جنازہ کا واقعہ

حزرات اولیاء پر تقویٰ نسبت کا فیض

۱۔ مولانا انور شاہ صاحب کی ایک شہادت

۲۔ حضرت سید احمد شہید کی ایک شہادت

مولانا اسلمعل شہید کی ایک روایت سے

۳۔ حضرت مولانا رشید احمد کی ایک شہادت

۴۔ نواب صدیق حسن خاں کی ایک شہادت

مولانا محمد ابراہیم مہر کی روایت سے

۱۷۹ اولیاء کا برزخی زندگی میں کلام فرمانا

۱۷۹

حضرت زید بن خادج نے کلام فرمایا

خلفائے صلح کے ایمان کی شہادت

۳۔ شیخ اطاعت بن غیر اور اطاعت شیخ

میں فرق بتلائے

۴۔ مرید بیعت کی غرض سے ناواقف نہ ہو

۵۔ شیخ کامل کی علامات اسے معلوم ہوں

۱۵۵ باب ہفتم..... آداب المشائخ

۱۵۵

تعارف

شیخ کے بارے میں بنیادی معلومات

۱۔ کسی شیخ کامل سے خلافت یا نتہ ہو

۲۔ اپنے دور کے اہل اللہ میں معروف ہو

اہل حق اس کے متعلق اچھی رائے رکھتے ہوں

شیخ کے آداب زندگی

ان کی تہذیب عمل نورست پر مبنی نظر آئے

پہلے بزرگوں کی پیروی میں چلے آئے ہوں

۳۔ اپنے عقیدہ مندوں سے حسن سلوک رکھے اور

کبھی کبھی اپنے حق تعظیم سے دستبردار بھی ہو

۴۔ شیخ ابتدا مریدوں کو رخصتوں کی

سہولت دے

۵۔ شیخ مرید کے مال پر نظر نہ رکھے

۶۔ شیخ مرید پر اپنے سفر کا بوجھ نہ ڈالے

پھر ہمیشہ ظہیف کی ادا میں رہتا دکھائی دے

عروں کا ظہیف سے لگنے کا ایک عمل

شیخ اپنے ہاتھ سے عورتوں سے بیعت نہ لے

۷۔ شیخ اپنے مریدوں کیلئے اللہ سے استغفار کرے

۸۔ شیخ اپنے ہاتھ سے عورتوں سے بیعت نہ کرے

۹۔ شیخ اپنے مرید کے امرار کی حفاظت کرے

حضرت مفتی کفایت اللہ کی شہادت
 حضرت مفتی صاحب کا عقیدہ حیات الانبیاء
 عالم بزرگ میں روح کا ندھی بدن سے تعلق حیات
 باب نم..... قرآن کریم میں علم لدنی کی خبر ۱۹۶

کتاب وسنت کے سوا ایک اور علم کی خبر
 سورہ البقرہ ۱۵۱ میں دی گئی ہے
 تفسیر مظہری کا ایک لطیف اشارہ
 حضرت شیخ الہند کا ایک لطیف اشارہ
 علم لدنی علم شائع سے ماوراء ایک طلاء اسرار ہے
 حضرت خضر کے علم لدنی کا بیان
 حضرت یوسف کے علم لدنی کا بیان
 حضرت خاتم النبیین کے علم لدنی کا بیان
 اس امت میں علم لدنی پانے والے

باب دہم..... اصطلاحات تصوف ۲۰۵

بعض الفاظ ایک فن میں ایک خاص معنی پر بند
 حقائق اصطلاحات سے بھی سمجھے جاتے ہیں
 (۱) تصوف میں امیر اور غریب کے اپنے معنی ۲۰۵
 (۲) تواضع اور انکساری کے معنی

جھوٹ کے نہیں ۲۰۶
 دل کی دنیا اچھی صحبت سے بدلتی ہے
 تواضع اور جھوٹ میں جوہری فرق
 انما انابشر میں تواضع ہے جھوٹ نہیں

(۳) نسبت ۲۰۶
 اللہ کی باتوں میں اس کی نسبت ملتی ہے
 ذکر و تلاوت، درود اور درس و تدریس

ایک صحابی کا قبر میں سورہ ملک پڑھنا
 حافظ محمود بکرمی کی قبر سے قرآن پڑھنے کی آواز
 حافظ جصاص رازی کی ایک شہادت
 حافظ تہمتی کی ایک شہادت
 شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شہادت
 ثابت بن قیس کی قبر سے آواز
 خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی قبر پر مراقبہ
 حضرت سید احمد رفاہی کی شہادت
 برزخی حیات کبھی مثالی ابدان میں قبر سے باہر
 حضرت شاہ عبدالرحیم کی ایک شہادت
 شیخ سعدی سے برزخی ملاقات
 شیخ محمد فاضل سعدی میدان عرفات میں
 علامہ ابن حمام اسکندری نے قبر سے آواز سنی
 مولانا محمد منظور نعمانی کی تالیف،

الہی قبور کی ہمسکائی
 طی الارض کا ایک واقعہ،
 حضرت تھانوی کی روایت

فوت شدگان زندوں کی رہنمائی میں ۱۸۸
 ۱۔ حضرت مصعب بن جہام کا واقعہ
 ۲۔ حضرت ثابت بن قیس کا واقعہ
 ۳۔ ابو نواس مرحوم کا واقعہ
 ۴۔ ابو قلابہ کا واقعہ

قبر والوں کو احساس لذت بھی ملتا ہے ۱۹۱
 بزرگوں کے حزارات سے آکتاب فیض
 حضرت شاہ عبدالعزیز کی شہادت

امام غزالی کے ہاں ہمت کے معنی
 حضرت مجدد الف ثانی کے ہاں ہمت
 حضرت شاہ ولی اللہ کے ہاں ہمت
 اہل بدعت نماز میں صرف ہمت کرتے ہیں
 نماز میں بھری طرف صرف ہمت کرنا
 بڑی آفت ہے
 ایسے بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں
 (۷) تصور شیخ ۲۱۳
 شیخ کی محبت میں رہنے کا اثر
 صحابہ حضور کی محبت میں ایک اثر محسوس
 کرتے تھے
 یہ غائب کی طرف حاضر کی نظر خیالی ہے
 اس راہ کے محققین اس سے منع کرتے ہیں
 (۸) رابطہ ۲۱۳
 رابطہ تصور شیخ کی ہی ایک دوسری صورت ہے
 اس سے بے تکلف شیخ کا اتباع میسر آجاتا ہے
 رابطہ شیخ سے مجلس کی صورت میں ہوتا ہے
 شیخ سے رابطہ عبادت میں نہیں کیا جاسکتا
 (۹) حال اور مقام ۲۱۳
 حال عمل کا شمرہ ہے اور مقام
 ایک مرتبہ سلوک ہے
 مقام سالک کے تحت ہے اور
 سالک حال کے تحت
 (۱۰) خاطر اور حال ۲۱۳
 قلب پر جو خطاب وارد ہو وہ خاطر ہے

یہ سب امور اللہ سے متعلق ہیں
 نسبت قائم ہونے سے ایک لطف محسوس ہوتا ہے
 ذکر میں موانعت سے اس میں رسوخ آجاتا ہے
 دنیا ناپ سے اور دین نسبت سے ملتا ہے
 حدیث العلماء و دولة الانبیاء کی شرح
 صاحب نسبت کی تین نشانیاں
 نسبت باطنی کا دوسرا نام شرح صدر
 مقتدا وہی ہو سکتا ہے جو پہلے مقتدی رہا ہو
 (۳) وحدۃ الوجود ۲۰۸
 ماسوی اللہ کی نفی بھی کمال ہے بھی ذات نہیں
 وحدۃ الوجود کا معنی اتحاد و وجود نہیں
 وحدۃ الوجود کا ایک نام عقیدہ توحید ہے
 وحدۃ الوجود کا ایک نام سالک کا مقام فنا ہے
 سالک قرب سے مقام بقا پالیتا ہے
 یہ قول کہ ہر چیز خدا ہے کھلا کفر ہے
 (۵) وحدۃ الشہود ۲۰۹
 وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں اختلاف ہے
 شیخ سحری کے ہاں وحدۃ الشہود کا معنی
 (۶) ہمت ۲۱۰
 ارادہ عبادت کی انتہائی حالت کا نام ہے
 نمازی اپنی ہمت خدا پر ہی لگائے
 کسی اور بزرگ پر صرف ہمت نہ کرے
 شیخ الاسلام ہرودی کے ہاں ہمت کے معنی
 ارادہ کی ابتداء ہم سے اور انتہا ہمت سے
 حافظ ابن تیمیہ کی شہادت

- اس خطاب کی چار قسمیں
(۱۱) تکوین اور حکمین
- ۲۱۵ اشرف علی رسول اللہ کہنے والے کا عقیدہ
اشرف علی رسول اللہ ارادۃً کہنا کفر ہے
۱۔ کبھی غلبہ حال ہوتا ہے
۲۔ کبھی تصدق و ترفیب طالب کی
(۱۳) انس و ناز (فطح و ادلال کی
ایک اور فرع ہے)
- ۲۲۱ صاحب تکوین استقامت سے حکمین پاتا ہے
صاحب تکوین صاحب حال اور صاحب حکمین
واصل منزل
قبض، بسط، سکر، محو..... سب تکوینات ہیں
- ۲۱۵ (۱۲) حالات
مختلف حالات لوازم سلوک سے ہیں
واردات کا رک جانا قبض ہے
پھر واردات ہونے لگیں تو یہ بسط ہے
ساک قبض میں اپنی رائے پر نہ چلے
ظاہری اور غیبی احکام کا امتیاز نہ رہتا سکر ہے
امتیاز کا پھر سے عود کر آنا محو ہے
حضرت عمرؓ پر سکر کی حالت
حضرت جبریلؓ پر سکر کی حالت
حضرت مولانا گنگوہیؒ پر سکر کی حالت
حضرت امام ربانیؒ پر سکر کی حالت
مولانا احمد رضا خانؒ کا امام ربانی پر مٹھ
- ۲۱۹ (۱۳) فطح و ادلال
بے اختیاری میں شریعت کے خلاف کبھی گئی باتیں
حضورؐ نے اس کا ذکر فرمایا، نکیر نہ فرمائی
اللهم انت عہدی وانا ربک
محدث کبیر مولانا بدر عالم نقشبندی کا بیان
- ۲۲۳ (۱۵) جذب
جذب کے تصوف میں دو معنی
۱۔ عالم بالاک کشش یہ بمقابلہ سلوک ہے
۲۔ مکلف نہ رہنا، یہ بمقابلہ عقل ہے
مجنوں اور مجذوب میں فرق
مجذوب کی پہچان
(۱۶) معذور از تکلیفات شرعیہ
۱۔ بچہ ۲۔ سویا ہوا ۳۔ دیوانہ
- ۲۲۵ (۱۷) جذب اور سلوک
سلوک ساک کا اپنا عمل ہے اور
جذب ساک پر وارد ہے
ذکر و فکر سے کبھی غلبہ لایا جاتا ہے
تربیت کے بھی دو طریقے ہیں
۱۔ جذب سے ۲۔ سلوک سے
- ۲۲۷ (۱۸) ارشاد دو تکوین

- ۲۲۱ حضرت جبریل فرشتہ بھی رہے مگر
بشری ساخت میں نمود ہو
خواب میں اکثر چیزیں متحمل ہوتی ہیں
عالم بیداری میں بھی کبھی تحمل ہوتا ہے
وجود حقیقی ایک مگر وجود مثالی متحد ہو سکتے ہیں
علم دودھ کی صورت میں اور حیالہی
تعمیر میں متحمل ہوتی
- ۲۲۲ (۲۳) تعریف
حضرت ابی کے دل میں دوسرا اور
حضور کا تعریف
سینہ پر ہاتھ لگنے سے ابلی و ہد میں آگئے
(۲۳) نفس (انسان کا جی)
- ۲۲۳ انسان روح، جسد اور جی کا مجموعہ ہے
جی کسے کہتے ہیں
نفس کی پہلی حالت نفس امارہ کی ہے
دوسری حالت نفس لوامہ کی ہے
تیسری حالت نفس مطمئنہ کی ہے
(۲۵) ہاتفِ نبی - نبی آوازیں
کبھی جاتے بھی یہ آوازیں سنی گئیں
کبھی نوم دیکھنے کے مابین بھی
حضور ﷺ کے آخری غسل کی بحث
حافظ قلی الدین حمیدی کی شہادت
امام ابو داؤد کی شہادت
نبی آوازیں اسرارِ الہیہ میں سے ہیں
(۲۶) علی الارض - زمین کا لپٹ دیا جانا
- ۲۲۴ ارشادِ دعوت ہے جو انبیاء اور ان کے
بائین سے ملی
نکوین واقعات کا رخ ہے جو ایک
الہی نظام سے قائم ہے
عالم نکوین کے ملازم فرشتے اور کبھی
اہل ولایت بھی
قطب نکوین اولیاءِ مستورین میں سے ہوتا ہے
اہل نکوین فرشتوں سے مناسب رکھتے ہیں
ان انسانوں کے سپرد انتظامی امور کیے
(۱۹) عالمِ خلق اور عالمِ امر
دونوں اللہ کے حکم سے ہی چل رہے ہیں
ادراج اور ان کے اعمال عالمِ امر سے ہیں
(۲۰) عالمِ مثال
یہ عالمِ خلق اور عالمِ امر کے مین مین ہے
مقداری ہونے میں عالمِ خلق کے مشابہ
غیر مادی ہونے میں عالمِ امر کے مشابہ
حضور کے سامنے جنت مثالی صورت
میں لائی گئی
(۲۱) عالمِ بزمِ خ
ایک ایسا جہاں ہے جو ہم سے پردے میں ہے
مرنے کے بعد آخرت سے پہلے عالمِ بزمِ خ ہے
بزمِ خ میں روح کے احکام بدن پر غالب ہیں
مگر بدن سے ایک خاص تعلق ضرور رہتا ہے
(۲۲) عالمِ تمثیل
اپنی ذات باقی رہے اور دوسری
صورت میں نمود

قرآن پاک سے اس کا ثبوت

حضور اکرم سے اس کا ثبوت

آپ کے لیے جب وقت لپیٹ دیا گیا

ایک صحابی کے لیے زمین سمٹنے کی دعا

علامہ زعفرانی اور علامہ شامی کا اختلاف

علامہ نسفی کا فتویٰ جنات میں بھی چلتا رہا

طی الزمان کی ایک اور روایت

(۲۷) ظہور تجلی

اللہ کی اپنے بندوں سے ملاقات

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت حدیث

ہو سکتا ہے یہ خواب ہی ہو

اللہ تعالیٰ جب پہلے آسمان پر نزول فرماتے

تجلی اور اتحاد عرفی اور لغوی معنی پر محمول نہیں

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے پاس ہونا

مظہریت غلط اور ظاہریت حق

(۲۸) ظہور صفات

اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا غلطی میں ظہور

اللہ کا اپنے بندوں کو اپنے علم و علم سے نوازنا

اللہ تعالیٰ کی شان رؤف الرحیم

اس کے بندوں میں

کسی صفت کی عطا اور ہے اور اس کا ظہور اور

(۲۹) استغراق

حضور کی توجہ سے حضرت عمر کا

استغراق میں آجانا

وہد خود بھی قایت درجے کا استغراق ہے

۲۳۵ (۳۰) راہ سلوک کے مسافر وادی حیرت میں

صاحب حال کس وجہ سے حیرت میں گھرے

بعض عارفین کی اور حافظ ابن قیم کی شہادت

۲۳۶ (۳۱) مخفوطیت

خیر امت لوگوں کو حق کی طرف

بلانے والے ہیں

حافظ ابن ہمام اسکندری کی شہادت

مطلوب الشلوغ اختلاء الارض من المعاصی

حضرت معاذ کی نیند بھی عبادت مانی گئی

امام نووی کا بیان: یہ نیت کے اثرات ہیں

حضرت تھانوی کا بیان کہ

معرفت الہی سے امور عادیہ بھی عبادت

بننے لگتے ہیں

(۳۲) مقام رضا

قبض اور وسط دونوں میں راضی برضار رہنا

رضا بالقضاء سے صابریں میں جگہ ملتی ہے

۲۳۸ (۳۳) وظائف

تسبیحات و اوراد

گھٹلیوں پر شمار

حضرت صفیہ کے ہاں گھٹلیاں

حضرت ابو ہریرہ کے پاس گھٹلیاں

(۳۴) علم اسرار

شریعت کے احکام کی حکمتیں

اہل نسبت پر اسرار کا کھلنا

زہد و اتقاء والے کے لئے بشارت نبوی

۲۳۰

۲۳۲

۲۳۳

۲۳۸

۲۳۹

۲۵۰

- اہل نسبت کو علم لدنی بھی ملتا ہے
حضرت عبداللہ بن عباس کی شہادت
امت کے چند حکماء کے نام
حضرت مولانا تھانوی کی شہادت
(۳۵) توسل
توسل سے مراد کیا ہے؟
بہترین وسیلہ عمل ہے
اعمال کی طرح اشخاص بھی وسیلہ کے طور پر
کمزوروں اور عاجزوں کے صدقہ سے ملتا
حضور کی مسکینوں کے وسیلہ سے دعا
ضعفاء و مساکین کی طرح محبوبین بھی وسیلہ
حضور کے چہرے کا صدقہ اللہ سے پارش مانگنا
استفتاء میں توسل کس طرح کیا گیا؟
امام کو دعا کے لیے کہنا یہ بھی توسل ہے
حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ سے وسیلہ لینا
حضور کی قبر مبارک پر حاضری اور التماس
کیا حضور اپنی قبر پر سنتے ہیں؟
مولانا رشید احمد گنگوہی کی شہادت
(۳۶) حصار
کسی جگہ کو بدرجوں اور شیاطین سے بچانا
اسماء اور آیات کے روحانی اثرات
آداب برقرار نہ رکھنے کو اثر چمن جاتا ہے
قرآن کریم سے اس کے چھیننے کی شہادت
حصار کی عملی صورت
حضور کا عبداللہ بن مسعود کے لئے حصار کرنا
- ۲۵۱
۲۵۹
۲۶۱
۲۶۳
۲۵۵
- حضور کا ایک رات اپنا تک قائب ہونا
اور صحابہ کا آپ کی تلاش میں گھومنا
حضور اس رات کیسے چلے؟
امام بیہقی کی شہادت کہ یہ طاقتیں حضرت
عبداللہ بن مسعود اور حضور کے مابین حائل رہیں
امام بخاری کے ہاں ان جنات کا ذکر
(۳۷) رقص، ودھ کی ایک بگڑی ہوئی صورت ۲۵۹
اسلام میں اس کا کوئی جواز نہیں
درختار میں اسے کفر کہا گیا ہے
علامہ شامی کا ایمان ان فردز بیان
(۳۸) قانون کے مقابل لاقانونیت ۲۶۱
شریعت کے انکار کی راہ
اباحیہ کے دلائل ہر چیز کو مباح کرنے کے
بدیوں کو دی گئی رعایت
حضرت عثمان کو دی گئی رعایت
حضرت تھانوی کا بصیرت ان فردز بیان
(۳۹) بڑوز و کون ۲۶۳
عربی میں ہوز بھوز کے معنی نکلنے اور
ظہور کرنے کے
جنوں کو طاقت دی گئی ہے کہ وہ دوسرے
ابدان میں ظہور کریں
بعض کامل انسانوں نے بھی دوسروں
میں بڑوز کیا
بڑوز والے کا دوسرے بدن سے
تعلق حیات نہیں ہوتا

حلول میں دو وجودوں کا ایک ہونا لازمی ہے

صوفیہ کے نزدیک پورا عالم ذات حق

کے سامنے کا لہم ہے

اہل تصوف سے ایک اہم سوال

اصطلاحات تصوف میں جب اتنی نزاکت ہے

تو ہم ان سے پورے طور پر کیوں نہ بھیجیں؟

الجواب

کیا قرآن میں اور حدیث میں تشابہات نہیں

تشابہات کو حکمت کے تابع رکھا جاسکتا ہے

کیا اصطلاحات تصوف کتاب و سنت کے ماتحت

نہیں رکھی جاسکتیں؟

ایک مضمون نگار ہندو اور عیسائی

صوفیوں کا عقیدہ تہند

صوفی کا لفظ محمد شین کے ہاں کوئی عیب نہیں

محمد شین کے اہل تصوف ہونے کی شہادتیں

اولیاء اللہ کو ہندو جوگیوں سے نہ ملانا چاہیے

تصوف کی اصطلاحات کو سمجھنا خاصا مشکل ہے

۲۶۶

۲۷۰

(۴۱) محاسبہ

۲۷۱

(۴۲) مراقبہ

۲۷۵

باب یازدہم..... رجال تصوف

قرآن کریم میں اہل ولایت کے تذکرے

بزرگوں کی یاد میں بنائے گئے بت

شرک کا آغاز قہور صالحین کی بے جا تعظیم سے ہوا

علماء اور صوفیاء میں کبھی نسبت تباہن نہیں رہی

رجال تصوف پر کبھی گئی کتابیں

القائم کمالات ہوتا ہے

تناخ میں دوسرے بدن سے تعلق حیات ہوتا ہے

بروز کے مقابل لفظ کون ہے

کون ان کمالات کے ساتھ بھر پہلے

بدن میں سمٹ آتا ہے

بروز میں پہلا بدن مردہ نہیں ہوتا

بخلاف تناخ کے

تناخ میں پہلا بدن ختم ہو جاتا ہے

اصلی وجود سے تعلق رکھتے کئی ابدان سے تعلق

حضرت مجدد الف ثانی کی شہادت

کون و بروز تناخ سے تعلق نہیں رکھتے

کیا بدن اول برزخ میں نہیں جاتا

برزخی احوال کسی مثالی بدن پر

اتریں یہ درست نہیں

مرزا غلام احمد کا بروزی نبی ہونے کا دعویٰ

غل اور بروز حقائق دائرہ نہیں ہوتے

(۴۰) حلول

دوسرے کا وجود کسی میں اترے یہ حلول ہے

ہندوؤں کا عقیدہ کہ خدانے اپنے

بندوں میں حلول کیا

یہ دعویٰ کہ خدانے منصور میں حلول کیا

صرف جاہلوں کا ہے

خدا کا کسی پر اترنا، یہ اس کی جلی ہے حلول نہیں

وحدت الوجود میں وحدت کا اقرار ہے

اتحاد کا نہیں

- حضرت قلب صاحب کی مرشدانہ ہدایات
وقت کا تقاضا ہوا تو خزان کا ایک
بہتا رویا دکھا دیا
مشائخِ چشتیہ کا ذوقِ سماع
۳۰۵ ۳۔ خواجہ فرید الدین مسعود گھرج
حضرت بابا فرید کا روحانی مقام
حضرت بابا فرید گھرج شکر کی دس ہدایات
حضرت بابا فرید کے لغتوںات
حضرت بابا فرید الدین گھرج شکر کی اولاد
۳۱۴ ۴۔ شاہ علاؤ الدین احمد علی صابر
حضرت شیخ کی نظر میں حضرت علی احمد صابر کا مقام
حضرت مخدوم کی لکیر میں آمد
حضرت بابا فرید الدین گھرج شکر کا نظریہ درویشی
۳۱۷ ۵۔ شاہ نظام الدین اولیاء
ظاہری علوم کے اساتذہ کرام
ایک مروفتی کی آمد اور فتوحات کا عمل جانا
حضرت محبوب الہی کی جو روح اور بے نیازی
دنیا آپ کے سامنے ایک تمثیلی عیرائے میں
شاہانِ سلطنت شاہانِ تصوف کی دلنیز پر
حضرت محبوب الہی کی مسند رشد و ہدایت
عمالِ سلطنت میں آپ کا اثر و فیض
۳۲۳ ۶۔ چراغِ دہلی شیخ نصیر الدین
حضرت چراغِ دہلی کے ارشادات
۳۲۶ ۷۔ خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی
۳۲۸ ۸۔ حضرت امیر خسرو

- یہ تذکرہ نگار مومنین کی طرز پر چلے ہیں
محمدین کی طرز پر نہیں
پہلی چار صدیوں کے ائمہ ولایت
۱۔ حضرت علی ہجویری۔
حضرت علی ہجویری کی راہ تربیت
حضرت علی ہجویری کی روحانی تعلیم
حضرت علی ہجویری کے ہاں مقام معرفت
حضرت علی ہجویری کے مقامات تصوف
حضرت علی ہجویری کے ہاں علم شریعت
ایمان کے بعد سب سے بڑا عمل طہارت ہے
۲۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی
حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی کرامات
ہندوستان میں پہلے ہزار سال کے ائمہ تصوف
(۱) خواجگانِ چشت کا چشمہ ولایت
۲۹۲
۲۹۲ ۱۔ خواجہ مہین الدین اجیری
آپ کی آخرت کی فکر کا ایک رقت آمیز منظر
سلوک کی منزلیں طے کر کے وطن واپسی
حضرت خواجہ کی ہندوستان میں آمد
حضرت خواجہ اجیری ہندوستان کے مختلف بلاد میں
حضرت خواجہ صاحب کا جذب و شوق
شاہانِ وقت کا مرجعِ مقیدت
حضرت خواجہ صاحب کی تعلیمات سلوک
۳۰۱ ۲۔ خواجہ قلب الدین بختیار کاکتی
نہ
تالیفات

- ۹۔ شیخ محمد اشرف جہانگیر سنائی
۳۲۹ حضرت سید محمد اشرف سنائی کی تعلیمات
پیر مرید کے اپنے اپنے آداب
شیخ کے آداب تربیت
پیر کمال کے ہاں مرید صادق کی تعلیم
توبہ سے کیا مراد ہے؟
شریعت طریقت کے آئینہ میں
۱۰۔ سید السادات گیسو درواز
۳۳۷ خواجگان چشت کا فیض و کن میں
(۲) سہروردی بزرگوں کا چشمہ ولایت
۳۳۰ ۱۔ شیخ حمید الدین ناگوری
۲۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی
حضرت نے دینی تعلیم کہاں پائی؟
آپ کی عالمی زندگی
آپ کی تعلیمات
۳۔ شیخ صدر الدین عارف
حضرت شیخ صدر الدین کے ہمت افزاء اقوال
۴۔ شیخ فخر الدین عراقی
۵۔ محمد و بدر الدین
۶۔ شیخ صدر الدین احمد بن محمد الدین امیر حسینی
۷۔ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر
۸۔ شیخ رکن الدین عالم
فقراء کے سلاطین وقت سے تعلقات
حضرت شاہ رکن الدین کے کشف و کرامات
حضرت شاہ رکن عالم کی تعلیمات
- ۹۔ ضیاء الدین نعیمی
۱۰۔ سید جمال الدین بخاری
آپ کے اہل بدعت سے معرکے
۳۵۶ (۳) قادری سلسلے کا تعارف
حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی عالمی ولایت
حضرت شیخ کا فیض حضرت مجدد الف ثانی میں
حضرت شیخ کا فیض شہاب الدین سہروردی میں
حضرت شیخ کی شان میں اہل بدعت کی گستاخیاں
حضرت شیخ کو پتھر مارنے کی وضع کہانی
قرن اول کے آئمہ تصوف جن سے
نسبت لی جاتی رہی
ہندوستان میں قادری نسبت کے پہلے بزرگ
۳۶۳ پہلے ہزار سال کے دس قادری بزرگ
۱۔ شاہ رکن الدین فردوسی ۲۔ شرف الدین ضمیری
۳۔ شیخ مظفر بخینی ۴۔ شاہ نعمت اللہ ولی
۵۔ شاہ اسلمیل بخاری ۶۔ سید محمد غوث گیلانی
۷۔ بہاؤ الدین گیلانی ۸۔ شاہ کمال کستلی
۹۔ شاہ قیس گیلانی ۱۰۔ شیخ وحید الدین طوی
۳۷۳ پاک و ہند کے پہلے پانچ نقشبندی بزرگ
۱۔ حضرت شاہ عبدالحق
۲۔ حضرت سید اجمل بہاؤ بخینی
۳۔ سید بدھمن شاہ ۴۔ حضرت شیخ درویش
۵۔ خواجہ خواجگان حضرت خواجہ باقی باللہ
ہندوستان میں پہلے ہزار سال کے سلاسل اربعہ
ہندوستان میں دوسرے ہزار سال کے جہاں تصوف
۳۷۹

- ۲۳۔ مولانا عبدالحی بہلوی
 ۲۳۔ خواجہ فضل علی قریشی
 ۲۔ قادری سلسلہ کے میں ممتاز بزرگ
 ۱۔ شاہ بدر الدین گیلانی
 ۲۔ شیخ عبدالاحد قادری
 ۳۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی
 ۴۔ حضرت خواجہ بہاری
 ۵۔ حضرت شاہ چراغ لاہوری
 ۶۔ شاہ محمد ملا شاہ قادری
 ۷۔ حضرت سلطان باہو ۸۔ شاہ محمد غوث
 ۹۔ عنایت اللہ قادری ۱۰۔ سید بلصہ شاہ شطاری
 ۱۱۔ سردار علی شاہ قادری
 ۱۲۔ شاہ عبدالعزیز مقبول احمد
 ۱۳۔ شاہ بدر الدین بمبئی
 ۱۴۔ شاہ عبدالرحیم سہارنپوری
 ۱۵۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائی پوری
 ۱۶۔ خلیفہ غلام محمد دہلوی
 ۱۷۔ مولانا تاج محمد امرودی
 ۱۸۔ مولانا احمد علی لاہوری
 ۱۹۔ شاہ عبدالقادر رائی پوری ۲۰۔ مولانا عبدالهادی
 ۳۔ سہروردی سلسلہ کے دس ممتاز بزرگ
 ۱۔ حضرت موج دریا بخاری
 ۲۔ سید عبدالرزاق ملکی
 ۳۔ سید شاہ جمال لاہوری
 ۴۔ حضرت شاہ دولہ گجراتی

سلسلہ چشتیہ کی دو شاخیں نظامیہ اور صابریہ
 سلسلہ قادریہ کے بارہ بزرگوں کے نام
 کئی کئی سلسلوں کے اجازت ناموں کی جھلک
 فقہی نسبتوں اور روحانی نسبتوں میں فرق
 دوسرے ہزار سال کے ہند پاک کے آئندہ طریقت

۳۸۱

۱۔ قشندہی سلسلے کے میں ممتاز بزرگ

- ۱۔ حضرت مجدد الف ثانی
 ۲۔ حضرت سید آدم بنوری
 ۳۔ حضرت خواجہ محمد مصوم
 ۴۔ حضرت خواجہ محمد قشندہ
 ۵۔ شاہ ولی اللہ محدث
 ۶۔ حضرت مرزا مظہر جانجانا
 ۷۔ قاضی ثناء اللہ منتر
 ۸۔ شاہ عبدالعزیز محدث
 ۹۔ حضرت سید احمد شہید ۱۰۔ حضرت شاہ غلام علی
 ۱۱۔ حضرت شاہ ابوسعید ۱۲۔ حضرت شاہ محمد اعلیٰ
 ۱۳۔ شاہ نصیر الدین دہلوی
 ۱۴۔ غلام محی الدین قصوری
 ۱۵۔ سید امام علی شاہ ۱۶۔ شیخ محمد قاضی بنالوی
 ۱۷۔ مولانا فضل الرحمن شیخ مراد آبادی
 ۱۸۔ مولانا سید علی موگیہ ری
 ۱۹۔ تقی عزیر الرحمن شانی
 ۲۰۔ میاں شیر محمد شری پوری
 ۲۱۔ مولانا احمد خاں کندہ پان
 ۲۲۔ مولانا ہد عالم مدنی

حضرت مہدی بن مریم علیہ السلام کا ارشاد
 ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد
 حضرت ابو بکر صدیق کا ارشاد
 حضرت عمر بن خطاب کا ارشاد
 حضرت عثمان غنی کا ارشاد
 حضرت علی المرتضیٰ کا ارشاد
 چھٹی صدی کے بعد کے حالات
 شیخ اکبر محمد بن الدین ابن عربی ۳۹۷
 ابن عربی کے زیر اثر علامہ شعرانی ۳۹۸
 علامہ شعرانی کے لائق اصلاح کلمات
 حضرت مجدد الف ثانی کی بروقت گرفت
 ہم کو نص نہیں چاہیے
 فقیر کسی بدعت میں حسن نہیں دیکھتا
 حضرت سید سلمان عموی کا تجزیہ
 حضرت مولانا تھانوی کی خدمات تصوف
 مریدوں کو اپنا بندہ نہ بنائیں
 حضرت حامی امداد اللہ مہاجر کی فصیحیت

۳۹۷

۳۹۸

۴۰۹

۴۱۷

۵۔ شیخ محمد اسطیل سہروردی

۶۔ شیخ عبدالرحیم سہروردی

۷۔ شیخ عبدالرسول شاہ

۸۔ شاہ مظفر حسین

۹۔ حضرت خواجہ نجیب الدین

۱۰۔ حضرت شاہ توکل حسین

چشتی صابری سلسلہ کے دو بزرگ

۱۔ حضرت میانجی نور محمد جمہانوی

۲۔ حضرت حامی امداد اللہ مہاجر کی

فہم قرآن وحدیث میں حامی صاحب کا علم

حضرت حامی صاحب کے علم کی ایک اور مثال

حضرت حامی صاحب کے حدیث کے علمی غوامض

ایک اور حدیث کے مختلف محامل دیکھئے

حضرت حامی صاحب کی خاتمان دہلی سے نسبت

حضرت حامی صاحب کی بیعت

حامی صاحب چاروں سلسلوں کا بیعت فیض تھے

حضرت حامی صاحب کے طریق کا حاصل

کئی کئی بیعتیں رکھنے والے مشائخ طریقت

آئمہ طریقت کا راجپوری سلسلہ

۱۔ حضرت شاہ عبدالرحیم راجپوری

حضرت ماہدی کو نئے آداب بیعت نہ دیئے گئے

حضرت شیخ الہند کے ہاں حضرت ماہدی کا مقام

۲۔ حضرت شاہ عبدالقادر راجپوری

باب دوازدہم احوال تصوف

احوال تصوف اور ان کے گہرے اثرات

آثار الاحسان

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

تصوف کی تاریخی حیثیت آپ پہلی جلد میں پڑھ آئے ہیں، اس جلد میں ہم کچھ مسائل تصوف اور آداب تصوف آپ کے سامنے لائیں گے۔ اس راہ کے مسافروں کے تجربات بھی اس راہ میں چلنے والوں کی قدیمیں ہیں اور یہ کوئی شریعت سے متصادم دوسری راہ نہیں دینی اعمال اپنے ظاہر میں شریعت سے سمجھے جاتے ہیں اور طریقت انہی اعمال کی باطنی کیفیات کا نام ہے۔ اسلام علم و عمل کا ایک دریا ہے تو شریعت اور طریقت اس کے دو کنارے ہیں، بنا لک اسی میں تیرتا ہوا نور خدا تک پہنچتا ہے۔

دین کی سب سے بڑی محنت دلوں پر محنت کرنا ہے جس طرح آئینہ یا صیقل شدہ لوہا ہو تو اس میں چیزوں کا عکس اترتا ہے اسی طرح دلوں سے رنگ اتر جائے تو ان پر جلوہ الہی اترتا ہے۔ گناہوں سے دلوں پر رنگ لگنے کی خبر قرآن کریم میں اس طرح دی گئی ہے:-

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ (پ ۱۳۰ المطففين ۱۳)

ترجمہ: ایسا نہیں بلکہ ان کے دلوں پر رنگ آچکا اس سے جو وہ کرتے رہے۔ اور ذکر الہی سے دلوں سے رنگ اترنے کی خبر حدیث میں موجود ہے:-

ان القلوب تروين كما يروين الحديد

ترجمہ: بے شک دلوں کو رنگ لگتا ہے جیسے لوہے کو رنگ لگتا ہے۔

صاف دلوں پر اللہ کا جلوہ اس طرح اترتا ہے کہ درمیان میں کوئی حجاب اسے مانع نہیں آتا، آئینہ دل حسن مطلق کو اپنے اندر پالے تو اسے احسان کہتے ہیں۔ یہ حسن سے باب افعال ہے اس کے خواص میں ایک صفت تعدیہ کی ہے، یہ اس جلوہ حسن کو آگے لے جاتا ہے۔ اسلام کے تقاضوں میں جس طرح ایمان ہے اور اس کی اپنی شاخیں ہیں، احسان کا بھی ایک

اپنا مقام ہے اور اس کی بھی شانیں ہیں۔ احسان بندے کا خدا کی حضوری میں آنا ہے، یہ مقام انسان کو بھی نصیب ہوتا ہے کہ اس سے اس راہ کے تمام حجابات اٹھ جائیں، یہ ذکر کرنے سے ہو یا مراقبہ سے یا مرشد کامل کی توجہ سے..... جوں جوں یہ حجابات اٹھتے جائیں انسان خدا کی حضوری میں آتا چلا جاتا ہے۔

اب وہ جو کام بھی کرے گا اور جہاں بھی ہوگا اس کا یہ دھیان اس کے ساتھ ہوگا کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے، یہ کیفیت پختہ رہے تو کہتے ہیں وہ نسبت حضوری پا گیا۔ سو جلد ہم انشاء اللہ العزیز قلب کی واردات پر بھی کچھ گفتگو کریں گے پھر اس سلسل میں ہم انشاء اللہ اولیاء کرام کی اس حیات برزخی پر بھی کچھ کلام کریں گے جو ان کو قرب الہی کی بدولت عالم برزخ میں حاصل ہے اور اس کے بعض آثار یہاں بھی دنیا میں بارہا دیکھے گئے ہیں۔

شریعت اور طریقت میں ایک نہایت ہی لطیف ربط ہے

دین ایمان سے چل کر اسلام میں آتا ہے اسے شریعت کہتے ہیں، اور جب یہ عمل احسان میں آئے تو اسے طریقت کہتے ہیں۔ شریعت میں مومن کو عمل کی پابندیوں میں کچھ کلفت اور مشقت محسوس ہوتی ہے مگر طریقت میں سالک کوئی مشقت محسوس نہیں کرتا۔ جس طرح ماں بچے کے لیے بارہا جاگنے میں کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتی۔ یہ کب ہوتا ہے؟ جب شریعت طبیعت بن جاتی ہے اور جس کے لیے یہ ریاضت کی جارہی ہے اس کی محبت دل میں جاگ اٹھی ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ (۳۶۵ھ) فرماتے ہیں:-

اس کا انحصار خدا کے ساتھ تعلق کی کیفیت پر ہے یہ تعلق جتنا کم اور سطحی ہوگا انسان خدا کا حکم بجالانے میں تکلیف محسوس کرے گا اور یہ تعلق جتنا گہرا اور مخلصانہ ہوتا جائے گا تکلیف کم ہوتی چلی جائے گی۔ یہاں تک کہ اس کے فرمان کو بجالانا ہی اس کے لیے راحت کا سامان بن جائے گا اور اس کے بغیر اسے چین نہ آئے گا۔ (کشف المحجوب ص: ۳۳۷)

اس کے سو سال بعد بھی اہل طریقت کی یہی صدا سننے میں آرہی ہے حضرت شیخ

ضیاء الدین سہروردیؒ (۵۶۳ھ) لکھتے ہیں:-

اللہ کے ساتھ جب ان کا دل صاف ہو جاتا ہے تو انہیں اس وقت شری

تکلیفات بجالانا بھاری نہیں لگتا۔ (آداب المریدین ص: ۱۰)
اس راہ میں چلنے والوں کی اس سے اگلی صدی میں بھی یہی آواز رہی ہے حضرت
شیخ عبدالقادر جیلانی (۶۳۲ھ) لکھتے ہیں:-

محبت ایک ایسی خواہش ہے جو ہر معصیت کو آسان کر دیتی ہے۔ ایسے
عخص کی نیند خراب ہو جاتی ہے۔ صرف فاقہ کے وقت کھاتا ہے اور
ضرورت کے وقت بولتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص: ۶۲۷)

اس اُمت کے دوسرے ہزار سال میں بھی اہل طریقت اسی راہ سے شریعت کی
منزلیں طے کرتے آئے ہیں۔ تصوف کی راہ سے ہی شریعت پر عمل آسان ہوتا ہے حضرت امام
ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۳ھ) لکھتے ہیں:-

تصوف پر چلنے سے مقصود یہ ہے کہ فقہی احکام کے ادا کرنے میں آسانی
میسر ہو۔ (دیکھئے مکتوبات شریف دفتر اول نمبر: ۲۰۷)

حضرت خاتم النبیین ﷺ نے اپنی اُمت سے اپنی محبت چاہی تو یہ اپنے لیے نہ تھا
بلکہ اس لیے کہ امتی پر آپ کی بھڑوی کی منزلیں آسان ہو جائیں اور وہ آپ کی بھڑوی میں کوئی
بوجھ محسوس نہ کرے۔ مرشدان طریقت بھی اپنے مریدوں سے جو اپنی عقیدت چاہتے ہیں تو یہ
اس لیے کہ ان پر آداب شیخ کا بجالانا بوجھ نہ رہے، یہ ان کی طبیعت کا اقتضا بن جائے۔ یہ
دولت ہمیشہ زندہ انسانوں سے انسانوں کو ملی ہے اس راہ کے مسافر کبھی لٹریچر کے مطالعہ سے
اس راہ کو عبور نہیں کر پاتے، ان کو خدا کی حضوری زندہ انسانوں سے ہی ملی ہے۔

اس سے ملنے کی ایک ہی راہ ہے
ملنے والوں سے راہ پیدا کر

اس نعمتِ عظمیٰ کو پانے کے لیے انسان مجرد بر میں دوڑا، اس کا گیان اور دھیان
پانے کے لیے کہاں تک نہیں پہنچا۔ تاہم اس راہ کا کوئی مسافر منزل آشنا نہ ہو پایا، نہ وہ خدا کی
حضوری کہیں پاسکا، جب تک وہ خود اس راہ میں نہ آئے جو رب العزت نے اس راہ کے
مسافروں کے لیے خود تجویز کی ہے۔ اس اُمت کے پہلے طبقے (صحابہ اکرامؓ) کو تزکیہ کی
دولت اور دلوں کے پاک ہونے کی نعمت دنیا کے کامل ترین انسان سے ہی ملی خدا نے آپ
کے ذمہ لگایا کہ آپ اپنے فیضِ محبت سے ان کے دلوں کو وہ جلا بخشیں کہ ان میں حسن مطلق کا

جلوہ اتر آئے۔ یہ صرف راہ نبوت ہے جو خدا کا پتہ دیتی ہے۔ جس نے بھی اس راہ کے بغیر محض محض ودائش سے خدا کی معرفت چاہی وہ کبھی اس منزل پر پہنچ نہیں پایا۔ افلاطون اپنی محفل ودائش میں اتنا اذونچا تھا کہ عقیدہ توحید پا گیا مگر اس کے لیے بھی راہ یہی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں پر حاضری دے اور رسالت کے ذریعے اللہ رب العزت کی معرفت پائے۔

جن سے خدا خود ملا وہ انبیاء و رسل ہیں اور انکے ذریعے جو خدا سے ملے وہ اولیاء ہیں طریقت اور ولایت دونوں وہی ہیں اور خدا کی اپنی عطا اور عنایت ہیں۔ اپنی محنت سے جو چیز حاصل ہو سکتی ہے وہ ان حضرات سے تعلق پیدا کرنا ہے۔ نبوت کا ملنا ختم ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ نے ولایت کی کھڑکی کھلی رکھی ہے، جس کا شریعت پر چلنا خدا کو پسند آجائے وہ اسے اس کھڑکی میں داخلہ دے دیتا ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۸ھ) لکھتے ہیں۔

اعلم ان الله تعالى قسم ظهور الاولياء بانقطاع النبوة
والرسالة بعد محمد وذلك لفقدهم الوحي الرباني الذي
هو قوت ارواحهم (توحات کبیرہ باب ۱۱۳ الیواقیت للضمرانی جلد ۲ ص ۷۲)
ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت سے اولیاء کرام کی (مقام
ولایت سے آگے بڑھنے کی) کریں توڑ دیں حضرت محمدؐ کے بعد نبوت
کا دروازہ بند ہو چکا اب وہ اُس وحی کو جو اُن کی روح کی غذا تھی کھو
بیٹھے۔

اب اولیاء کے لیے وحی خداوندی کی راہ کبھی نہ کھلے گی وہ کتنا ہی قرب الہی میں پہنچیں نبوت کی راہ کو کسی طرف سے کھلا نہ پائیں گے۔ یہ کڑوا گھونٹ انہیں چینا ہی پڑے گا کہ اب ان کے لیے ولایت سے آگے بڑھنے کی کوئی راہ نہیں۔

لما اغلق الله باب الرسالة بعد محمد تجرعت الاولياء
موارثه لا نقطاع الوحي (الیواقیت جلد ۲: ص ۳۹)
ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کے بعد رسالت (کہ وہ کسی کو اپنا
نمائندہ بنا کر بھیجے) کا دروازہ بالکل بند کر دیا تو اولیاء کرام نے اس پر
کڑوے گھونٹ پیئے (اپنی بے بسی محسوس کی) کہ اب خدا سے براہ
راست بات کر لینے کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

نبوت کا سلسلہ اس طرح ختم ہوا کہ اب کوئی شخص خدا سے قطعی درجے میں کوئی خبر پانے والا پیدا نہ ہوگا۔ ایسی وحی بھی جس میں کوئی نئے احکام نہ ہوں اب کسی کو نہ ملے گی نہ کوئی خدا سے باہر نبوت سے ہاتھیں کر پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو انبیاء و رسل کو کوئی نام نہ دیا تھا اس کے علم میں تھا کہ ایک دن سلسلہ نبوت و رسالت کسی پر ختم ہوگا اس کے بعد کسی کو یہ نام نہ ملے گا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا کوئی نام ختم ہو۔ نبی اور رسول کا لفظ کبھی کسی تاویل سے بھی اللہ رب العزت کے لیے وارد نہیں ہوا، تاہم اولیاء پر اس کا یہ کرم خاص ہوا کہ اس نے انہیں اپنا ایک لافانی نام عطا کیا۔ اللہ کی کوئی صفت اور اس کا کوئی نام کبھی ختم ہونے والا نہیں اس کے ناموں میں سے ایک نام ولی بھی ہے اس نے اسے ہمیشہ کے لیے باقی رکھا ہے اور انہیں جو ختم نبوت کی وجہ سے آگے بڑھنے کے کڑوے گھونٹ پی رہے تھے، اپنا یہ نام دیا۔ شیخ اکبر کہتے ہیں۔

لرحمہم المحق بان ابقیٰ علیہم اسم الولی (ایضاً صفحہ: ۸۶)

ترجمہ: حق تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور ان پر اپنے نام ولی کو باقی رکھا۔

یہ نام نہ ختم ہونے والا ہے باب ولایت سے اونچی پرواز گوان کے لیے نہ رہی، وحی کا سلسلہ اب ان کے لیے بند ہو چکا ہے۔ ایسی وحی اب کسی پر نہ آئے گی جس کا ماننا لوگوں کے لیے لازم ٹھہرے اور وہ دین کا جزو ہو، تاہم اللہ رب العزت نے انہیں اپنے ایک نام سے نوازا اور اس نام کا کبھی اختتام نہیں۔ اور یہ ایک بڑی دولت ہے جو انہوں نے پالی۔

نبی اور رسول کے نام اللہ کی شان کے لائق نہیں لیکن اسم ولی اسماء حسنیٰ میں سے ہے۔ یہ مقام ولایت کے راہ نوروں کے لیے ایک بڑی خوشخبری ہے۔

فابقیٰ علینا اسم الولی وھومن اسمائہ سبحانہ وکان ہذا

الاسم لذنہ من رسولہ و خلع علیہ اسماء العبد والرسول

ولا یلیق باللہ ان یسمی نفسہ بالرسول ()

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اسم ولی باقی رکھا اور یہ اسکے اپنے

اسماء میں سے ہے اور یہ نام گویا اس نے اپنے رسول سے لے لیا اور

اس پر عبودہ و رسولہ کے اسماء اتار دیئے اور یہ اللہ کی شان کے لائق نہ تھا

کہ وہ اپنے آپ کو کسی پیرائے میں رسول کا نام دے۔

اس جہت سے مقامِ ولایت نے ایک اور رفعت پائی یہ فضیلت جزوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اب انہیں (اولیاء کو) اپنی دوستی براہِ راست دے دی، تاہم یہ درست ہے کہ ان پر نبوت کا دروازہ بند ہو چکا۔ پہلے اس دروازے سے انبیاء پر شرائع اترتی تھیں اور اب یہ دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا۔

شیخ اکبر اپنے ایک مکالمہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-

میں اپنے دور کے واصلین کے ساتھ بابِ الہی پر آیا تو میں نے اسے کھلا پایا اس پر کوئی دربان اور پہرے دار نہ تھا، میں وہاں ٹھہرا کہ دراشتِ نبوت کی خلعت پاؤں۔ وہیں میں نے ایک چبوترہ دیکھا میں نے اس پر دستک دینے کا ارادہ کیا، مجھے آواز آئی دستک نہ دے اب یہ دروازہ کبھی کھلے گا نہیں، مجھے بتایا گیا۔

ہذہ خوۃ اختص بہا الانبیاء والرسل علیہم السلام ولما
کمل اللین اغلقت ومن ہذا الباب کانت تغلغ علی الانبیاء
علیہم السلام خلع الشرائع (الفتوحات المکیہ جلد: ۳، ص: ۵۳)
ترجمہ: یہ ہارگاہ عالی نبوت ورسالت سے خاص ہے جب دین مکمل ہو
گیا اسے بند کر دیا گیا اس دروازے سے انبیاء پر شرائع کی خلعتیں
اترتی تھیں۔

نبوت کا دروازہ بند ہے اور ولایت کی کھڑکی کھلی ہے اب ولایت کے اپنے درجات اور مقامات ہیں اس سے تصوف کے اپنے مسائل سامنے آئے سالک کے لیے ان مسائل کو جاننا ہی فائدہ دیتا ہے جیسے مسافر کو راستے میں کہیں چراغ میسر آ جائیں۔ سالک اپنی راہوں سے وادیِ سلوک کو عبور کرتا ہے، یہ بات علیحدہ ہے کہ اللہ رب العزت خود کسی پر مہربان ہو جائے اور اسکے دل میں خدا کی محبت اچانک جاگ اٹھے، یہ دلوں کی بیماریاں ہیں جو ان میں محبتِ الہی اترنے نہیں دیتیں ان بیماریوں کو سالک اللہ کے ذکر سے زائل کرے اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت میں مراقبہ بھی کرے۔ سالک کے لیے یہ دونوں کام برابر کی رفتار سے جاری رہنے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت میں تڑپ بھی برابر رہے اور ساتھ ہی دل کا زنگ اتارنے میں شیخ کی تربیت میں اذکار و تسبیحات جاری رہیں ان میں سے کوئی پلڑا اٹھنے نہ پائے، یہ دونوں عمل برابر کی محنت سے جاری رہنے چاہئیں۔

مسائل تصوف میں دلوں کی بیماریوں کو جانا جاتا ہے اور اخلاقی قدروں کو پہچانا جاتا ہے، پھر ہر ایک کے ازالہ کی ایک تدبیر اور ایک تربیت ہے۔ اس راہ کے مسافروں کے لیے مہلکات کو جاننا اور بیماریات کو پہچانا تصوف کی روح ہے۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) نے کیمیائے سعادت اور احیائے علوم دین میں ان کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ جس طرح عقائد میں سب سے بڑی ہلاکت شرک ہے معاشرے میں سب سے بڑی برائی زنا کا کاروبار ہے معصیت میں سب سے بڑی برائی سود کھانا ہے اور اسے حلال کہتا اللہ اور اس کے رسول خاتم سے جنگ کا اعلان کرنا ہے۔ دل کے امراض میں سب سے بڑا مرض کبر اور حب جاہ ہے۔ کائنات میں سب سے پہلا گناہ کبر کا تھا ابلیس نے بوجہ کبر آدم کو سجدہ نہ کیا حب جاہ اسی کبر کا دوسرا رخ ہے۔

اس کے برعکس تصوف کی بناء تواضع پر ہوتی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں اپنے آپ کو گرا نا ہے، سالک کو اپنے آپ کو گرانے سے ہی رفعت ملتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

وما تواضع احد لله الا رفعه الله

(جامع ترمذی ج: ۲، ص: ۲۳۰ وقال حسن صحیح)

ترجمہ: اور جس کسی نے اپنے آپ کو اللہ کے لیے جھکایا اللہ اس کو اٹھاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔

مسائل فقہ میں علم جوش مارتا ہے۔ اختلافات بڑھتے ہیں اور جذبہ مسابقت ابھرتا ہے، یہ تصوف ہے جو علما اور فقہاء میں تواضع لاتا ہے ان لوگوں کو ایک دوسرے کے قریب کرتا ہے۔ آثار الاحسان جلد اول میں ہم ان بزرگوں کی ایک فہرست دے آئے ہیں جو اپنے وقت کے محدثین اور فقہاء بھی تھے۔ مگر وہ وادی سلوک کو بھی عبور کیے ہوئے تھے۔ حضرت امام شافعیؒ جب امام ابوحنیفہؒ کے حزار پر گئے تو وہاں ان کی مسجد میں نماز میں رکوع میں جاتے ہوئے رفع یدین نہ کی۔ آپ صرف فقہ و حدیث کے امام نہ تھے اہل طریقت کے بھی پیشوا تھے۔ امام ابوحنیفہؒ خود بھی اہل طریقت میں سے تھے، حضرت علی بجزیریؒ نے کشف المحجوب میں انہیں اہل طریقت میں ذکر کیا ہے۔ علم کے ساتھ جب تواضع آئے تو اس سے بڑی کوئی روحانی نعمت نہیں۔

چار درویش ایک کھیل میں گزارہ کر سکتے ہیں لیکن دو ظاہر کے عالم ایک قصبہ یا ایک شہر میں ایک دوسرے پر روک ٹوک کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مولانا حافظ عبد اللہ روپڑی جب

امرِ سر میں مقیم ہوئے وہاں کس طرح وہ اپنے علماء شریعت سے لڑے اسے کتاب مظالم روپڑی پر مظلوم امرتسری (تصنیف مولانا ثناء اللہ امرتسری) میں دیکھ لیں۔

صوفیاء کرام نے اپنی اس تواضع سے لاکھوں مسلمانوں کے دل جیتے اور ان میں خدا کی محبت اتار دی۔ مگر وہ فضلاء کہ ذوق طریقت انکے نصیب میں نہ تھا، صوفیاء کے اس برابر کے عجز کو عزت نفس کے خلاف سمجھتے رہے بلکہ بعض نے اسے ذلت نفس تک کہہ دیا۔

حضرت امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) کے اقران میں سے تھے آپ بھی اہل طریقت میں سے تھے آپ فرماتے ہیں۔

پانچ قسم کے لوگ دنیا میں سب سے زیادہ عزت والے ہیں:-

(۱) زاہد عالم (۲) فقیہ صوفی (۳) تواضع سے پیش آنے والا غنی

(۴) صابر شاکر فقیر (۵) روشن ضمیر بڑا آدمی (شریف) (عوارف العارف صفحہ ۳۹۲)

روشن ضمیر شریف وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بڑی دنیوی عزت دی ہو وہ کوئی

عہدیدار یا کسی درجے کا ذمہ دار ہو مگر اللہ نے اسے دل روشن عطا کیا ہو

تواضع زگردن فرازاں کو است

گدا گر تواضع کند خونے اوست

ترجمہ: بڑے لوگوں کی طبیعت میں عاجزی ایک نیکی ہے کہ گدا گر

عاجزی کرتا ہے تو یہ اس کی عادت ہے۔

قرآن کریم میں ہے:-

تلک الدار الآخرة نجعلها للذین لا یریدون علواً فی

الارض ولا فسادا والعاقبۃ للمتقین (پ ۲۰، القصص ۸۳)

ترجمہ: وہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو دیتے ہیں جو زمین میں بڑائی

نہیں چاہتے اور نہ بگاڑ ڈالنا، اور بھلی عاقبت ڈرنے والے لوگوں کے

لیے ہے۔

سو تصوف میں ان لوگوں کے لیے کوئی حصہ نہیں جو اپنی بڑائی اور بزرگی چاہتے

ہیں۔ اسکی بنیاد تواضع پر ہے۔ اور جو اپنے آپ کو اللہ کے سامنے گرائے اللہ تعالیٰ اسے اٹھاتے

ہیں اور بلند کرتے ہیں۔

کبر کا مرض کسی ہمدردی کا مستحق نہیں ہوتا

جب کسی پر بلا اترتی ہے اور وہ کسی مصیبت کا شکار ہوتا ہے تو ہر کسی کو اس پر رحم آتا ہے لیکن ایک شخص ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس پر بلا اترتی ہے تو اس پر کسی کو رحم نہیں آتا۔ وہ کون شخص ہے؟ وہ جو کبر و نخوت کا شکار ہوا ہو.... یہ تواضع کی ضد ہے۔ جب کوئی تکبر پکڑا جاتا ہے تو اس پر رونے والا بھی کوئی نہیں ہوتا کسی کو اس پر رحم نہیں آتا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں کہا گیا ہے۔

لما بکت علیہم السماء والارض وما كانوا منظرین

(پ ۲۵ الدخان ۲۹)

ترجمہ: سو نہ رویا ان پر آسمان اور نہ زمین اور ان کو مہلت نہ دی گئی۔

حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردی (۷۶۳ھ) لکھتے ہیں۔

حضرت محمد ﷺ نے کسی کو نماز میں کوئی بے ہودہ حرکت کرتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا دل عاجزی کرتا تو اسکے اعضاء بھی عاجزی کرتے۔ حضرت جنید بغدادی نے ابو حفص حداد سے کہا کہ آپ کے احباب تو آپ کا ایسا ادب کرتے ہیں جیسے بادشاہوں کا ادب، تو آپ نے کہا ایسا تو نہیں پر یہ ہے کہ ظاہر کا حسن باطن کے حسن کا نشان ہوتا ہے۔ (آداب المریدین صفحہ ۱۷)

دوسروں کا حسن ادب کا اظہار بھی اگر صرف رضائے الہی کے لیے ہو تو ان بزرگوں کے عمل تواضع سے نہیں ٹکراتا۔ وہ اپنے آپ کو مریدین سے کچھ اونچا نہیں سمجھتے وہ عطاء الہی ہے کہ جسے چاہے اونچا کر دے اور جسے چاہے نیچا کر دے۔

نصیر اس کو فضل الہی سمجھ
وگرنہ تجھے جانتا کون ہے

تصوف ترک دنیا کا نام نہیں ہے

تصوف کی محنت سے بقول حضرت بھویرتی دلوں کے حجابات اٹھتے ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت اترتی ہے کشف الحجب انہی پردوں کو اٹھانے کی محنت ہے۔
تصوف ترک دنیا کا نام نہیں نہ اسلام رہبانیت کی تعلیم دیتا ہے، تاہم سالکین دنیا

میں زیادہ اٹھاک نہیں رکھتے دنیا بقدر ضرورت ملے بس اسی میں وہ خوش ہیں اور آخرت کی زندگی کو وہ ایک نہ ختم ہونے والی زندگی سمجھتے ہیں۔ پس فلاح اسی میں ہے سالک روزی کی تلاش میں اتنا نہ لگے کہ اسے اللہ کی اس عنایت پر بھروسہ نہ رہے۔

وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها (پ ۱۲، ہود ۶)

ترجمہ: اور زمین پر چلنے والا کوئی نہیں مگر یہ کہ ہے اللہ پر اسکی روزی۔

دونوں باتیں ذہن میں رہیں یہ فقر ہے یہ مجرد محتاجی نہیں، یہ فقر محمود ہے کہ بقدر ضرورت دنیا میں لگے اس میں اس قدر مشغول نہ ہو کہ اصل مقصد حیات کی طرف توجہ نہ رہے تب کہیں اسے وادی سلوک میں چلنا میسر ہو سکے گا۔ فقر کی انتہا سے تصوف کی ابتدا ہوتی ہے۔

حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردی لکھتے ہیں:-

اس راہ کے مسافروں کا اتفاق ہے کہ فقر اور چیز ہے اور تصوف اور چیز، فقر کی نہایت تصوف کی بدایت ہے ایسے ہی زہد اور ہے اور فقر اور، فقر مجرد محتاجی اور نہ ہونے کو نہیں کہتے فقر محمود یہ ہے کہ اللہ پر توکل کرے اور اس کی تقسیم پر راضی ہو۔ (آداب الريدین صفحہ ۱۰)

جب دلوں پر گناہوں کے حجاب چھائے ہوئے ہوں اس وقت خدا کی تقسیم پر راضی رہنا بہت مشکل ہوتا ہے سو ضروری ہے کہ پہلے سے ان حجابات کو اٹھانے کی کوشش کی جائے۔ قرآن کریم میں رزق کی تقسیم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ یہ ہر ایک کی اپنی اپنی ہے اب کیا کوئی ہے جو خدا کی تقسیم پر راضی نہ ہو اور سب کے لیے ایک معیار معیشت کا طالب ہو!

نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا ورفعنا بعضهم

فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضاً سخرياً (پ ۱۲۵، الزخرف ۳۲)

ترجمہ: ہم نے ہانٹ دی ہے ان میں ان کی روزی اس دنیا کی زندگی میں اور بلند کر دیئے ہیں روزی میں ان کے درجے بعض کے بعض پر کہ ٹھہرائیں ان میں سے بعض دوسرے بعض کو خدا کا کھار (کہ ان کو ان کے ذریعے سے روزی ملے)

بندہ جب دنیا میں رزق کی بہاء چاہے تو یہ رزق وافر اسے صحیح راہ پر آنے نہیں دیتا۔ قرآن کریم میں ہے۔

وكم اهلكنا من قرية بطرت معيشتها فتلك مساكنهم لم

تسكن من بعدهم الا قليلاً وكننا نحن الوارثين (پ ۳۰، اقصص ۵۸)
ترجمہ: اور کتنی عاقبت کر دیں ہم نے بستیاں جو اپنی معصیت پر اترائیں
سو یہ انکے گمراہ دیکھو کہ ان کے بعد آباد نہ ہوئے مگر کچھ وقت ہی اور ہم
ہی ہیں آخر میں سب کچھ لینے والے۔

حضرت امام غزالی نے کیمیائے سعادت میں اس راہ کی تین ہلاکتیں اس طرح ذکر
کی ہیں:-

۱- دنیا کی دوستی کے بیان میں

۲- مال کی دوستی کے بیان میں

۳- جاہ و حشمت کی طلب میں

یہ آپ کے بیان کردہ دس مہلکات میں سے پانچویں چھٹی اور ساتویں ہلاکتیں
ہیں۔ سالک جان و مال کا یہ تحفظ اور اپنے لیے عزت کی طلب کبھی نہ کرے اگر وہ جانے ہوئے
ہو کہ سب عزت حقیقت میں صرف ایک اللہ کے لیے ہے ان العزۃ لله جميعا۔

حمد را ہاتو نسیجے است درست

بردرے ہر کہ رفت بردرے تست

امام غزالی نے پھر ان بیماریوں کے علاج بھی بتلائے ہیں سالک کو چاہیے کہ دنیا
بقدر ضرورت طلب کرے اس سے آگے نہ بڑھے۔

تاہم یہ ضروری ہے کہ وہ کبھی اشارہ بھی یہ تاثر نہ دے کہ تصوف ترک دنیا کا نام
ہے، نہ وہ کسی کو یہ تاثر دے کہ اسے ”وما من دابة فی الارض الا علی لله رزقها“ کی
رو سے خدا کی ضمانت پر بھروسہ نہیں ہے، نہ وہ یہ کہے کہ اسباب کو چھوڑ کر سب کچھ اللہ کی طرف
سے ہونے کا یقین کر لو۔

ترک دنیا قوم کو اپنی نہ سکھانا کبھی (حالی)

تصوف میں اصلاح و تربیت کی ابتداء

اسلام میں اصلاح و تربیت کی ابتداء نیک صحبت سے ہوتی ہے۔ علم کا سایہ اس کی
حفاظت کرتا ہے۔ صحبت کا شرف اور علم کا کمال اعمال صالحہ کی آبیاری کرتے ہیں۔ علم میں کمی

بیشی ہوتی ہے اور علم کے مختلف درجات ہیں ان کے مطابق اللہ رب العزت اہل علم کو درجات دیتے ہیں۔

يرفع الله الذين امنوا منكم والذين اوتوا العلم درجات

(پ ۲۸، الجادلہ)

لیکن اس امت میں پہلا شرف علم پر نہیں صحابیت پر رکھا گیا ہے اس میں سب صحابہ ایک سے ہیں۔ اس شرف میں حضرت بلال حبشیؓ امام ابوحنیفہؒ سے بہت آگے نکل گئے۔ شرف صحابیت میں سب صحابہ ایک مقام پر رہے جس نے ایمان کے ساتھ حضورؐ کو آپ کی زندگی میں بیداری میں دیکھا (گو ایک لمحہ کے لیے ایسا ہوا ہو) وہ مقام صحابیت پاکیا۔ صحابیت محبت سے ہے یہ کوئی علم یا عمل کا پیمانہ نہیں نہ اس کے لیے کسی خاص درجہ علم یا عمل یا ریاضت کی ضرورت ہے ہاں ان میں سے ہر ایک کو جنت کا وعدہ دیا گیا ہے

وكلأ وعد الله الحسنیٰ (پ ۲۸، الحدید ۱۰)

ترجمہ: اور ان میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ دیا ہے۔

ہر ایک صحابی سے وہ مہاجرین میں سے ہو یا انصار سے، سابقین سے ہو یا متاخرین سے، اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے، پھر جنت میں ان کے اپنے اپنے درجات ہیں۔ یہ خدا کی عنایت تھی کہ جسے چاہا حضورؐ کے اس دور میں پیدا کر دیا اور وہ یہ نعمت عظمیٰ پائے، آگے ان میں بھی جو علم میں آگے نکلے وہ مجتہدین صحابہؓ مانے گئے اور تمام صحابہؓ حضورؐ کے بعد ان کی پیروی اور تقلید میں چلے اور یہ تمام حضرات ایک امت ہو کر رہے، ان میں مجتہدین بھی تھے اور مقلدین بھی تھے۔

تصوف میں صحبت کی اولیت

کالمین کی صحبت میں آنا تصوف کا موضوع ہے ہاں یہ مدار شریعت نہیں شریعت کا مدار کتاب و سنت اور ان سے استنباط کردہ مسائل پر ہے۔ مگر طریقت کا مدار نیک صحبت اور دلوں کی صفائی پر ہے اور اسے تزکیہ بھی کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جہاں صحابہؓ کو قرآن کی تعلیم دی وہاں ان کا تزکیہ بھی فرمایا۔ یہی تعلق صحبت جب گھماتا ہے اور اس میں دلوں پر رحمت ہوتی ہے تو انسان روزمرہ کی زندگی میں مقام احسان پر آجاتا ہے اور وہ ایک روشن احساس ہے

کہ اللہ تعالیٰ اسے ہر لمحہ دیکھ رہا ہے۔ ان تعبد اللہ کانک توراہ فان لم تکن توراہ
فانہ یواک کہ عبدیت میں اس طرح آ کہ گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اگر تو کچھ نہ رہے، اپنے
آپ کو بالکل مٹالے تو اسے دیکھ پائے گا کیونکہ وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔

اسلامی معاشرے میں کوئی دور تصوف سے خالی نہیں رہا ہم پہلی جلد میں اس پر
صدی وار شہادت پیش کر آئے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کی اسلامی تاریخ کو تو آپ بہت قریب
سے جانتے ہیں۔ جہاں جہاں بھی شرکی جگہ خیر آیا ہے وہاں پہلے صوفیہ کرام کے قدم آئے ہیں
پھر وہاں علم کے چراغ روشن ہوئے۔ شریعت تہلید کی راہ سے بھی عمل میں آئے تو اپنے اثرات
دکھا دیتی ہے اس راہ کے مسافر زیادہ بیرونی میں چلتے ہیں تحقیق کا دم نہیں مارتے تاہم کرامات
واحوال سے بھی وہ اس طرح نوازے جاتے ہیں کہ ان پر محققین بھی حیران نظر آتے ہیں۔

آناں کہ خاک را بنظر کیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

تصوف دل کے حجابات اٹھانے کی ہی ایک محنت ہے

دل کے حجابات کیسے اٹھتے ہیں

۱۔ اللہ تعالیٰ خود کسی خوش قسمت پر مہربان ہو جائیں اور اسے اپنی طرف کھنچ لیں جس
طرح اس نے حضرت عمرؓ کو کھنچ لیا اور ان سے اسلام کو وہ عزت دی جو حضورؐ کی تمنا تھی اور
آپ کے منہ سے نکلی ایک دعا تھی۔

۲۔ اسباب کی دنیا میں کوئی دنیا کی حقیقت سمجھ لے اور اس کا دل اللہ کے حضور رجوع
لائے تو دینی اصلاح کے لیے اس کا پہلا عمل توبہ ہے اور اگر یہ توبہ کسی مرد کامل کے ہاتھ پر ہو تو
اسے بیعت کہتے ہیں۔

۳۔ کبھی کالمین کی توجہ خود بھی کسی طالب کے شامل حال ہو جاتی ہے اور وہ اسے اپنی
طرف کھنچ لیتے ہیں اس پر ہم مصطلحات تصوف میں کچھ بحث کر آئے ہیں۔

توبہ کے مختلف دائرے: (۱) کبائر سے (۲) سیئات سے (۳) خلاف اولیٰ سے۔
انبیاء کرام اپنی علو نسبت میں خلاف اولیٰ کو بھی گناہ سمجھتے ہیں، جب ان کی طرف
گناہ کی نسبت ہو تو گناہ اپنے اصل معنی میں نہیں ہوتا۔

انسان کبائر سے توبہ تو عام مشاہدات کائنات سے بھی کر لیتا ہے۔ قرآن کریم میں اس پر ان ہی ذلک لآیات کی نص وارد ہے۔ ہاں نفس لتارہ کے چھوٹے چھوٹے روگ مرشد کامل کی تربیت کے بغیر کم ہی نکلنے ہیں۔ پھر ہر گناہ کا ایک اپنا وزن ہوتا ہے اور اس سے بھی بے خبر نہ رہنا چاہیے کہ بدی بدی کو کھینچتی ہے اور اپنی ایک کمزوری سے بے پروائی کئی کئی کمزوریوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

تاریخ کے موڑوں پر یہ دور بھی دیکھا ہے
لحوظ نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

طالبین پہلے اپنے وہ گناہ پہچانیں (۱) جو کبیرہ ہیں ان سے بچنا پھر صغائر سے بچنا بھی ہو جاتا ہے (۲) سینات اور (۳) اپنی خلاف اولی غلطیوں کو پہچانیں اور انہیں کبھی حقیر نہ جانیں۔ ارادت اور توبہ کے اپنے آداب ہیں انہیں ہم انشاء اللہ العزیز آداب کی فہرست میں زیر بحث لائیں گے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں برسہیل تعارف چند ان بیماریوں کا بھی ذکر کر دیں جن سے اخلاق باطنہ کی گہری کھائی کو عبور کرنے میں بہت سے لوگوں نے مار کھائی ہے۔

اخلاق باطنہ کے دو پیرائے

تصوف کی حقیقت آپ جان چکے ہیں کہ یہ اخلاقِ رذیلہ سے چھٹکارا حاصل کرنے اور اچھے اخلاق کو اپنے قلب و قالب میں لانے اور اپنانے کی دینی محنت کا دوسرا نام ہے۔ ہم یہاں اخلاق کا، وہ اچھے ہیں یا برے، ایک جامع نقشہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں اور انہیں اپنے قلب اور نفس کے اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

ایک بزرگ نے اخلاقِ حمیدہ کو ان نو خصائل میں جمع کیا ہے:-

خواہی کہ شوی بمنزل قرب متیم
نہ چیز بنفس خویش فرما تعلیم
مہر و شکر و قناعت و علم و یقین
تفویض و توکل و رضا و تسلیم

اور اخلاقِ رذیلہ کو ان دس میں اس طرح جمع کیا ہے۔

خواہی کہ شود دل تو چوں آئینہ
 وہ چیز بروں کن از درون سینہ
 ۱- حرص و ۲- امل و ۳- غضب و ۴- دروغ و ۵- غیبت
 ۶- حسد و ۷- بخل و ۸- ریا و ۹- کبر و ۱۰- کینہ

ان رذائل کو دل سے نکالنے اور ان فضائل کو دل میں بٹھانے کے لیے اس راہ کے کچھ اعمال ہیں، کچھ مقامات ہیں۔ سالک کو ان تمام راہوں سے گزرنا پڑتا ہے اس میں اسے کئی مقامات ملیں گے۔ ہم انشاء اللہ ان مقامات کا بھی آگے کہیں ذکر کریں گے، کچھ ان کی تفصیل بھی آگے کی جائے گی۔ ان کے بعد ان رذائل اور فضائل پر کچھ تفصیلی بات آپ کے سامنے لائی جاسکے گی، واللہ هو الموفق۔

یہاں مقدمہ میں ان کا یہ مختصر تعارف اس لیے کر دیا گیا ہے کہ قارئین کرام اس فن کی ضرورت اور وسعت کو اپنے دل میں بسالیں۔ اس پر وہ اسے ایک موضوع علم کے پہلو سے ہی نہیں عمل کے پہلو سے بھی دیکھیں وہ اس میں اصلاح و تربیت کا ایک عظیم ذخیرہ پائیں گے۔
 روحانی فیض و اصلاح خلوت کی مجلسوں سے ہی ملتا ہے:

صرف صحابہ کرام و تابعین عظام حضور ﷺ کے قرب مکانی اور آپ کی نظر پر اثر کی وجہ سے زیادہ خلوت مکانی کے محتاج نہ تھے لیکن بعد کے ادوار میں سہ اللہ! اسی طرح جاری ہوئی کہ جتنا کسی مرشد کامل کے زیادہ قریب رہو گے اصلاح و تربیت اسی کے مناسب میسر آئے گی۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

حضرات صحابہ و تابعین بوجہ قوت قلب و قرب عہد

فیض مہد

بلکہ ذکر میں محتاج خلوت مکانی کے نہ رہے۔ بعد میں تفاوت احوال و طبائع کے سبب عاۓہ اس ملکہ کی تحصیل موقوف ہو گئی۔ (المصنف ص ۲۷۳)

روح اور نفس کا اپنا اپنا دائرہ ہے

سعادت کی فرودگاہ روح ہے اور خواہشات کا منبع نفس ہے اور دونوں کا اپنا اپنا میدان ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارواح اولاد آدم سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا اسی طرح

اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی میں خواہشات اتاریں۔ جو نبی نفس کی تخلیق کی، اس میں خرد و شر کے دو نقطے اتار دیئے۔ روح عالم بالا میں رہی اور نفس اس نچلے جہان میں موضوع امتحان رہا۔

خواہشات کا نوج نفس ہے اسے اچھی اور بری دونوں باتیں سمجھا دی گئیں، قرآن کریم میں اس کی خبر دی گئی ہے فالہمہا فجورہا و تقواہا۔ طبیعت کی کلی پہلے یہیں کھلتی ہے۔ نفس ہمیشہ ایک سانہیں رہتا روح کی کارکردگی آپ لطائف اعمال میں دیکھ سکیں گے۔

یہ تصوف کا حاصل عمل ہے، ہم یہاں یہ دس عنوان بلا ترتیب پیش کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس راہ کے مسافروں کو کن کن ایشیوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ ہر صاحب مقام اپنے مقام کو بہتر پہچان سکتا ہے۔ ہم انشاء اللہ آگے کتاب میں ان کی پوری تفصیل کریں گے۔

تصوف کے مقامات

- | | | | | |
|-----------|-----------|---------------|-----------|-----------|
| ۱۔ مجاہدہ | ۲۔ مشاہدہ | ۳۔ محاسبہ | ۴۔ مراقبہ | ۵۔ ہمت |
| ۶۔ نسبت | ۷۔ لطائف | ۸۔ سیر و سلوک | ۹۔ خواطر | ۱۰۔ موانع |

ہم ان مباحث میں پہلے دور کے ائمہ تصوف: حضرت علی ہجویریؒ (۳۶۵ھ)، امام غزالیؒ (۵۰۵ھ)، شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ (۵۶۳ھ) اور: محبوب سبحانی قطب صدیقی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۹۵ھ) کی راہ پر چلے ہیں اور ان کی تائید میں ہم نے کہیں کہیں دوسرے ہزار سال کے مجدد امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۳ھ)، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)، حضرت شیخ عبدالغنی نابلسیؒ (۱۱۳۳ھ) اور حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۳۶ھ) سے بھی استناد کیا ہے۔

ایک خطرے پر انتباہ

اس راہ میں گودل بہت لگتا ہے یہ ایک نئی دنیا کی سیر ہے اس لیے ہم نے اپنے عنوان میں بھی اسے سیر سلوک و عرفان کہا ہے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ یہاں علم ظاہر میں اور مشاہدات میں کبھی زبردست ٹکر بھی ہوتی ہے، کبھی شیطانی طاقتیں مجسم ہو کر مومن اور اس راہ کے مسافروں کو اپنی راہ سے بچلاتی ہیں۔ سو اس میں زیادہ گہرے چلے جانے سے کئی خطرات بھی ہیں ان میں سالک جب تک ظاہر شریعت سے چٹا رہے وہ ہر خطرے سے محفوظ ہے وہ اپنے ہر خواب ہر الہام اور ہر مشاہدہ کو ظاہر شریعت پر پیش کرے اور اس راہ کے

محققین سے اسکی تطبیق لے تو انشاء اللہ العزیز وہ جامع شریعت و طریقت ہوگا، اللہ کریم انہی لوگوں کے ساتھ ہے۔

والذین جاہلوا فینا لنہدینہم سُبُلنا وان اللہ لعم المحسنین

(پ ۲۱، الحکبوت ۶۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کریں ہم ان کے لیے اپنی راہیں ضرور کھول دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بیشک مقام احسان پر آنے والوں کے ساتھ ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں صوفیائے کرام کی راہ نہایت مشکل اور ہڈ خطر ہے اور کسی شے میں اس قدر غلط فہمیاں اور اندیشے نہیں جتنے اس راہ میں ہیں۔ (کیسائے سعادت) آثار الاحسان کی یہ جلد ایک مقدمہ اور بارہ ابواب پر مشتمل ہوگی:-

(۱) مسائل تصوف (۲) آداب تصوف (۳) قرآن کریم میں قلب کی واردات (۴) ظلمات الذنوب (۵) ظلمات الجالس (۶) کفارات الذنوب (۷) آداب المشائخ (۸) اولیائے کرام کی حیات برزخی (۹) قرآن کریم میں علم لدنی کی خبر (۱۰) اصطلاحات تصوف (۱۱) رجال تصوف (۱۲) اقوال تصوف

آداب تصوف ایک مستقل کتاب ہے جس کی متعدد فصلیں ہیں رجال تصوف بھی ایک مستقل کتاب ہے۔ یہ دو حصوں میں ہے:

۱- پاک و ہند کے پہلے ہزار سال کے ائمہ تصوف

۲- پاک و ہند کے دوسرے ہزار سال کے ائمہ تصوف

یہ ان ائمہ تصوف کا تذکرہ ہے جو اس راہ کے مسافروں کے عمومی پیرائے میں پیشوا سمجھے گئے یہ ان کے مختصر سوانح حیات ہیں جن میں ان کے عہد، ان کے کام، ان کے مسلک، ان کے نصاب اور ان کے زندگی بخش اقوال ذکر کئے گئے ہیں۔

| | | | | |
|-----|-------|--------|------|--------|
| نام | ٹیکے | رنجگاں | ضائع | کن |
| تا | بماند | نام | نیکت | برقرار |

ایک اصولی بات پہلے ذہن نشین کر لیجیے

یہ کام مجاہدہ سے تعلق رکھتا ہے اجتہاد کا اس
میں دخل نہیں..... اور یہ ضروری نہیں کہ جو کھیتی
کرے وہ غلہ بھی حاصل کرے اور جو چلے وہ
منزل پر بھی پہنچے..... اور جو تلاش کرے وہ پا
بھی لے جو کام بڑا ہوتا ہے اس کے شرائط بھی
زیادہ ہوتے ہیں۔ (امام غزالی)

تاہم اس راہ کے مسافر اسی امید پر چلتے ہیں کہ منزل پر پہنچیں گے گو پہنچے وہی
ہیں جن کے نام سعادت لکھی جا چکی ہو، مجاہدات ان کے اعمال ہوتے ہیں، مشاہدات ان کا
نصیب ہوتے ہیں اور اس راہ کے مقامات نہایت شریف درجات ہیں اور اس شرف کے لیے
دوڑ لگانے والے بہت کم بد نصیب ہوئے ہیں۔

آس کھیتی کے پھینے کی انہیں ہو یا نہ ہو
پردہ ہیں پانی دیئے جاتے کسانوں کی طرح

مسائل تصوف

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

ہم پہلے بارہا کہہ آئے ہیں کہ طریقت شریعت کے متوازی کوئی دوسری راہ عمل نہیں ہے۔ دین اسلام کا چشمہ شریعت اور طریقت کے دو کناروں میں یکساں بہتا آ رہا ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا اسلام کیا ہے آپ نے فرمایا:

ان تشهدان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله وتقيم
الصلوة و توتى الزكوة وتصوم رمضان و تحج البيت ان
استطعت اليه سبيلاً (مختلوة ص ۴)

ترجمہ: تو گواہی دے کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور
یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے زکوٰۃ دے
رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر تو وہاں جا سکے۔

اللہ رب العزت کی توحید کے اقرار سے مراد اس کی معرفت ہے اسلام سے مراد
اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی توحید کا اقرار ہے۔ حضرت عباسؓ کہتے ہیں کہ جب حضور نے
حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو نصیحت فرمائی:

فليكن أول ما تدعوهم الي ان يوحدوا الله فاذا عرفوا
ذلك فاخبرهم ان الله فرض عليهم خمس صلوات في
يومهم و ليلتهم فاذا صلوا فاخبرهم ان الله افترض عليهم
زكوة في اموالهم توخذ من غنيهم لترد على فقيرهم فاذا
افروا بذلك فخذ منهم (صحیح بخاری، ۲، ص ۱۰۹۶)

ترجمہ: چاہیے کہ تو انہیں سب سے پہلی دعوت اللہ تعالیٰ کی توحید کی دے جب وہ معرفت پالیں تو انہیں بتا کہ اللہ نے ان پر ایک دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور پھر ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو امیروں سے لی جائے اور غریبوں کو دی جائے۔

اس موضوع کی دوسری روایات کو ساتھ ملا کر یہ کل نو امور ہوئے۔

(۱) معرفت الہی (۲) توحید باری تعالیٰ (۳) ایمان بالرسالت (۴) نماز سے پہلے طہارت (۵) نماز قائم کرنا (۶) اپنے اموال کی زکوٰۃ دینا (۷) رمضان کے روزے رکھنا (۸) اور بیت اللہ شریف کا حج جب وہ کر سکیں (۹) مجلسی آداب و احکام اور معاملات کی پاکیزگی۔

جب انسان ان نو امور کا پابند ہو جائے تو اب اس کی زندگی سراپا آداب بن جائے گی۔ اس نویں منزل سے مراد (۱) اچھی صحبت اختیار کرنا، (۲) بری صحبت سے بچنا، (۳) دلوں کی پاکیزگی اور (۴) سنت کی حفاظت ہے۔ یہ شریعت کا ایک مختصر خاکہ ہے جس کا ہر مسلمان مکلف اور پابند ہے۔

یہی طریقت ہے جس کا مشائخ سبقت دیتے ہیں برصغیر پاک و ہند میں تصوف پر سب سے پہلی جامع کتاب کشف المحجوب ملتی ہے۔ یہ حضرت علی ہجویریؒ کی تالیف ہے۔ آپ فرماتے ہیں انسان کے دل پر غفلت کے پردے پڑے ہیں طریقت انہیں پردوں کے اٹھنے کا نام ہے، شریعت ایک قانون ہے اور طریقت اس کی راہ ہے۔ شریعت اسلامی انسان کی زندگی میں کیسے اترتی ہے؟ یہ طریقت ہے، یہ شریعت کا کوئی غیر نہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ (المعروف داتا صاحب) نے کشف المحجوب میں ان نو امور سے پردہ اٹھایا ہے، کشف حجاب پردہ اٹھانے کو ہی کہتے ہیں۔

- ۱۔ پہلا کشف الحجاب - اپنے سے شرک دور کرنا
- ۲۔ دوسرا کشف الحجاب - اخلاص عقیدہ توحید
- ۳۔ تیسرا کشف الحجاب - ایمان کے بارے میں

- ۴۔ چوتھا کشف الحجاب - طہارت کے بارے میں
 ۵۔ پانچواں کشف الحجاب - نماز کے بارے میں
 ۶۔ چھٹا کشف الحجاب - زکوٰۃ کے بارے میں
 ۷۔ ساتواں کشف الحجاب - روزے کے بارے میں
 ۸۔ آٹھواں کشف الحجاب - حج کے بارے میں
 ۹۔ نواں کشف الحجاب - (۱) اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرنا (۲)

برے لوگوں سے بچنا (۳) خدا تعالیٰ کا ادب اور اس کی تعظیم (۴) زندگی کے تمام دائرے
 ایک جوڑ میں (۵) شریعت کبھی سالک سے ساقط نہیں ہوتی (۶) عبادات کے ساتھ ساتھ
 معاملات کی اصلاح (۷) یہ اقرار کہ حقوق کبھی نیکیوں کی کثرت اور چلہ کشی کی محنت سے
 ساقط نہیں ہوتے۔

شریعت کا نقشہ ہم نے محدثین سے اور طریقت کا نقشہ مشائخ تصوف سے آپ کے
 سامنے رکھ دیا ہے، اب کیا کوئی دانشور کہہ سکتا ہے کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں ہیں۔
 اور علماء اور درویشوں کی شروع سے ان بن چلی آرہی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

باطنی زندگی کی یہی ترتیب آپ کو حضرت امام غزالی سے ملے گی۔ راہ سلوک کے
 سب مسافر طالبان کو یہی آواز دیتے آئے ہیں، اسی میں سلامتی ہے اور اسی میں نجات ہے۔
 شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی مقام احسان ان تعبد اللہ کانک تراہ کی اس طرح شرح
 کرتے ہیں:-

حدیث جبرئیل کے یہ جملے ان تعبد اللہ کانک تراہ نبی کریم ﷺ
 کے جوامع الکلم سے ہیں، جن کے الفاظ کم اور معانی بہت زیادہ ہوتے
 ہیں۔ کیونکہ ان میں مقام مشاہدہ، مقام مراقبہ وغیرہ بیان ہوئے ہیں
 اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خود عبادت کے بھی تین مراتب و مقامات
 ہیں ایک یہ کہ ان کی ادائیگی ایسے طریقہ پر کی جاوے کہ ظاہری ارکان
 و شرائط پورے ہو کر وظیفہ تکلیف ادا ہو جائے، دوسری صورت اس طرح

ادا کرنے کی ہے کہ اپنے قلب میں پورا استحضار اس امر کا کرے کہ حق تعالیٰ اس کی بندگی و اطاعت کو مشاہدہ و معائنہ فرما رہے ہیں جو مقام مراقبہ ظاہر ہے کہ یہ صورت اول سے بہتر ہے، تیسری صورت سب سے اعلیٰ و ارفع یہ ہے کہ مکلفہ کے دریاؤں میں غوطہ زنی کرے، حق تعالیٰ کے ہمہ وقت دھیان و اسغراق سے اپنے قلب کو مشغول کرے اور حضور دوام کی دولت سے مالا مال ہو جس کا ثمرہ دوام ذکر ہے یعنی حق تعالیٰ کو ہر آن حاضر و ناظر سمجھے گا تو اس کی یاد سے بھی دل غافل نہیں ہو سکتا، جب یہ صورت حال ہو جاتی ہے تو گویا اس کو حق تعالیٰ کی رویت و مشاہدہ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی مقام آنحضرت ﷺ (ارواحنا فداہ) کو حاصل تھا اسی لیے آپ نے فرمایا ”جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ“ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کیونکہ طاعت میں آپ کو لذت اور عبادت میں راحت ملتی تھی اور چونکہ آپ کے قلب انور کو انوار کشفیہ الہیہ محیط ہو چکے تھے اس لیے غیر اللہ کی توجہ و التفات کے تمام دروازے اور درتے بچے بند ہو چکے تھے۔

یہ جب ہی ہوتا ہے کہ قلب کے تمام گوشے محبوب کے ذکر و تصور سے معمور ہو جاتے ہیں، اندرونی حواس کی نس میں اسی کی یاد اور اسی کا خیال سما جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ بھی وہ دنیا کے ظواہر و رسوم دیکھتا ہے وہ سب بے خیالی اور بے دھیانی کی نظر ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد اس کے ظاہری حواس کان، آنکھ وغیرہ بھی وہی کچھ سنتے دیکھتے ہیں جو اس کے محبوب حقیقی کی محبوب و مرضی ہوتی ہے اب وہ ظاہری کان آنکھ سے سب کچھ سنتا دیکھتا ہے مگر کچھ نہیں سنتا دیکھتا، اور اندرونی حواس اس قدر بیدار و کار گزار ہو جاتے ہیں کہ وہ سب کچھ دیکھتا ہے جو ہم ظاہری حواس سے کبھی بھی دیکھ اور سن نہیں سکتے۔ حدیث میں ہے کہ بندہ مجھ سے قریب ہوتے ہوتے اتنا قریب ہو جاتا ہے کہ پھر میں ہی اس کی سمع و بصر بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے (فتح المسلمین)

اب ہم اس راہ کی منزلوں کی کچھ نشاندہی کرتے ہیں واللہ ہوا الموفق لما یحبہ

ویرضاہہ

آثار الاحسان کا پہلا باب یہی مسائل تصوف ہیں۔

مسائل تصوف

وہ کون سے اعمال ہیں جن کے ذریعہ طالب سلوک کی منزلیں طے کرتا ہے اور مقام احسان کو پالیتا ہے، ان اعمال تصوف کو ہم یہاں مسائل تصوف سے ذکر کرتے ہیں۔ ان سے سالک کے رستے سے تمام حجابات اٹھتے جاتے ہیں اور حجابات اٹھنے سے وہ وادی احسان میں داخل ہو جاتا ہے۔

علم سلوک کی وسیع و عریض وادی میں پہلا قدم بھی اٹھتا ہے کہ سالک کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور سچی محبت حاصل ہو۔ مومن شریعت پر چلتے ہوئے عبادت میں جب اس مقام پر آئے کہ وہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے اور یہ نہیں تو کم از کم اس کا یہ عقیدہ جاگ اٹھے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے تو اس نے علم سلوک میں پہلا قدم رکھ دیا۔ اس راہ کے مسافر کو اس میں کیسے چلنا ہے اس کے مختلف مراحل اور اس کے مختلف آداب ہیں جو اس کی زندگی کی ہر ادا میں اس کے ساتھ ساتھ رہیں گے، وہ اس وادی میں ہر لمحہ قدم بڑھائے گا یہاں تک کہ وہ حسن مطلق کا وصال پائے۔

جس طرح کار کے چلنے میں پٹرول پہلے سے ہونا درکار ہے اور یہ کہ کار صحیح سمت پر کھڑی ہو اس راہ کے مسافروں کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو اور پھر اسے خدا کی محبت اس جوش سے اٹھائے کہ پھر وہ اس راہ میں چلتا ہی جائے یہاں تک کہ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

سو مسائل تصوف میں سالک کی پہلی ضرورت یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو۔ یہ معرفت اسے خالق اور مخلوقات کے تقابلی مطالعہ میں ملے گی۔ قرآن کریم میں ہے کہ زمین و آسمان کی پیدائش میں اور رات دن کے آگے پیچھے آنے میں اور دیگر مظاہر فطرت میں اللہ تعالیٰ کے کھلے نشان ملتے ہیں۔ یہ پوری کائنات اس کے ہونے کا ایک کھلا نشان ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ بڑی جاہی ہے اس شخص کے لیے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان پر غور نہیں کیا۔ رواہ ابن حبان فی صحیحہ وابن عساکر فی تاریخہ۔

(دیکھئے معارف القرآن ۲ ص ۳۶۲)

بعض ائمہ تصوف نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا وہ اپنے رب کو پہچان گیا اور وہ اس کی معرفت کی وادی میں آ گیا۔

من عرف نفسه فقد عرف ربه او كمال قال النبي ﷺ

ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو جان لیا اس نے اپنے خدا کو بھی پہچان لیا۔

مخلوقات میں غور کرنا انسان کو خالق کی معرفت میں پہنچا دیتا ہے، قرآن کریم نے

ان ہی ذلک لآیات کہہ کر اس کی نشاندہی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرنے میں جو چیز رکاوٹ بنتی ہے وہ اپنے نفس کا بت

ہے۔ یہاں تقریباً ہر شخص اپنے آپ کو اپنی حقیقت سے کچھ نہ کچھ ضرور ہی بڑا سمجھتا ہے اور یہ

حقیقت ہے کہ جس جی میں ذرہ برابر بھی کبر ہوگا اللہ کی صحیح معرفت اس کے دل میں نہیں

اترتی۔ سو اس راہ کے سالک کو چاہیے کہ جتنا اپنے آپ کو مٹانے کے لئے، اسے اس راہ کا مرشد

کامل بھی اسی راہ پر لگائے اور اس راہ میں اسے پیش آنے والی ایک ایک رکاوٹ اپنے حسن

تریت سے اٹھائے اور سالک سمجھنے لگے کہ میرا رب مجھے ہر آن دیکھ رہا ہے اور میرا کوئی عمل

اس سے چھپا نہیں، مجھے پالنے والا بھی وہی ہے اور فیصلے کے دن کا مالک بھی وہی ہے، حمد و ثناء

اسی کے لیے اور عبادت کی ہر ادا بھی اسی کے لیے۔

الحمد لله رب العالمين O الرحمن الرحيم (مالک یوم

الدين

اللہ رب العزت کو مالک یوم الدین ماننے والا کبھی کسی شرک میں آلودہ نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے اپنے سے دور رہنے کا اسی جہت سے ذکر کیا ہے کہ وہ اسے پہچان

نہ سکے وہ اس کی عظیم قدرت کی طرف ذرا بھی دھیان کرتے تو وہ اس سے دور نہ رہ سکتے تھے۔

وما قدروا الله حق قدره والارض جميعاً قبضته يوم القيمة

والسموات مطويات بيمينه سبحانه و تعالیٰ عما يشركون

(پ ۲۳، الزمر ۶۷)

ترجمہ: اور وہ نہیں سمجھے اللہ کو جتنا کچھ وہ ہے اور زمین ساری ایک مٹھی

ہے اس کی قیامت کے دن اور ساتوں آسمان لپٹے ہوئے ہوں گے
اس کے دائیں ہاتھ میں۔ وہ پاک ہے اور بہت اوپر ہے اس سے کہ
اس کا اوروں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔

اس کی شان رفیع اور مرتبہ بلند کا اجمالی تصور رکھنے والا کیا عاجز و محتاج مخلوق حتیٰ کہ
پتھر کی بے جان مورتیوں کو اس کا شریک تجویز کر سکتا ہے؟ حاشا و کلا۔

آگے اس کے بعد اس کی عظمت و جلال کا بیان ہے۔ اس کی عظمت شان کا یہ حال
ہے کہ کل قیامت کے دن کل زمین اس کی ایک مٹھی میں اور سارے آسمان کاغذ کی طرح لپٹے
ہوئے اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے۔ اس کی عبادت میں بے جان و عاجز و محتاج مخلوق کو
شریک کرنا کہاں تک روا ہوگا۔ وہ شرکاء تو خود اس کی مٹھی میں پڑے ہوئے ہیں جس طرح
چاہے ان پر تصرف کرے ذرا کان یا زبان نہیں ہلا سکتے۔ (شیخ الاسلام)
پہلا کشف الحجاب

۱۔ اللہ کی معرفت کا راز

سالک کے دل میں اللہ کی معرفت کا جب شعلہ بجڑتا ہے تو پھر اس کی معرفت علمی
معرفت حالی ہو جاتی ہے۔ سالک معرفت حالی کو معرفت علمی کے بغیر نہیں پاسکتا وہ لوگ جو
بدون معرفت علمی معرفت حالی کے مدعی بنتے ہیں وہ ہرگز سلوک کی راہ پر نہیں ہیں۔ حضرت علی
ججویریؓ (۳۶۵ھ) لکھتے ہیں: معرفت کی دو قسمیں ہیں (۱) معرفت علمی اور (۲) معرفت حالی۔
معرفت علمی اسے پہنچانا ہے اور معرفت حالی یہ ہے کہ بندے کا حال اس کی علمی
معرفت کا آئینہ دار ہو۔ یہ حال علم کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا اسی لیے کہتے ہیں کہ جاہل عارف
نہیں ہو سکتا۔

راہ گیر درویش اور چمٹا بردار ملنگ کبھی خدا کی معرفت رکھنے والے نہیں سمجھے جا
سکتے۔ یہ کچھ جادو کے اثرات اور جنوں کے اعمال ہوتے ہیں جو ان کے بارے میں لوگوں
کو اس مغالطے میں ڈال دیتے ہیں کہ شاید یہ بھی پہنچے ہوئے بزرگ ہیں۔
یہ نہ سمجھا جائے کہ خدا کے بارے میں صحیح علم اس کی معرفت کے لیے کافی ہے۔

حضرت علیؓ جو برائی فرماتے ہیں علم و عقل الہی معرفت کی علت نہیں صرف اس کے ذرائع ہیں معرفت کی علت صرف خدا کی عنایت ہے جو کسی خوش نصیب کے شامل حال ہو جائے۔ اس کی عنایت کے بغیر علم و عقل دونوں مل کر بھی کسی کو اللہ رب العزت کی معرفت رکھنے والا نہیں بنا سکتے اس لیے اس راہ کے بعض کا ملین کہتے ہیں کہ ولایت (اللہ کی دوستی) کوئی کسی چیز نہیں یہ ایک وہی چیز ہے جو کسی سعادت مند کو ہی ملتی ہے۔

اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویہدی الیہ من ینیب

(پ ۲۵، الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ: اللہ جنہ لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے۔

شیخ الاسلام لکھتے ہیں:

ہدایت وغیرہ سب اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے وہ چاہے بندوں میں سے جنہ کر اپنی طرف کھینچ لے اور اپنی رحمت و محبت سے مقام قرب و اہم مقام پر فائز فرمادے۔ اور جو لوگ اپنی حسن استعداد سے اس کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور محنتیں کرتے ہیں ان کی محنت کو ٹھکانے لگانا اور دھگیری کر کے کامیاب فرمانا بھی اسی کا کام ہے۔ حکمت الہی جس کی ہدایت کی منتقزی ہو وہ ہی ہدایت پاسکتا اور فائز المرام ہو سکتا ہے۔

عنایت الہی جب بھی عطا ہو اور جسے بھی عطا ہو وہ ایک وہی مرتبہ ہے وہ کبھی محنتوں پر عنایت ہوتا ہے اور کبھی اس کے اپنے چناؤ پر۔ وہ ہدایت اسے ہی دیتا ہے جو اس کی طرف متوجہ ہو اور وہ ہدایت پالیتا ہے جو اس کی طرف آجائے یہدی الیہ من اناب (پ ۱۳، الرعد ۲۷) وہ راہ اسے دیتا ہے جس نے اس کی طرف رجوع کیا۔

دوسرا کشف الحجاب

۲۔ اخلاص عقیدہ توحید

صحیح معرفت الہی کے لیے اخلاص عقیدہ توحید ضروری ہے۔ راہ سلوک کا جو مسافر خدا کو ایک نہیں جان پایا اسے اس راہ میں نکلا کیسے مانا جاسکتا ہے وہ اس راہ پر آتے ہی رستے

میں کھو گیا۔ انبیاء و اولیاء کی محبت اگر اسے محبت خداوندی پر نہیں ڈال سکی تو وہ انبیاء و اولیاء کی سچی محبت نہ تھی اس راہ کے مسافروں کے لیے شیطان کا ایک دھوکہ تھا۔ مزاروں کے چمٹا بردار ملنگ کبھی ان بزرگوں کے عاشق نہیں سمجھے جاسکتے جن کی قبروں پر کھڑے وہ ان کے نعرے لگاتے ہیں۔ اہل معرفت کی آنکھوں سے یہ پردہ اسی وقت اٹھے گا جب یہ پردہ اٹھنا ان کے کسی کام نہ آسکے گا۔

لقد كنت لى غفلة من هذا فكشفنا عنك غطاءك
لبصرک الیوم حدید (پ ۲۶، ق ۲۲)

ترجمہ: تو بے شک اس کے بارے میں غفلت میں تھا اب ہم نے تیرے سامنے سے ہر پردہ ہٹا دیا ہے پس آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔
حضرت علیؓ جو یرئی ارشاد فرماتے ہیں:

جب تک کسی کا عقیدہ توحید کامل نہ ہوگا اس کے عمل میں کبھی اور رنگارنگی باقی رہے گی۔ توحید کا پہلا قدم خدا کے ساتھ ہر حیثیت سے اور زندگی کے ہر شعبے میں شریک کی نفی کرنا ہے۔ (کشف المحجوب)
تیسرا کشف حجاب

۳۔ ایمان کا دائرہ وسیع ہے

ایمان میں حضرت خاتم النبیین ﷺ کی ان جملہ تعلیمات کو جو قطع و یقین سے ہم تک پہنچیں ان سب کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے۔ ایمان ایک بسیط چیز ہے یہ قابل تقسیم نہیں، یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اتنی فیصد مسلمان اور بیس فیصد کافر ہو اور کوئی شخص سو فیصد مسلمان ہو اور کوئی شخص بیس فیصد مسلمان ہو۔ ایمان قابل تقسیم نہیں ہے۔ ہاں ایمان میں قوت اور ضعف کے درجے ضرور آتے ہیں، ایمان قوی ہونے کو ایمان کے زیادہ ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے اور ایمان کے ضعیف ہونے کو کمی ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ایمان بڑھتا اور گھٹتا ہے ہاں ایمان حقیقت میں کمی بیشی قبول نہیں کرتا صرف ضعف اور قوت کے اعتبار سے کم اور زیادہ ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں زادہم ایماناً سے قوت ایمان ہی مراد ہے۔ ایمانیات (مومن بہ امور) کی کمی بیشی مراد نہیں اور ایمان مقدار میں کم اور زیادہ نہیں ہوتا

کیفیت میں قوی اور کمزور ہوتا ہے۔

ایمان کی اہمیت

حضرت علیؓ ہجویری فرماتے ہیں:-

ایمان کے بغیر بندے کی کوئی عبادت اس کا کوئی عمل اور اس کی طرف سے کوئی بڑی سے بڑی جانی و مالی قربانی قبول نہیں ہے۔ (ص ۲۸۹)

جس طرح فقہاء میں یہ مسئلہ زیر اختلاف رہا ہے کہ کیا ایمان میں کمی اور بیشی ہو سکتی ہے صوفیہ کرام میں بھی اس میں اختلاف رہا ہے۔ حضرت داؤدؑ، ابراہیمؑ، ذوالنون مصریؒ، بایزید بسطامیؒ، سلیمانؒ، حارث محاسبیؒ، جنید بغدادیؒ، سہل بن عبد اللہ تسترؒ اور شفیق بلخیؒ یہ حضرات امام ابوحنیفہ کے ہم عقیدہ رہے کہ ایمان مقدار میں کم و بیش نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ ہجویریؒ نے اس اختلاف پر یہی فیصلہ دیا ہے۔

یہ اختلاف فی الحقیقت صرف عبارت کا اختلاف ہے معنی اور اصل حقیقت کے لحاظ سے دونوں گروہوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اہل معرفت اور (فقہاء) اہل سنت والجماعت دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ ایمان کی ایک اصل ہے اور ایک فرع۔ ایمان کی اصل زبان سے اقرار اور اس کی دل سے تصدیق ہے اور ایمان کی فرع معاملات میں اس ایمان کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھنا ہے۔ اور اہل عرب کا عرف اور ان کی عادت بھی یہی ہے کہ کسی چیز کی فرع کو اس سے الگ نہیں کرتے بلکہ اسے اصل سے ہی پکارتے ہیں اس لیے ایمان کا ذکر آجانے کے بعد عمل و اطاعت کے الگ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جس شخص کے دل میں جس قدر خدا کی محبت ہوگی اتنا ہی وہ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے والا ہوگا کیونکہ محبت کی علامت فرمانبرداری ہے۔ اگر کسی کا دل خدا کا محل ہو اور اس کی آنکھ خدا کو دیکھنے والی ہو تو یہ ناممکن ہے کہ وہ خدا کے کسی حکم کو ترک کرنے والا ہو۔ (۲۹۰)

سو چاہیے کہ سالک ایمان کی حقیقت کے ساتھ ایمان کے تقاضوں کو بھی بجالائے، اور خدا کے ہر حکم کو پورا کرے۔

ان تین حجابات کے اٹھنے سے ایمان و یقین اپنے درجہ کمال پر آجاتے ہیں اب چھ عمل کے اگلے حجابات ہیں ان کے پردے اٹھنے سے سالک کا ارادہ تصوف پورا ہو جاتا ہے اور اس راہ کا مسافر آخر اپنی منزل کو پہنچ جاتا ہے، ان سالکین کو اب واصلیین بھی کہا جاتا ہے، یہ اللہ سے مل چکے اور اپنی منزل پا چکے۔ اب ہم عمل کے ان چھ حجابات کو سامنے لاتے ہیں ان میں سے پہلا کشف الحجوب کا چوتھا کشف الحجاب ہے۔

چوتھا کشف الحجاب

۴۔ طہارت کے باب میں

اسلام دینِ فطرت ہے فطرت گندگی سے نفرت کرتی ہے۔ انسان کو اگر کسی چیز سے گھن آئے تو بسا اوقات اس کا معدہ الٹنے لگتا ہے۔ سو طہارت دینِ فطرت کی پہلی صدا ہے ایمان کے بعد پہلی عبادت نماز ہے نماز کے لیے طہارت شرط ہے وہ وضو سے ہو یا تیمم سے۔ اللہ تعالیٰ کو توبہ اور طہارت سب سے زیادہ پسند ہے۔ کفر سے توبہ اور گناہ سے توبہ، یہ توبہ کے دو درجے ہیں اسی طرح حدیث اکبر سے پاک ہونا (کہ اس پر غسل فرض نہ ہو) اور حدیث اصغر سے پاک ہونا (باد وضو ہونا) یہ طہارت کے دو پہلو ہیں۔

پھر طہارت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ظاہری طہارت اور (۲) باطنی طہارت

حضرت علیؑ ہجویریؒ فرماتے ہیں۔

ظاہری اور باطنی طہارت کو باہم جمع کرنا ضروری ہے، جس طرح اپنے بدن کو ظاہری نجاست سے پاک کرتے ہو اپنے باطن کو بھی غیر اللہ کی محبت سے پاک کرنے کی کوشش کرو۔ جب وضو کے لیے اپنے ہاتھ دھوؤ تو تمہارے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ اپنے دل کو بھی دنیا کی محبت سے دھوؤ، جب کھلی سے منہ صاف کرو تو اپنے کو غیر کے ذکر سے بھی پاک کرو، جب ناک صاف کرو تو تمام شہوتوں کو اپنے اوپر حرام کرنے کا قصد کرو، جب

اپنا چہرہ دھوؤ تو ساتھ ہی تمام مرغوبات نفس سے منہ موڑ لو اور پوری یکسوئی کے ساتھ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرو، جب سر کا مسح کرو دماغ کی تمام سوچوں کو بھی ایک اللہ تعالیٰ کی منشاء کے تابع کرو اور جب پاؤں دھوؤ تو پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی تابعداری کے سوا اور کسی راہ پر نہ چلنے کی آواز دو۔ اس طرح جو وضو کیا جائے گا وہ ظاہری اور باطنی دونوں طہارتوں پر مشتمل ہوگا۔ (ص ۲۹۵)

پانچواں کشف الحجاب

۵۔ نماز کے بارے میں

انسان سارا دن اپنے کاموں میں لگا رہے یہ ایک غفلت کی زندگی ہے، اسے چاہیے کہ دن رات میں کم از کم پانچ دفعہ خدا کی طرف دھیان کرے۔ نماز بقیہ وقت مومنین پر فرض کی گئی ہے، یہ اسی لیے کہ خدا کی طرف بھی دھیان جائے سو نماز خدا کی یاد کے لیے ہے۔

۱۔ گو نماز سے انسان کو ایک ڈسپلن کی زندگی ملتی ہے۔

۲۔ پاکیزہ رہنے کی عادت بدن سے بھی اور کپڑوں سے بھی ہو جاتی ہے۔

۳۔ مسجد میں آنے سے وہ کچھ وقت کے لیے نیک صحبت میں آجاتا ہے۔

۴۔ اپنے دینی بھائیوں میں اسے مجالست ملتی ہے۔

لیکن ان سب میں نمایاں چیز یہ ہے کہ اسے نماز میں خدا کی یاد میسر آتی ہے، نماز کی عاقبت ہی خدا کی یاد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے اسی لیے اپنی طرف بلا یا تھا، فرمایا:-

اننى انا الله لا اله الا انا فاعبدنى واقم الصلوة لذكرى

(پ ۱۶، ط ۴)

ترجمہ: میں خدا ہوں، کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کر اور

نماز قائم رکھ میری یاد کے لیے۔

انسان دنیا میں کہاں تک منہمک رہ سکتا ہے؟ بس اتنا ہی عرصہ جو ایک نماز سے

دوسری نماز تک جائے، پھر نماز سے ایمان کی نئی تازگی بخشتی ہے یہاں تک کہ اگلی نماز کا وقت

آجائے، اس دوران وہ اپنی دنیا میں لگا رہے مگر غفلت اس پر قابو نہ پاسکی یہاں تک کہ پھر اس کی نماز کا وقت آگیا۔ نماز رات دن میں بلا وقت نہیں رکھی گئی ورنہ انسان کا دنیا میں گھرنا اور سنبھلنا پھر گھرنا اور پھر سنبھلنا اور پھر گھرنا اور پھر سنبھلنا اسے اس طرح فاصلہ پہ فاصلہ میسر نہ آتا۔ نماز اس پر بقید وقت فرض کی گئی ہے۔ عین جنگ کے میدان میں بھی یہ فرض ہی رہے گی۔

فاذا اطمانتم فاقیموا الصلوٰۃ ان الصلوٰۃ کانت علی

المومنین کتاباً موقوتاً (پ ۵، النساء ۱۰۳)

ترجمہ: پھر جب حملے کا خوف جاتا رہے تو قائم کرو نماز کو بے شک یہ

اپنے مقررہ وقت پر مومنین پر فرض ہی رہے گی۔

یہ مسلسل نماز اور اللہ کے دھیان میں پڑھی گئی نماز واقعی وہ نماز ہے جو انسان کو بے حیائی اور دیگر منکرات سے روکتی ہے، جو نمازی ہو کر بے حیائی اور منکرات میں گھرارہے وہ اپنی نماز میں اللہ کا دھیان باندھنے سے یقیناً محروم ملے گا یا اس کی نمازوں میں تسلسل نہیں ہوگا کہ اگلی نماز پہلی غفلت کو دھو سکے۔

اہل تصوف کی نماز کی پانچ شرطیں

پہلی شرط طہارت ہے

اس کے تین پہلو ہیں، ۱۔ جسم، ۲۔ کپڑے، ۳۔ جگہ کی طہارت

فقہ کی شرائط کے پہلو بہ پہلو نماز کی تصوف میں کچھ اپنی شرطیں بھی ہیں، حضرت علیؑ جو جویریؓ نے انہیں اس طرح بیان کیا ہے:-

۱۔ جسم کی طہارت ظاہری نجاست سے اور باطنی طہارت شہوات نفس کی غلامی سے اور غیر اللہ کی محبت سے۔

۲۔ کپڑوں کا پاک ہونا ظاہری نجاست سے اور باطنی طہارت یہ کہ کپڑے حلال کمائی کے ہوں۔

۳۔ جگہ کا پاک ہونا ظاہری نجاست سے اور باطنی طہارت یہ کہ وہ جگہ غضب و ظلم سے حاصل کی گئی نہ ہو۔

دوسری شرط، قبلہ رو ہونا

اس کا ظاہر یہ ہے کہ آدی کارخ کعبہ کی طرف ہو اور باطن یہ ہے کہ اس کا دل عرش الہی کی طرف متوجہ ہو۔

نوٹ: یہ ظاہر اس لیے لازم کیا گیا ہے کہ سب مسلمان آپس میں اہل قبلہ ہو کر رہیں، دین میں کوئی شخص کوئی نئی بنیادی بات داخل نہ کر سکے (جیسے کہ کوئی فرقہ کوئی نیا عقیدہ لے آئے) نہ کوئی اس کی کسی بنیادی بات کا انکار کر سکے جیسے اگر کوئی موجودہ قرآن کو محفوظ الہی کتاب نہ مانے تو ایسے لوگ اہل قبلہ شمار نہیں کئے جاسکتے۔ قبلہ صرف کعبہ کی طرف منہ کرنے کا نام نہیں تمام ضروریات دین پر جمع ہونے کا نام ہے۔

نماز کی تیسری شرط قیام ہے

اس کا ظاہر یہ ہے کہ آدی کھڑے ہونے کی طاقت رکھتا ہو تب کھڑا ہونا فرض ہے اور اس کا باطن یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے رو برو کھڑا سمجھے۔

نماز کی چوتھی شرط نیت ہے

ظاہر اسے زبان سے ادا کرتے ہیں اور اس کا باطن یہ ہے کہ نمازی اپنی نماز کو خدا کے لیے خاص کرے یہ دل کی نیت ہے۔

(نوٹ) ارادہ نماز زبان سے ظاہر کرنا صرف استحضار کے لیے ہے کہ اس سے وہ اپنے آپ کو ایک خدا کی طرف متوجہ کر سکے سو نیت کا زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں نیت وہی ہے جو دل سے ہو۔ جس طرح ایمان دل کے ایک فعل کا نام ہے۔

اب خود سوچئے کہ کیا کسی صحیح العقیدہ مسلمان کے لیے قعدہ میں کسی اور طرف صرف نیت کرنے (توجہ بدلنے) کی کچھ بھی گنجائش ہے؟ ہرگز نہیں۔ نماز آخر تک صرف ایک رب کریم کی عبادت ہے۔

نماز کی پانچویں شرط تکبیر ہے

اس کا ظاہر یہ ہے کہ زبان سے اللہ اکبر کہے اور باطن یہ ہے کہ دل خدا کے جلال،

اس کی بیعت اور کبریائی سے کانپ رہا ہو۔

(نوٹ) نماز تکبیر تحریر سے شروع ہوتی ہے اور سلام پھیرنے پر ختم ہوتی ہے یہ پورے کا پورا عمل عبادت ہے اور ایک خدا کی عبادت ہے۔ جو اہل بدعت نماز میں تشہد میں اللہ تعالیٰ سے صرف نیت کر کے (توجہ موڑ کر) اپنے آپ کو اپنے پیرومرشد کے سامنے حاضر کرتے ہیں وہ نماز کے مقام توحید کو نہیں پاسکے، مومن کو چاہیے کہ نماز کی انتہا تک اپنے آپ کو صرف خدا کے سامنے حاضر رکھے۔

حضرت علیؓ جو یریٰ نمازی کے تشہد کے بارے میں لکھتے ہیں۔

قعدہ کرے خدا کے حضور میں جمعیت خاطر سے کہ اس کے حضور میں بیٹھا ہے اور سلام ہونے کی صفت کے ساتھ کہ اس کا وجود ساری مخلوق کے لیے خیر و سلامتی کا سرچشمہ ہو۔

اہل تصوف کو ان کی نماز میں پہچانو

اہل تصوف اپنی نماز میں پہچانے جاتے ہیں انتہاءِ عجز سے ان کا رواں رواں اللہ کے حضور جھکا جاتا ہے، جس دل میں معرفت الہی آپچی ہو اس کی نماز اس کے دل کی پوری عکاسی کرتی ہے۔ حضرت علیؓ جو یریٰ لکھتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کے بارے میں مذکور ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی و فی جوفہ

ازینز کا زینز المرجل

ترجمہ: حضور نماز پڑھتے تو آپ کا سینہ اس طرح جوش مارتا جیسا کہ ہکتی

ہوئی دیک جوش کھاتی ہے۔

حضرت علیؓ کے بارے میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نماز کا ارادہ فرماتے تو

آپ کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا وہ محسوس کرتے کہ اب خدا کے آگے حاضر ہونے کی گھڑی آ پہنچی۔

حضرت حاتم امم قرماتے ہیں:-

جب نماز کا وقت آتا ہے تو میں ایک ظاہری وضو کرتا ہوں اور ایک باطنی۔ ظاہری وضو پانی سے کرتا ہوں اور باطنی وضو توجہ سے۔ پھر مسجد میں اس طرح آتا ہوں کہ مسجد حرام میری آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔ (سمت کعبہ کی طرف رخ کرتے اپنے آپ کو کعبہ کے سامنے سمجھتا ہوں) بہشت کو اپنے دائیں طرف اور دوزخ کو اپنی بائیں طرف اور اپنے آپ کو پہلے صراط پر دیکھتا ہوں، اور اپنی پشت پر ملک الموت کو کھڑا دیکھتا ہوں، تکبیر کہتا ہوں تعظیم کے ساتھ، قیام کرتا ہوں ادب کے ساتھ، قرأت کرتا ہوں بیعت کے ساتھ، رکوع کرتا ہوں خشوع اور تواضع کے ساتھ اور سجدہ کرتا ہوں مقام ابراہیم کو اپنے دونوں ابروؤں کے درمیان سمجھتے ہوئے، قعدہ کرتا ہوں حلم کے ساتھ اور وقار کے ساتھ اور سلام پھیرتا ہوں شکر یہ کے ساتھ۔ یہ اہل تصوف کی نماز ہے۔

کیا آپ نے دیکھا کہ نمازی نے پوری نماز میں ایک اللہ رب العزت سے توجہ ہٹا کر کسی اور طرف صرف ہمت، توجہ بدلنے کی نیت کی ہو کہ اب ادھر اپنی نیت لگا دوں۔ ہرگز نہیں یہ نماز کی وہ آفت ہے جس میں اہل بدعت دہ کر اپنی نمازوں کی حقیقت کھو بیٹھے ہیں۔ نماز شروع سے لے کر آخر تک صرف ایک خدا کی عبادت ہے، قعدہ میں بھی نمازی خدا سے ہٹ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد نہ کرے۔ حضرت علیؓ جویریؓ فرماتے ہیں:-

نماز قبیل ارشاد کا نام ہے، نماز ایک عادت ہے جس میں انسان ابتدا سے انتہا (سلام) تک خدا کا رستہ پاتا ہے۔ درمیان قعدہ اپنے مشائخ کی طرف توجہ لے جانا ہرگز بزرگوں میں سے کسی سے منقول نہیں۔

نماز کے لیے اچانک جاگ آنا صدق ایمان کی علامت ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ نستری فرماتے ہیں:-

صدق ایمان کی ایک علامت یہ ہے کہ جب نماز کا وقت آتا ہے تو ایک فرشتہ اسے

نماز کے لیے اٹھا دیتا ہے اور اگر وہ سویا ہو تو اسے جگا دیتا ہے (کشف المحجوب ص ۳۱)

چھٹا کشف الحجاب

۶۔ زکوٰۃ کے بارے میں

نماز میں مومن اللہ کی محبوبیت میں گم تھا، مومن رسالت کی اجراع بھی اسی لیے کرتا ہے کہ اسے اللہ کی محبت نصیب ہو۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله

(پ ۱۳، آل عمران ۳۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیں اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور بخش دیں گے تمہارے گناہ۔

تاہم اس میں شک نہیں کہ انسان کو دوسرے درجے میں اپنی جان اور اپنے اموال سے بھی محبت ضرور ہوتی ہے۔ مال سے محبت ممنوع ہوتی تو یہ نہ کہا جاتا۔

لن تنالوا البرّ حتى تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شيء فانّ الله به عليم (پ ۴، آل عمران ۹۲)

ترجمہ: تم ہرگز نیکی نہ پاسکو گے جب تک تم خرچ نہ کرو اپنی پیاری چیز سے کچھ اور تم جو بھی خرچ کرو سو اللہ کو سب معلوم ہے۔

اللہ رب العزت کی محبت کتنی مقدس اور اونچی چیز ہے کہ اس پر انسان کو اپنی دیگر تمام محبتیں قربان کرنے کا درس دیا گیا ہے۔ وہ محبوب کس درجے کا محبوب ہے کہ مومن اپنا جان و مال اس کے حضور نذرانہ کے طور پر پیش کرتا ہے اور وہ ان سے ان کے جان و مال خریدتا ہے۔

ان الله اشترى من المؤمنين انفسهم و اموالهم بانّ لهم الجنة (پ ۱۱، التوبہ ۱۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ نے خرید لیں مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس قیمت پر کہ ان کے لیے جنت ہے۔

جس مال سے اس کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے وہ کنز (خزانہ) کہلاتا ہے۔ حضرت

عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا، کنز کے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا:-

هو المال الذي لا تؤدى منه الزكوة

(موطا امام مالک ص ۱۱، باب ماجاء فی الكنز)

ترجمہ: یہ وہ مال ہے جس سے اس کی زکوٰۃ نہ دی گئی ہو۔

قرآن کریم میں ہے:-

والذين يكتزون الذهب والفضة ولا ينفقونها في سبيل الله
لبشرهم بعذاب اليم O يوم يحضى عليها في نار جهنم
فتكوى بها جباههم و جنوبهم و ظهورهم هذا ما كنزتم
لانفسكم فلو قوا ما كنتم تكتزون (پ ۱۱، التوبہ ۳۴-۳۵)

ترجمہ: اور جو لوگ گاڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور انہیں اللہ کی راہ
میں خرچ نہیں کرتے سوائے خوشخبری دو دردناک عذاب کی۔ جس دن
آگ دہکائیں اس مال پر دوزخ کی پھر داغیں گے اس سے ان کے
ماتھے اور ان کی گردنیں اور ان کی پشتیں، یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لیے
گاڑ رکھا تھا سواب چکھو جو تم جمع کر رہے تھے۔

من كان عنده مال لم يؤد زكوة مثل له يوم القيمة شجاعاً
الرع له زببتان يطلبه حتى يمكنه يقول انا كنزك

(موطا امام مالک ص ۲۸۹ عربی)

ترجمہ: جس کے پاس مال ہو اور اس نے اس کی زکوٰۃ نہ دی ہو وہ مال
قیامت کے دن ایک بڑے سانپ کی صورت میں اس کے سامنے لایا
جائے گا جس کی دو آنکھوں کے مابین دو سیاہ نقطے ہوں گے وہ اس کے
پچھے پڑے گا یہاں تک کہ اس کو دبا لے گا اسے کہے گا میں تیرا وہ خزانہ
ہوں جس کو تو جمع کرتا رہا۔

کیا اب بھی کسی کے لیے مال کی حقیقت نہیں کھلی؟ بندہ کے دل سے جب یہ حجاب

اٹھ جائے تو وہ بڑے خطرے سے نکل جاتا ہے۔ زکوٰۃ کیا ہے؟ یہ کہ اس نے اپنے مال کو پاک کر لیا۔ زکوٰۃ پاک کرنے کو کہتے ہیں، یہ دنیوی نعمت کا شکرانہ بھی ہے کہ اس کی سال بھر کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں، اللہ تعالیٰ نے اسے زندگی کے اس سفر میں درماندہ نہیں کیا۔ حضرت علیؓ جویریؓ فرماتے ہیں زکوٰۃ اتمام نعمت پر واجب ہوتی ہے، تاہم آپ لکھتے ہیں:-

صوفیہ اور مشائخ کا ایک گروہ آدمی کے زکوٰۃ کی حد کو پہنچنے کو بخل کی علامت قرار دیتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ اس سے بڑھ کر بخل کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی کے ارد گرد ضرورت مند لوگ موجود ہوں اور وہ سال بھر تک اپنے مال کو اپنے پاس سمیٹے بیٹھا رہے ان کو اس حال میں دیکھتا رہے اور پھر سال کے بعد دو صد درہم میں سے صرف پانچ نکال کر ان کو دے دے اور یہ سمجھے کہ اس نے نعمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ (۳۱۸)

حضرت ابوذر غفاریؓ تو یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو (البقرہ) کی تفسیر یہ کرتے تھے کہ اپنی ضرورت سے جو بچ رہے وہ خرچ کر دے جمع نہ کرے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انبیاء کے مال میں زکوٰۃ کیوں فرض نہیں ہوئی؟ یہ اس لیے کہ ان کا مال ایک سال کا فاصلے طے نہیں کر پاتا۔

حضرت علیؓ نے بھی یہی کہا ہے:-

وما وجبت علی زکوٰۃ مال..... وهل یجب الزکوٰۃ علی

العباد

تاہم شریعت نے اس کی اجازت دی ہے اور تبھی تو قرآن کریم نے اور حدیث نے بھی زکوٰۃ کا حکم دیا ہے اور طریقت نے بھی اس سے انکار نہیں کیا۔
- حضرت علیؓ جویریؓ فرماتے ہیں کہ اس سے نعمت پر شکر گزاری کا موقع ملتا ہے اور اس اظہار تشکر کو اخلاق حمیدہ میں شمار کیا گیا ہے اور اس کی بھی ایک تعبیری شان ہے، تاہم آپ اس کی باطنی وسعت کو اس طرح پھیلاتے ہیں:-

زکوٰۃ صرف سونے چاندی مال و مویشی اور پیداوار زمین تک محدود نہیں بلکہ ہر نعمت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ تعالیٰ فرض علیکم زکوٰۃ جاہکم کما فرض علیکم
زکوٰۃ مالکم

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر زکوٰۃ فرض کی ہے جیسے اس نے
تمہارے اموال میں زکوٰۃ فرض کی۔

اس طرح انسان کی تندرستی اور اس کے اعضاء جسمانی میں سے ہر عضو
خدا کی عظیم نعمت ہے، ان کی زکوٰۃ یہ ہے کہ آدمی اپنے عام اعضاء کو خدا
کی بندگی میں مشغول رکھے اور کسی فضول کام یا خدا کی نافرمانی کے کام
میں ان کو مشغول نہ کرے (۳۱۷)

ساتواں کشف الحجاب

۷۔ روزے کے بارے میں

شریعت کے تمام اعمال میں روزہ طریقت کے سب سے زیادہ قریب ہے۔ حضرت
جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: نصف طریقت روزے میں ہے اور دوسرا نصف تمام اعمال تصوف
میں۔ حضرت علیؓ بجزویریؒ لکھتے ہیں:-

اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام فرض عبادات میں صرف روزہ ہی ایک ایسی
عبادت ہے جو سرتا پاسرزی و پوشیدہ اور کلّیہ خفیہ ہے، جس کا ظاہر سے
کوئی تعلق نہیں جس میں غیر اللہ کا سرے سے کوئی حصہ نہیں۔ روزہ ایک
ایسی عبادت ہے کہ اگر کسی کے دل میں خداوند تعالیٰ کا خوف نہ ہو وہ
بڑی آسانی کے ساتھ سب کچھ کھاپی کر بھی لوگوں کے سامنے روزہ دار
اور متقی بنا رہ سکتا ہے، روزے کی چوری خدا کے سوا کوئی نہیں پکڑ سکتا
چنانچہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا، الصوم نصف الطریقت (۳۲۳)

روزے کی حقیقت کیا ہے؟ ایک وقت سے لے کر دوسرے وقت تک حلال چیزوں
کے کھانے پینے سے رکتا۔ یہ حلال چیزوں سے روزہ میں رہنا ہے، مسلمانوں کا حرام چیزوں

سے روزہ صرف کسی محدود وقت کے لیے نہیں یہ ساری عمر کا روزہ ہے۔ رمضان کا روزہ حلال چیزوں سے ہے یہ حرام چیزوں سے زندگی بھر روزہ میں رہنے کی تعلیم دیتا ہے سو یہ عمل ادائے طریقت کے بہت قریب ہے۔

فرض روزے کی نیت پوچھنے سے پہلے ضروری ہے
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں:

لا يصوم الا من اجمع الصيام قبل الفجر قال محمد و من
اجمع ايضاً على الصيام نصف النهار فهو صائم (مؤطا امام محمد ۱۹۱)
ترجمہ: جو شخص فجر سے پہلے پہلے روزے کی نیت نہ کر لے اس کا
(فرض) روزہ ادا نہ ہوگا امام محمدؓ کہتے ہیں جس نے دوپہر سے پہلے بھی
روزے کی نیت کر لی اس کا بھی روزہ ہو جائے گا۔

نیت زبان سے نہ کرے دل سے بھی کر لے، یہ بھی کافی ہے زبان سے کرے تو
اس میں بھی حرج نہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں ایک دن حضور ﷺ آپ کے
پاس آئے اور پوچھا کیا تمہارے پاس کوئی کھانے کی چیز ہے؟ میں نے کہا نہیں، آپ نے پھر
کہا فانی اذا اصوم اچھا میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔

یہ آپ نے نقلی روزے کی نیت کی آپ کا زبان سے اصوم کہنا (میں روزہ رکھوں
گا) تلاتا ہے کہ اگر کوئی فرض روزے کی نیت بھی ”و بصوم غد نويت“ کے الفاظ سے
کر لے تو اسے بدعت نہ کہا جائے گا کیونکہ اس کی ایک نظیر مل گئی۔ جب ہر عمل کے لیے نیت
شرط ہے تو روزے کے لیے بھی نیت ہونی چاہیے، یہ اصوم کے الفاظ سے کی جائے یا ان
کے ہم معنی دوسرے الفاظ سے، یہ بدعت شمار نہ ہوگی۔

☆ سنن ابی داؤد میں اصوم کی بجائے انی صائم کے الفاظ ہیں۔

(سنن ابی داؤد جلد: ۱، ص: ۳۳۳)

روزے کا باطنی پہلو سب طریقت ہے

اسلام کی جملہ عبادات میں روزے کے باطنی پہلو سب امور طریقت ہیں پیٹ کو

کھانے پینے سے روکنا شریعت ہے تو جموٹ بولنے سے زبان کو روکنا اور گالی اور بدزبانی سے کلیئہ باز رہنا مومن کی یہ ایک مشق طریقت ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا:

من لم يدع قول الزور والعمل به فليس لله حاجة في ان يدع طعامه وشرابه (رواه البخاری، مشکوٰۃ ۱۷۲)

حضور اکرمؐ نے یہ بھی فرمایا۔

اذا صمت فليصم سمعك و بصرك و لسانك و يدك
و كل عضو منك

ترجمہ: جب تو روزہ رکھے تو چاہیے تمہارے کان، تمہاری آنکھیں، تمہاری زبان، تمہارے ہاتھ اور تمہارے بدن کا ہر حصہ روزے سے رہے۔

اہل طریقت کے ہاں روزے کی حقیقت

حضرت علیؑ جو یرئی ارشاد فرماتے ہیں:

روزے کی حقیقت امساک ہے۔ (امساک کے معنی اپنے آپ کو روکنا ہے) یعنی اپنی خواہشات نفس کو روکنا اور قابو میں رکھنا ساری طریقت اسی میں پوشیدہ ہے اسی لیے حضرت جنید بغدادیؒ نے روزے کو نصف طریقت فرمایا ہے، میں نے ایک مرتبہ سید دو عالمؐ کو خواب میں دیکھا تو میں نے آپ سے عرض کیا، یا رسول اللہؐ اوصنی، اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی نصیحت فرمائیے، آپ نے فرمایا۔

”احبس حواسک“ اپنے حواس (خمس) کو قابو میں رکھ۔

انسان سے تمام نیکیوں اور برائیوں کا ظہور انہی پانچ حواس کے ذریعے سے ہوتا ہے آگے جو دیکھنے کا آلہ ہے، کان جو سننے کا آلہ ہے، ناک جو سونگھنے کا آلہ ہے، منہ جو ذائقہ کا آلہ ہے اور پورا جسم جو چھونے کا آلہ ہے پانچوں فرمانبرداری اور معصیت کے مشترک اور یکساں آلات ہیں اور آدمی کے نیک و بد اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار اور نافرمان ہونے کا سارا انحصار انہی پانچ آلات کے استعمال پر ہے۔ (کشف المحجوب)

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

روزہ تین درجوں پر مشتمل ہے ایک روزہ عوام کا، دوسرا خواص کا اور تیسرا روزہ خواص الخواص کا۔ خواص الخواص کا روزہ اپنے دل کو سوائے خدا تعالیٰ کے تمام اشیاء سے خالی کرنا ہے اور اپنے آپ کو مکمل طور پر اس کے حوالے کرنا ہے، اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے سوا ہے اس سے ظاہری اور باطنی طریق پر روزہ رکھنا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی سمت میں جاتا ہے تو اس کا روزہ کھل جاتا ہے۔ دنیوی امور میں غور کرنا گومباح ہے لیکن یہ روزہ اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر وہ دنیوی امور جو دین کی راہ میں مددگار ہو وہ دنیا میں داخل نہیں یہ وہ روزہ ہے جس میں اگر دن کے وقت افطاری کی تدبیر کرے تو وہ گناہ میں داخل ہے۔ (کیسائے سعادت)

آٹھواں کشف المحجّاب

۸۔ حج کے بارے میں

حج اللہ کے حضور اپنی کامل سپرداری ہے اپنے آپ کو پورا خدا تعالیٰ کے حوالے کرنا ہے۔ گھر سے پورے طور پر نکلے، اپنے مخصوص لباس سے پورے طور پر نکلے، اپنے کاروبار سے پورے طور پر نکلے، اپنے احباب اور اپنے وطن سے پوری طرح نکلے، مومن اپنے حج کے سفر کو سیرِ آخرت جیسا بنائے۔ جس طرح سیرِ آخرت پر سب کو چھوڑ کر جانا ہوتا ہے، وہاں کفن پہن کر جانا ہے یہاں احرام باندھ کر چلنا ہے، اسی طرح سب طرح کی وصیتیں کر کے سیرِ حج پر روانہ ہو۔ انسان پر اس دنیا میں غفلتوں کے جو پردے پڑے ہوئے ہیں آٹھواں پردہ حج سے اٹھتا ہے۔ یہاں صرف وہی ایک دنیوی نظارہ باقی رہ سکتا ہے جو حشر کے دن بھی باقی رہے گا۔ وہاں سب دنیوی علاقے ٹوٹے ہوئے ہوں گے صرف ایک امت ہونے کا علاقہ باقی رہے گا۔ ہر امت اپنے نبی کے ساتھ ہوگی جس طرح ہم اس دنیا میں اپنے پیغمبروں سے پہچانے جاتے ہیں وہاں بھی یہ پہچان باقی ہوگی اور ہر امت اپنے نبی کے ساتھ پیش ہوگی۔

فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد و جئنا بك على هؤلاء

شہیداً (پ ۵، النساء ۴۱)

ترجمہ: پس کیا حال ہوگا جس وقت ہر امت سے ایک گواہ ہم لائیں گے

اور آپ کو ہم ان لوگوں پر (جو آپ کی امت ہیں) گواہ لائیں گے۔

حج مومنین کی اجتماعی محبت کا آخری درجہ ہے۔

دنیا کے سب نئے ٹوٹنے کا عمل

دنیا کی لذتیں کھلی بے حیائی، فسق و فجور اور لڑنے جھگڑنے میں تمہیں، حج کے دنوں ان تمام سے روک دیا گیا گیا۔ (۱) لارلٹ و (۲) لالفسوق و (۳) لاجدال فی الحج (پ ۱۲ البقرہ ۱۹۶)

ترجمہ: حج کے دنوں میں عورت سے بے حجاب ہونا اور کوئی گناہ کرنا اور کسی سے لڑنا جھگڑنا جائز نہیں۔

حج کے دن اپنے گناہوں کو گرانے کے لیے ہیں اپنے گناہوں کو اپنے اوپر لانے کے لیے نہیں۔ جو حج میں ان امور کا ارتکاب کرے گا وہ یہ نئے گناہ اپنے اوپر لائے گا۔ پوری دنیا میں کئے گئے گناہ اس پاک ارض حرم میں اترتے ہیں، لیکن حرم میں کئے گئے گناہ کہاں اتریں، انہیں صرف جہنم کی آگ ہی جلا سکے گی۔ ان دنوں کئے گئے گناہ اس طرح حاجی کے بدن میں پیوست ہوتے ہیں کہ پھر نکتے ہی نہیں وہاں جھگڑنے والا وطن واپس آ کر ایک مستقل جھگڑالو کا روپ دھار لیتا ہے اور لوگ ایسے حاجیوں کو دیکھ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ حاجی جھگڑنے میں دوسرے لوگوں سے تیز ہوتے ہیں۔ اگر کوئی خوش نصیب حاجی چاہے کہ یہ گناہ اس سے اس دنیا میں اتر جائے تو اسے پھر گچی توبہ سے دوسرا حج کرنا چاہیے۔ اس خطہ زمیں میں کئے گئے گناہ یہاں کے گناہوں سے زیادہ شدید ہیں اور یہ صرف اسی سرزمین میں توبہ سے اتر سکتے ہیں۔

حج کے اعمال میں سب سے بڑا عمل

حج کے ارکان میں سب سے بڑا رکن عرفات کی حاضری ہے اور یہی حقیقت میں حج ہے جس میں احرام صرف ایک نیت کا عمل ہے۔ لیکن حج کے جمیع اعمال میں سب سے لمبا عمل رمی جمار ہے۔ (۱) پہلے دن کنکریاں صرف بڑے جمرے پر ماری جاتی ہیں یہ دس ذوالحجہ کی تاریخ ہے (اس کے بعد قربانی، حلق اور احرام سے نکلنا ہے) پھر ۱۱ ذوالحجہ کو تینوں جمرات پر کنکریاں پھر ۱۲ کو بھی اسی طرح کنکریاں اور پھر ۱۳ کو بھی اگر حاجی وہیں رہے۔ یہ کنکریاں مارنا چار دنوں کا مسلسل عمل اعمال حج میں سب سے لمبا عمل ہے اور کئی دنوں پر پھیلا ہے۔

یہ طویل عمل حاجیوں کو اس راہِ طریقت پر لاتا ہے کہ اب وہ ساری عمر شیطان کو اس کی تحریک کردہ خواہشات پر کنکریاں لگاتا رہے گا، حج کے اور سب اعمال پورے ہوں گے لیکن شیطانوں کو وہ بڑے ہوں یا چھوٹے کنکریاں مارتے رہنا پوری زندگی اس سے ختم نہیں ہوگا۔ وہاں کنکریاں چھوٹے چھوٹے پتروں کی ماری تھیں، یہاں وہ ”اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم“ اور ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کی کنکریاں شیطان کو مارتا رہے۔

حج مومنین کی اجتماعیت کا آخری عمل ہے

اپنی ذات سے باہر مومن کی اجتماعیت چار حصوں میں منقسم ہے (۱) اس کی اپنی فیملی اور خاندان سے اجتماعیت (۲) اس کی کسی ایک مسجد سے وابستگی (۳) اس کی اپنی ملکی زندگی میں ذمہ داری (۴) اس کی ایک پیغمبر کی امت ہونے میں پوری امت سے دلچسپی اور وابستگی۔ مومن کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر کے حقوق اپنی، مسجد کے حقوق، اپنے ملک کے حقوق اور پوری امت کے حقوق میں پوری دلچسپی لے۔ یہ آخری درجے کی اجتماعیت اسے ایام حج میں ہی میسر آسکتی ہے اور یہ اجتماعیت وہ ہے جو میدانِ حشر میں بھی رہے گی۔ اور اسی احساس سے امتیں پہچانی جائیں گی۔

اہلِ طریقت کے حج کی ایک جھلک

حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کیا اس نے حج کیا ہے، اس نے کہا جی ہاں، آپ نے اس سے پوچھا کہ جب تم حج کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے کیا تم اس وقت گناہوں سے بھی نکلے؟ اس نے کہا نہیں، میں نے تو اس طرف دھیان نہیں کیا آپ نے کہا پھر تم حج کے لیے نکلے ہی نہیں۔

آپ نے اس سے پوچھا کیا تو نے سحر حج کی راتوں میں خدا کا قرب حاصل کرنے کا کچھ اہتمام کیا اس نے کہا نہیں۔ پھر تو نے خدا کے گھر کی طرف سفر نہیں کیا۔ (ہر سفر کے کچھ آداب ہوتے ہیں تو حج کے سفر کے آداب بجا نہیں لایا)

آپ نے پھر اس سے پوچھا جب تو نے احرام باندھا اور اپنے کپڑے اتارے کیا تو نے اپنی بری صفات اور عادات اتارنے کی بھی نیت کی؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے کہا پھر تو نے احرام نہیں باندھا۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا، اب تو اپنے عرفات میں کھڑا ہونے کی

حالت بتا کیا تجھ پر مشاہدے کی کچھ کیفیت آئی یا نہیں؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا پھر تو عرفات میں گیا ہی نہیں۔

پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ تو نے مزدلفہ کی رات کنکریاں چنتے وقت اپنی نفسانی خواہشات چھوڑنے کا قصد کیا؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا پھر تو مزدلفہ گیا ہی نہیں۔ آپ نے پھر اس سے پوچھا جب تو نے کعبہ کا طواف زیارت کیا، کیا تو نے وہاں جمال خداوندی کے لطائف دیکھے؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے کہا پھر تو نے خانہ کعبہ کا طواف نہیں کیا۔ آپ نے اس سے پوچھا صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا مقصد پایا؟ اس نے کہا نہیں، آپ نے کہا پھر تو نے سعی بھی نہیں کی۔ ہاں جس وقت تو نے دم شکر کی قربانی کی اپنی خواہشات کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا قصد کیا؟ اس نے کہا نہیں۔ اس طرف میری توجہ نہیں گئی، آپ نے کہا جب تو نے جمرات پر کنکریاں پھینکیں تو کیا تو نے اپنے برے ہم نشینوں اور بے دین دوستوں سے اپنے آپ کو دور کرنے کا قصد کیا؟ اس نے کہا نہیں، (میں اس طرف دھیان نہیں کر سکا) آپ نے فرمایا پھر تو نے رمی بھی نہیں کی۔ آپ نے پھر اسے فرمایا، اب گمراہ پس جاؤ اور پھر حج ادا کرو ان صفات کے ساتھ اعمال حج کو بجلاؤ، یہاں تک کہ حضرت ابراہیم کے مقام کی جھلک پاؤ۔ اس ابراہیم کے مقام کی جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے فرمایا۔

واہر اھیم الذی ولی (پ ۲۷، ۱، ۳۷)

وہ ابراہیم جس نے اللہ تعالیٰ سے پوری وفا کی اس کے کسی حکم میں کسی درجہ تقصیر نہ کی۔ (کشف المحجوب ۳۳۳)

سفر حج کے مقاصد

اس واقعہ میں آپ نے شریعت کے کسی پہلو احرام، وقوف عرفات، شب مزدلفہ، طواف زیارت، سعی بین الصفا والمروہ، دم شکر (جسے عوام قربانی کہتے ہیں) اور رمی جمرات کا انکار نہیں کیا۔ سو طریقت شریعت کے کسی عمل کے خلاف نہیں جس طرح سونے پہ سہاگہ، اسے مزید روشن کرنے کے لیے ڈالتے ہیں، تصوف اعمال شریعت کو روشن کرتا ہے، ہر عمل کی تمہید میں اخلاص کی صف بچھتی ہے۔ اعمال شریعت صرف اپنے ظاہری ڈھانچوں میں نہیں رہتے مقاصد شریعت پانے کی پوری استعداد پیدا کر دیتے ہیں۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ، سید المرسلین ہونے کے باوجود حضرت ابراہیمؑ کی ملت میں رہے، آپ کی پوری امت بھی ملت ابراہیمی پر ہے۔ ہم حضورؐ کی امت ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی ملت ہیں، حضورؐ کے بعد ہمارا سب سے زیادہ تعلق حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام سے ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ ہم درود شریف میں ان دونوں پیغمبروں کو جمع کریں اور دونوں کو ایک موردِ رحمت میں سمجھیں، اے رب کریم! تو اس طرح حضور ﷺ پر مزید رحمت فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ پر رحمت فرمائی۔ ایک عید حضرت خاتم النبیین کی ادا میں کرے اور دوسری عید حضرت ابراہیمؑ کی ادا میں۔ ما ہذہ الاضاحی قال سنۃ ابیکم ابراہیم۔

شیطانوں پر کنکریاں مارنے کے بعد بددینوں اور برے ہم نشینوں سے بچنا پوری عمر کا ایک لازمی عمل ٹھہرا، یہ حج کا طویل ترین عمل اسی لیے رہا کہ اب اسے پوری زندگی تک طول دیا جائے۔ اب مسلمان کے لیے اپنی روزمرہ کی معاشرتی زندگی میں نیک لوگوں کی صحبت از بس لازم ہے، اچھے لوگوں میں رہنے سہنے سے زندگی کا نواں حجاب اٹھتا ہے۔ اب طریقت ساک کو تصوف کی اس زندگی میں لے آئی کہ یہ نواں حجاب بھی اس سے اٹھ گیا اور وہ اللہ کی بادشاہی میں داخل ہو گیا۔

نواں کشف الحجاب

۹۔ صحبت کے آداب و احکام کے بارے میں

یہ دنیا کی پوری زندگی ایک لائحہ عمل ہے زندگی کے تمام شعبوں کو یہ ایک جوڑ میں لاتا ہے۔ ان مختلف دواہر حیات سے جب ظلمتیں اٹھتی ہیں اور انسان کی ہر پہلو میں اصلاح ہو جاتی ہے تو اسے ایک ایسا طریقہ حیات میسر آتا ہے کہ اسے اولیاء اکرام کی طریقت سے یاد کرتے ہیں۔ حضرت خاتم النبیین ﷺ کو یہ آداب زندگی خود اللہ تعالیٰ نے سکھائے اور آپ نے صحابہؓ کو سکھا کر ان کے دلوں کا تزکیہ کیا اور پھر یہ تزکیہ کی محنت اہل اللہ کی محنتوں سے اس امت میں مسلسل چلی آ رہی ہے، یہی تصوف کی جان ہے اور یہی ہر ساک کا ارمان ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

ادبنی ربی فاحسن تادیبی

ترجمہ: میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور میری احسان سے تادیب فرمائی۔

حضرت علیؓ جو برائی اس نویں کشف الحجاب میں لکھتے ہیں:

۱- دین میں ادب ملحوظ رکھنے کے معنی سنت کی حفاظت کرنا ہے (کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف پیرائے تھے) لوگوں سے ادب برتنے کے معنی ان کے ساتھ حسن سلوک اور مروت سے پیش آنا ہے اور دنیوی معاملات میں ادب ملحوظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہر ہر معاملہ کرتے وقت اپنی عزت کی حفاظت کرے کوئی ایسی صورت اختیار نہ کرے جس سے کبھی اس کی عزت اور آبرو پر حرف آئے۔

۲- خدا کا ادب اور اس کی تعظیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے شعائر اور اس کے احکام کی تعظیم و تکریم کی جائے اور یہ چیز تصوف کی راہ میں اس راہ کے مسافر کو تقویٰ کی روشنی اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ صرف ممنوع سے ہی نہیں اس کے قریب کرنے والی ہر چیز سے بھی اجتناب کیا جائے۔ جو شخص خداوند تعالیٰ کے شعائر اور شواہد کی تعظیم سے بے پردا ہو اس کا طریقت میں کوئی حصہ نہیں، اور یہ چیز انسان سے سکر اور سحرانی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ جب بندہ محبت میں مغلوب ہو جاتا ہے تو شریعت کی پیروی کا حکم اس سے ساقط ہو جاتا ہے وہ طحہ ہے اس پر خدا کی لعنت ہوتا رک اللادب کسی صورت میں ولی نہیں ہوتا۔ جب تک کوئی انسان اپنے ہوش و حواس میں قائم ہے آداب کی پیروی کرنا اس کے لیے ہر حال میں لازم ہے۔

حضرت علیؓ جو برائی نے آگے ادب کے تین موارد ذکر کیے ہیں:

۱- ایک ادب

زمین و آسمان کے مالک کے ساتھ ہے آدمی اپنے اوپر ہر آن اس نقطہ نظر سے نگاہ رکھے کہ کہیں وہ ایسی حرکت تو نہیں کر رہا جس سے اللہ تعالیٰ کی بے ادبی ہوتی ہو، وہ ادب ملحوظ نہ رکھے ہو۔

۲- ایک ادب

باہمی کاروبار اور معاملات سے متعلق ہے اس ادب کو ملحوظ رکھنے کی صورت یہ ہے کہ آدمی سوائے سچائی کے کچھ نہ کہے اس سے تمام معاملات خود ٹھیک رہیں گے۔

۳۔ ایک ادب

خود اپنی ان چیزوں پر بھی نظر نہ ڈالے جو اس کے سوا غیر کو نہ دیکھنی چاہئیں مثلاً اپنے ستر کی دوسروں سے ہی نہیں خود اپنے آپ سے بھی حفاظت کرے۔
جو شخص ان تینوں آداب کی زینت پالے وہ سلوک کی منزل میں حسن صحبت کی دولت پا گیا۔ اس کے بعد حضرت علی ہجویریؓ نے ان آداب کو پانے کی مختلف صورتیں ذکر کی ہیں۔

۱۔ اچھی صحبت میں آنا ۲۔ تمہارے سنے سے بچنے کی کوشش ۳۔ احباب کا صحیح انتخاب (ص ۳۳۳)
اس کے بعد آپ نے صحبت کے یہ آداب بیان کیے ہیں۔

صحبت کے تمام آداب

انسان مٹی الطبع ہے یہ اکیلے نہیں رہ سکتا ایک دوسرے سے انس ہی اسے انسان بناتا ہے۔ جب تک وہ تمام انسان جن سے اسے واسطہ پڑے اچھے نہ ہوں یہ اچھی صحبت میں آیا نہیں بتلایا جاسکتا ہے۔ اس لیے بہترین انسان وہی ہوگا جو دوسروں کا بھلا چاہے ان کے لیے خیر کی دعا ہی کرے اور جب ان سے ملے جملے یہ ان کے خیر سے سے حظ پائے یہ خیر سے محفوظ ہوتا ہے۔ تصوف اکیلے رہنے کی تعلیم نہیں دیتا، حضرت علی ہجویریؓ فرماتے ہیں:-

اچھے لوگوں میں زیادہ سے زیادہ افراد کے ساتھ دوستی اور صحبت کے تعلقات بڑھانے کی کوشش کرنی چاہیے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:-

اکثروا من الاخوان فان ربکم حسی کریم یستحی ان یعذب

عبدہ بین اخوتہ یوم القیمة

ترجمہ: بہت سے لوگوں کو اپنا بھائی بناؤ کیونکہ تمہارا رب جو حی و کریم

ہے اس بات سے شرماتا ہے کہ اپنے کسی بندے کو قیامت کے روز اس

کے بھائیوں کے سامنے سزا دے۔

اس امت کی پہلی صف (صحابہ کرامؓ) اس شرف سے مشرف ہوئی اور آئندہ بھی نبی نوع انسان کی سعادت اچھی معاشرت اور اچھے رہن سہن سے وابستہ رہی۔ صحبت کے تمام آداب میں پہلا ادب یہ ہے کہ مختلف علاقوں میں گھرا انسان ہر ایک کے ساتھ اس کے مرتبے

کے مطابق پیش آئے۔ ہمیں انزلوا الناس منازلہم کی تعلیم دی گئی ہے کہ لوگوں کو اس درجے میں رکھو جس کے وہ اہل ہیں۔

(۱) بوڑھوں کو ماں باپ کے درجہ میں سمجھے ان کی عزت کرے اور حسب حال ان کی خدمت کرے۔

(۲) ہم عمر لوگوں کو اپنے بھائیوں کے درجہ میں سمجھے اور ان سے احسان اور مروت کا برتاؤ کرے۔

(۳) چھوٹوں سے اپنے فرزندوں کی سی شفقت رکھے۔ ان میں سے کسی کی چٹلی اور غیبت نہ کرے کسی بھائی سے حسد و عداوت کا معاملہ نہ رکھے ان سے کینہ اور خیانت نہ برتے۔

(۴) باہمی محبت کو بڑھانے والے عمل اختیار کرے۔
زرغباً نزد حباً میں باہمی محبت بڑھانے کی ترغیب دی گئی ہے۔
آنحضرت ﷺ نے فرمایا:
ثلث لک و ذہبک۔

تین کام تیرے لیے تیرے بھائی کی محبت کا سبب بنیں گے۔
(۱) تو ان سے سلام کلام رکھے۔
(۲) مجلس میں ان کے لیے جگہ پیدا کرے۔
(۳) اسے اس نام سے بلائے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو۔
آپ نے یہ بھی فرمایا:

تصافحوا یندھب بہ الفلّ
ان سے مصافحہ کرو کینہ جاتا رہے گا۔

تھادوا تحابوا و تلھب السفناء الشحناء

ایک دوسرے کو ہدیہ دیتے رہو، محبت بڑھتی ہے اور نفیض و عداوت دور ہوتے ہیں۔

(مَوْطَا امام مالک، باب ماجاء فی المہاجرۃ ۳۶۵)

۱۔ کچھ آداب اقامت ہیں درویش کسی جگہ مقیم ہو تو وہ آنے والوں سے خوشی اور تعظیم

سے ملے ان کی عزت کرے اور خدمت میں کوئی کمی نہ کرے۔

۲۔ کچھ آداب سفر ہیں یہ ان اسفار کی بات ہے جو خدا کے لیے ہوں نیک لوگوں کے ساتھ ہوں اور نیک منزل کے لیے ہوں۔

۳۔ کچھ کھانے کے آداب ہیں نہ زیادہ کھائے اور نہ اپنی بساط سے بڑھ کر پر کلف کھانوں میں رہے نہ کھانے کو موضوع زندگی بنائے۔

۴۔ کچھ چلنے کے آداب ہیں، زمین پر عاجزی سے چلے، چلتے وقت بلا ضرورت ادھر ادھر نہ دیکھے اکٹھے چلیں تو آگے نہ نکلے۔

۵۔ کچھ سونے کے آداب ہیں، زبردستی اپنی نیند کو نہ روکے، گناہوں سے توبہ کر کے سوئے معلوم نہیں اٹھنا ہوگا یا نہیں۔

۶۔ کچھ کلام کرنے کے آداب ہیں، عام چپ رہنا اور ضرورت کی بات کرنا درویش کا وقار ہے فضول باتوں سے پرہیز کرے

۷۔ کچھ نکاح اور تجرد کے آداب ہیں۔

حضرت علیؓ جویریؓ نے کشف المحجوب میں ان تمام آداب زندگی سے غفلت کے پردے اٹھائے ہیں اور سالک کو چاہئے کہ ان سب کا تفصیل سے مطالعہ کرے اور ان مختلف دوائر میں ان کے مطابق چلے۔ تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ان ابواب زندگی میں اپنے شیخ سے بھی ساتھ ساتھ رہنمائی لیتا رہے۔

حضرت علیؓ جویریؓ (۲۶۵ھ) نے سالک کے کشف حجابات کو نو دائروں میں تقسیم کیا

ہے جن میں پہلے تین صحت عقائد پر ہیں اور پچھلے چھ اعمال سلوک پر ہیں۔ امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) نے کیسے سعادت کا رکن اول جو عبادات سے متعلق ہے اسے دس اصولوں میں تقسیم کیا ہے۔

ناموں کے کچھ اختلاف کے باوجود خاکم راہ سلوک دونوں بزرگوں کے ہاں ایک سا ہے۔

حضرت علیؓ جویریؓ نے کشف المحجوب میں سالک سے یہ نوجباب اٹھانے کی سہمی کی ہے۔

۱۔ پہلا کشف المحجوب اللہ کی معرفت کے بارے میں

۲۔ دوسرا کشف المحجوب توحید باری تعالیٰ کے بارے میں

۳۔ تیسرا کشف المحجوب ایمان کی حقیقت کی بارے میں

۴۔ چوتھا کشف الحجاب طہارت کے بارے میں

۵۔ پانچواں کشف الحجاب نماز کے بارے میں

۶۔ چھٹا کشف الحجاب زکوٰۃ کے بارے میں

۷۔ ساتواں کشف الحجاب روزے کے بارے میں

۸۔ آٹھواں کشف الحجاب حج کے بارے میں

۹۔ نواں کشف الحجاب صحبت کے آداب و احکام

حضرت امام غزالیؒ نے حضرت ہجویریؒ کے پہلے تین دائروں پر یہ دو عنوان قائم کیے ہیں۔

۱۔ اہل سنت والجماعت کے اعتقاد کے بیان میں

۲۔ طلب علم کے بارے میں

اور پھر طہارت، نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے موضوعات پر اصل سوم، اصل چہارم، اصل پنجم، اصل ششم اور اصل ہفتم کے عنوان قائم کئے گئے ہیں۔ یہ وہی عنوان ہیں جو حضرت علی ہجویریؒ نے کشف الحجاب کے نام سے اختیار کئے ہیں۔ آگے حضرت علی ہجویریؒ کا نواں کشف الحجاب صحبت شیخ کے آداب و احکام پر ہے اسے امام غزالیؒ نے ان تین اصولوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ اصل ہشتم تلاوت قرآن مجید کے بارے میں

۲۔ اصل نہم ذکر و دعا کے بارے میں

۳۔ اصل دہم ترتیب و وظائف کے بارے میں

اس راہ کے مسافر یہاں تک سلوک کے ان دو اماموں سے برابر کے مستفیض ہوئے ہیں آگے امام غزالیؒ نے ان کے لیے سلوک کے کچھ اور آداب بھی ذکر فرمائے ہیں۔

۱۔ کھانے کے آداب

۲۔ نکاح کے آداب

۳۔ تجرد کے احکام و آداب

۴۔ گوشہ نشینی کے آداب

۵۔ آداب سفر

۶۔ آداب سماع

۷۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے آداب

۸۔ آداب شامی اور رعیت پروری

آپ یہ آداب دوسرے رکن کے تحت لائے ہیں، پہلا رکن عبادات سے متعلق تھا،

کیسے سعادت کا تیسرا کن مہلکات کا ہے اور چوتھا نجیات کا ان پر آپ کی یہ روحانی تربیت تکمیل تک پہنچی جاتی ہے۔ اب شیخ مناسب سمجھے تو اس منزل پر پہنچنے والوں کو وہ دوسرے مقامات پر پہنچ کر لوگوں کو ان مناظر احسان میں آنے کی دعوت دے اس اجازت کو اس سیر سلوک میں خلافت بھی کہہ دیتے ہیں۔

یہاں ہم حضرت امام غزالی کے یہ دور کن بھی بیان کئے دیتے ہیں تاکہ راہ ہلاکت میں ڈوبے لوگ مہلکات اور مستحبات بھی تلاش کریں، ان میں سے ہر ایک کی دس اصلیں ہیں:

| مہلکات | | نجیات | |
|---------------------------------|----------------------------------|-------------------------------------|----------------------------------|
| ۱- ریاضت نفس کے بیان میں | ۱- عظم سے بچاؤ اور توبہ | ۲- شہوت شکم و فرج کا بیان | ۲- صبر و شکر کے بیان میں |
| ۳- حرص سخن اور آفات زبان | ۳- خوف درجاہ کے بیان میں | ۴- غصہ کینہ اور حسد کے بیان میں | ۴- زہد و درویشی کے بیان میں |
| ۵- دنیا کی دوستی کے بیان میں | ۵- اخلاص نیت اور بیان صدق | ۶- مال کی دوستی کے بیان میں | ۶- محاسبے اور مراقبے کے دامن میں |
| ۷- جاہ و مرتبہ کی طلب اور دوستی | ۷- اپنی اصلاح کی فکر کے بیان میں | ۸- عبادات میں ریا اور نفاق کی آمیزش | ۸- توکل اور توحید کے بیان میں |
| ۹- تکبر و نخوت کے بیان میں | ۹- موت اور آخرت کی یاد میں | ۱۰- غفلت اور غرور کے باب میں | ۱۰- موت اور آخرت کی یاد میں |

مہلکات اور نجیات کے یہ دس اصل ہم نے آپ کے سامنے لپے الفاظ میں رکھ دیئے ہیں، سلوک کے مسافران عنوانوں کے تحت کیسے سعادت کا مطالعہ کریں تو مہلکات سے بچیں اور نجیات کے قدم بہ قدم چلیں تو کوئی وجہ نہیں کہ سالک کی طبیعت شریعت نہ بن جائے یہاں تک کہ شریعت کی کسی بات پر عمل اس کے لیے بوجہ نہ رہے، اور جو چیزیں خلاف شریعت ہیں ان میں سالک کے لیے کوئی کشش اور لذت باقی نہ رہے۔

جس طرح انبیاء و رسل ایک ہی چشمہ فیض سے بولتے ہیں اور ایک ہی خزانہ غیب کے سفیر ہیں تمام اولیاء کرام بھی ایک ہی اصل سے بولتے ہیں، گو طریق علاج ہر ایک کے ہاں لپے لپے ہیں منزل سب کی ایک ہے۔

اس دور کے تیسرے بزرگ شیخ المشائخ ضیاء الدین سہروردی (۶۳ھ) ہیں اور چوتھے محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی۔ ان کی کتابیں غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب اس راہ کے روشن چراغ ہیں۔ اب ہم انشاء اللہ العزیز ان سے استفادہ کرتے آگے چلتے ہیں۔

شیخ ضیاء الدین سہروردی نے آداب المریدین میں اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں صحت عقائد پر بہت زور دیا ہے۔ عقائد اہل سنت کی پر زور تصدیق و توثیق کی ہے، اور عقائد اہل بدعت مثل معتزلہ، روافض و خوارج اور مرجہ کی تردید و تکذیب مختلف پیرایوں سے کی ہے۔ سو مناسب رہے گا کہ ہم عقائد اہل سنت کا ایک اجمالی خاکہ بھی ہدیہ قارئین کر دیں یہ ان تیس عقائد کی ایک مختصر فہرست ہے۔

۱۔ اللہ رب العزت کے بارے میں ۲۔ نبوت و رسالت کے بارے میں

۳۔ صحابہ کرام کے بارے میں

ان تین موضوعات پر جو ان تیس عقائد سے سلامتی سے گزر جائے وہ راہ سلوک کا ایک ایسا مسافر ہے جو آئندہ الحاد و بدعت کی کسی کھائی میں نہ گرے گا۔

آداب تصوف ایک جامع ترتیب سے سالکین کے سامنے لائے جائیں تو وہ جان لیں گے کہ جس طرح ہماری شریعت ایک مکمل اور مرتب نظام حیات ہے، طریقت بھی ایک پورا جامع نظام اصلاح ہے، جو پوری زندگی میں شریعت کے قدم بہ قدم چلتا ہے۔ ہم انشاء اللہ العزیز آداب تصوف میں (۱) صحت عقائد (۲) صحت عمل (۳) صحت احکام (۴) صحت باطن (۵) صحت عبادات (۶) صحت معاملات (۷) صحت امور عامہ (۸) صحت لباس (۹) صحت خورد و نوش پر آداب المریدین اور غنیۃ الطالبین کی روشنی میں کچھ گفتگو کریں گے۔ تصوف کے ان پہلے ائمہ اربعہ کے ساتھ ساتھ اس کے ضمن میں ہم دوسرے ہزار سال کے ائمہ تجدید سے بھی کچھ استفادہ کریں گے۔

واللہ هو الموفق و المعین۔

آداب تصوف

الحمد لله و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

آداب تصوف سب خود تصوف ہیں۔ ان میں پہلا ادب شریعت کا ہے، جو صوفی اس قسم کے کلمات بولتے ہیں ”فقیروں اور عالموں کی ہمیشہ سے چلی آئی ہے“ وہ جموں نے صوفی ہیں وہ ہرگز اہل تصوف میں سے نہیں جو عقائد اہل سنت اور احکام شریعت سے بے پروا ہیں وہ کیسے اہل تصوف ہو سکتے ہیں؟ سو اس راہ کے مسافروں کے لیے ضروری ہے کہ صحت عقائد سے وہ اس راہ میں چلیں۔ ہم ان عقائد کو اپنی تلخیص سے ذکر کر رہے ہیں ان پر علمی دلائل بیان نہیں کر رہے۔ عقائد سے بحث علم کلام کا موضوع ہے ہم یہاں انہیں آداب تصوف میں ذکر کر رہے ہیں، سالک کو چاہیے کہ بلا بحث ان عقائد پر رہے تصوف میں دماغ پر نہیں دلوں پر محنت کی جاتی ہے۔

(۱) پہلا ادب..... صحت عقائد کا

اہل تصوف کے چاروں سلسلوں میں یہ تیس عقائد بالاتفاق تسلیم کئے گئے ہیں۔ اللہ رب العزت کے بارے میں، نبوت و رسالت کے بارے میں اور صحابہ کرام کے بارے میں۔ یہ تیس عقائد اس طرح ذہن میں رکھئے:

۱۔ توحید باری تعالیٰ

۱۔ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے کوئی ایسا وقت نہ تھا کہ وہ نہ تھا اور کوئی ایسا وقت نہ آئے گا کہ وہ نہ ہو، وہ ازلی ابدی ذات ہے۔

۲۔ ایک اللہ کے سوا کوئی چیز اور کوئی شخص ازلی ابدی نہیں نہ فرشتوں اور انبیاء میں سے

کوئی ممکن الوجود کسی درجے میں واجب الوجود مانا جاسکتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ جسم نہیں، جسم مرکب ہوتا ہے۔ نہ وہ جوہر ہے جو ہر مکان کا محتاج ہوتا ہے۔ اور وہ لامکان ذات ہے ہر جگہ اور ہر شے کو اسی نے تخلیق بخشی ہے۔

۴۔ عرش پیدا کرنے سے پہلے بھی وہ تھا یہ ضروری نہیں کہ وہ ہمیشہ سے عرش پر مانا جائے اس سے عرش کے مخلوق نہ ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ وہ مکان سے بے نیاز ہے اس کے لیے جہت ماننا کفر ہے۔ اس کا آسمانوں پر نزول برحق ہے مگر اس کی حقیقت صرف وہی جانتا ہے اس کا نزول حرکت سے نہیں، وہ حرکت سے پاک ذات ہے۔

۵۔ وہ عرض نہیں، عرض جوہر کے مٹنے سے باقی نہیں رہتا اور زمانہ گزرنے سے اس کی بقاء نہیں رہتی۔ سو عرض ہونا اس کی شان کے لائق نہیں۔

۶۔ اللہ کا علم ذاتی اور علم محیط ہے مگر وہ اپنے فیصلے علم ذاتی سے نہیں علم واقعاتی سے سنا تا ہے، جب تک کوئی عمل کسی سے واقع نہ ہو جائے وہ اس پر اس سے مواخذہ نہیں کرتا۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے ساتھ اکٹھا نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسے کسی چیز سے الگ کیا جاسکتا ہے۔

۸۔ اس کی صفات ذاتیہ آٹھ ہیں:

۱۔ حیات ۲۔ علم ۳۔ قدرت ۴۔ ارادہ ۵۔ کلام ۶۔ سمح ۷۔ بصیر ۸۔ تکوین
وہ ان کی اضداد موت، جہل، عجز، جمود، خرس، صم، غمی سے پاک ہے۔ صفات فعلیہ میں اللہ رب العزت دونوں طرف اظہار فرماتا ہے۔ احیاء و اماتت، رضا و غضب، تعذیب و مغفرت سب اس کے ہاتھ میں ہیں، یہ اس کی صفات فعلیہ ہیں۔

۹۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے اچھی ہو یا بری، بندوں کے اعمال اس کی تخلیق سے ہیں، بندہ صرف کسب کرتا ہے تخلیق نہیں کرتا۔

۱۰۔ قرآن اللہ کا کلام ہے یہ اس کا بول ہے، یہ مخلوق نہیں کوئی ایسا وقت نہیں گزرا کہ اللہ رب العزت میں شان کلام نہ ہو۔ اس کا کلام حادث نہیں۔

۲۔ تصدیق رسالت

۱۔ تمام انبیاء کرام اپنی ذات میں انسان تھے، اور اپنی صفات میں روشن نور حضرت

- خاتم النبیین ﷺ بھی اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی نوعاً انسان تھے۔
- ۲۔ تمام پیغمبر مرد ہوئے ہیں عورتوں میں سے کوئی عورت نبی نہیں ہوئی۔
- ۳۔ انبیاء کرام گناہوں سے معصوم رہے ہیں، اگر کسی پیغمبر سے جلا ارادہ معصیت کوئی خطا سرزد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس پر قائم نہیں رہنے دیا اصلاح فرمادی تاکہ وہ بات اس کے حیردوں کے لیے نمونہ ہو سکے۔
- ۴۔ نبوت وہی ہے یہ کوئی کبھی چیز نہیں، کوئی شخص زور عمل سے یا مہارت و ریاضت سے نبی نہیں بن سکتا۔ نہ نبوت کے کے لیے عالم بالا میں کوئی مدرسہ لگایا جاتا۔
- ۵۔ انبیاء کرام کو علم خدا سے ملتا ہے، بواسطہ جبریلؑ طے یا براہ راست، اس علم کی ایک شرعی حیثیت قائم ہوتی ہے اور اس کو ماننا فرض ہوتا ہے۔
- ۶۔ نبوت میں سب انبیاء برابر ہیں، مگر درجات ان کے اپنے اپنے ہیں ان کی نوع نبوت بھی اپنی اپنی۔ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو بعض رسولوں پر فضیلت دی ہے۔
- ۷۔ بعض نبیوں کو درجہ رسالت بھی دیا گیا یہ حضرات آگے احکام الہیہ پہنچانے کے لیے بھیجے گئے۔ پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور آخری حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔
- ۸۔ تمام انبیاء واجب التعمیم ہیں کسی پیغمبر کی بے ادبی اور توہین کفر ہے کسی پیغمبر کا انکار کیا جائے تو انسان مومن نہیں رہتا۔
- ۹۔ پیغمبروں کو اپنی نبوت کی تصدیق کے لیے جو معجزات دیئے گئے وہ برحق ہیں۔ وہ شخص کافر ہے جو کسی پیغمبر کا منکر ہو، ان کے یہ معجزات فعل خداوندی سے وجود میں آتے رہے۔
- ۱۰۔ خاتم النبیین کے بعد نبوت ملنے کا سلسلہ ختم ہے، اب کسی کو نبوت نہ ملے گی۔ حضور ﷺ کی نبوت قیامت تک باقی رہے گی، حضرت عیسیٰ نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ کی شریعت پر عمل کریں گے۔
- ۳۔ صحابہ کرام کی نسبت سے
- ۱۔ حضور اکرم کے زمانہ کے سب مسلمان خیر امت تھے وہ اپنے دور والوں اور آئندہ

آنے والوں کے لیے، ایمان و عمل کا نمونہ ٹھہرائے گئے۔

۲۔ صحابہؓ سے دور ان تربیت جو خطائیں ہوئیں ان کے حوالے سے ان پر اعتراض کرنا

درست نہیں ہے، وہ ازاں بعد رضی اللہ عنہم کا شرف پانچکے ہیں۔

۳۔ صحابہؓ کی جن خطاؤں کے بارے میں قرآن میں آیا ہے کہ خدا انہیں معاف کر چکا

ان کے حوالے سے ان پر کوئی اعتراض کرنا حرام ہے۔

۴۔ سابقین اولین، مہاجرین و انصار اور متاخرین صحابہ کرامؓ سب عادل ہیں اور تمام

صحابہؓ سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے و کلا وعد اللہ الحسنیٰ (پ ۵ النساء ۹۵)

۵۔ صحابہؓ کا اجماع معصوم ہے جس بات پر وہ اتفاق کر چکے وہ بات اسلام کی قطعیات

میں سے ہے جیسے قرآن کی صحت اور تراویح بالجماعۃ وغیرہا۔

ان کی کرامات (خرق عادت) حق ہیں، یہ فعل خداوندی سے وجود میں آئیں۔

۶۔ صحابہؓ کا عمل و ارشاد ہر اجتہاد اور قیاس سے بالا ہے اور صحیح احادیث کے اختلاف

میں صحابہؓ کا عمل قول فیصل ہے۔

۷۔ صحابہؓ میں افضل ترین حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ہیں، خلفائے راشدین کے بعد

پھر دوسرے درجہ میں، عشرہ مبشرہ ہیں، پھر اصحاب بدر اور پھر اصحاب بیعت رضوان۔ اور جنت

کا وعدہ سب سے ہے۔ شرف صحابیت میں یہ سب برابر ہیں ہاں ان کے درجے اپنے اپنے

ہیں۔

۸۔ فرقوں کے اختلاف میں فرقہ ناجیہ وہ ہے جو حضور ﷺ اور ان کے صحابہؓ کے نقش

قدم پر چلے۔

۹۔ صحابہؓ کا شرف ان کے علم و عمل کے وجہ سے نہیں، گوان میں بھی وہ بہت آگے نکلے

ان کا شرف صحابیت کی وجہ سے ہے اور اس میں سب صحابہ برابر ہیں۔

۱۰۔ صحابہ کرامؓ اپنے بعد میں آنے والوں میں سے یقیناً افضل ہیں انہیں عام مومنین میں

شمار کرنا درست نہیں۔ حدیث کی کتابوں میں فضائل صحابہؓ کے ابواب بتلاتے ہیں کہ یہ حضرات

صرف تاریخی شخصیتیں نہیں دینی شخصیتیں بھی ہیں ان کے بغیر دین کامل کا کوئی تصور قائم نہیں ہوتا نہ

آگے چلتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم ان میں عقائد کے بیان کے آخر میں صفات خداوندی کے

بارے میں تفویض و تاویل کی بھی کچھ وضاحت کر دیں۔

صفات باری میں تاویل اور تفویض کے دو مسلک

احسان میں اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان باندھنا پڑتا ہے اور اس کے کئی پیرائے ہیں تاہم نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں یہ بات واضح کر دیں کہ اہل سنت میں تفویض اور تاویل دونوں کی گنجائش ہے۔ محدثین اور متکلمین میں سے ہم کسی کو دائرہ سنت سے باہر نہیں سمجھتے تاہم اقرب الی السنۃ محدثین کا مسلک ہے حضرت امام ابوحنیفہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ ہم یہاں اس کی کچھ تفصیل کیے دیتے ہیں۔

آیات صفات میں اور تشابہ احادیث میں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں جو انسانوں کے لیے بھی وارد ہیں جیسے اترنا، چڑھنا، بیٹھنا وغیرہ اور آنکھ، ہاتھ، پنڈلی وغیرہ۔ ہاں ضروری نہیں کہ کسی زبان میں ہر لفظ اپنے اصل معنی میں ہی استعمال ہو، مجاز کا دروازہ ہر زبان میں کھلا ہے جس میں لفظ کبھی اس معنی میں بھی وارد ہوتا ہے جس کے لیے اس کی وضع نہیں ہوئی۔ اس صورت حال میں آیات صفات میں اللہ رب العزت کے لیے جو ثابہ الفاظ وارد ہیں ان میں وہی مطلب لیا جائے جو اللہ جل شانہ کے مناسب اور شایان شان ہو، اسے تاویل کہتے ہیں۔ لیکن اس تاویل سے لفظ اپنی حقیقت میں نہیں رہتا مجاز بن جاتا ہے اس صورت میں یہ صفات حقائق نہیں رہے مجاز بن گئے۔ محدثین کے ہاں یہ ان صفات کا انکار بنتا ہے۔ متکلمین کے ہاں یہ صفات کا انکار نہیں اور امام بخاری بھی کچھ اسی طرف مائل دکھائی دیتے ہیں وہ استوی کا معنی علا (بلند ہوا) کرتے ہیں۔ دوسرے محدثین ان الفاظ پر ایمان رکھتے ہوئے ان کے معنی خدا کے سپرد کرتے ہیں کہ وہی ان کی حقیقت کو جانتا ہے، اسے تفویض کہتے ہیں۔ مجتہدین کرام اور محدثین عقلم زیادہ اس طرف گئے ہیں اور انہوں نے تفویض کو تاویل پر ترجیح دی ہے۔

الہدیت (باصطلاح جدید) ان تشابہ الفاظ کو ان کے ظاہر معنی میں لیتے ہیں گویا وہی یہ بھی کہتے ہیں ان کی مراد اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔ ان الفاظ کو ان کے ظاہر معنی میں لینا انہیں فرقہ مجسمہ اور فرقہ مشبہ کے بہت قریب کر دیتا ہے۔ ظواہر میں اور حقائق میں فرق ہے یہ الفاظ صفات اپنے حقائق پر محمول ہیں، ظواہر پر نہیں۔ الہدیت انہیں ظواہر پر محمول کرتے، مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ترجمہ قرآن کے حاشیہ میں الہدیت کا موقف اس طرح لکھا ہے:

الہمدیٹ نے استوائی کے معنی یہ لیے ہیں کہ عرش پر بلند ہوا یا بیٹھایا
چڑھ گیا یا جما اور اس سے ظاہری معنی بلا تاویل مراد ہے اور اس کی
کیفیت مجہول ہے۔ (پ ۸، الاعراف ۱۸۸)

استواء کے یہ چاروں معنی جو الہمدیٹ (باصلاح جدید) نے کئے ہیں ظاہراً مخلوق
کے لیے عام استعمال ہوتے ہیں اب اسے خالق کے لیے انہی معنی میں سمجھنا جس معنی میں یہ
الفاظ مخلوق کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور کہنا کہ اس سے ظاہری معنی بلا تاویل مراد ہے
تشابہات سے عقیدہ بنانا ہے۔ اہل حق اس میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں وما یعلم تاویلہ الا
اللہ۔ سو استواء سے یہ چار ظاہری معنی بلا تاویل مراد لینا تفویض کے خلاف اور اللہ رب
العزت کو مکافی سمجھنے کے عقیدہ کے بہت قریب سے جاتا ہے۔

لیکن اہل سنت کے ہاں ان آیات صفات کے ظاہر معنی سے اس جہت کی نفی کرنا
جس جہت سے یہ الفاظ مخلوق کے لیے استعمال ہوتے ہیں ضروری ہے، سو ان کے ہاں انہیں
ان کے ظاہر پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا لیس کمثلہ شعی پر ایمان رکھتے ہوئے انہیں ان کے عام
مستعمل پیرائے سے دور رکھنا ضروری ہے۔ حضرت سید عبدالعزیز فرماتے ہیں:-

بندہ پر واجب ہے کہ جب اس کی صفات کے متعلق کوئی بات سنے تو اس کے ظاہری
مفہوم سے جو شرعاً محال ہے اس کو منزہ سمجھتے ہوئے حقیقی مفہوم کو اللہ جل جلالہ کے سپرد کرے۔
حافظ احمد بن مبارک السلبجاسی لکھتے ہیں:-

میں کہتا ہوں تفویض مناسب ہے، امام مالک، سفیان بن عیینہ، حضرت
سفیان الثوری، حضرت حماد بن زید، حضرت شعبہ، حضرت شریک،
حضرت ربیعہ الراوی، امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن
حنبل کا یہی قول ہے اور یہی قول ہے اہل قرون طلحہ کا جو کہ تمام قرون
میں افضل و بہتر ہیں۔ (کتاب الابریر ص ۲۸)

(ترجمہ مولانا عاشق الہی میرٹھی)

سو الہمدیٹ (باصلاح جدید) کا اس پر اصرار کہ آیات صفات کو ان کے ظاہر معنی
میں ہی لیا جائے درست نہیں۔ لیس کمثلہ شعی کی رو سے آیات صفات کو ان کے ظاہری
مفہوم سے منزہ جاننا ضروری ہے جیسا کہ تفسیر جمل میں مذکور کی ہے۔ پھر حقیقی مفہوم کو اللہ جل

جلالہ کے سپرد کریں، یہ تفویض ہے۔ تفویض کی صحیح صورت یہ ہے کہ ظاہر معنی کی جس جہت سے اسے مخلوق کے لیے استعمال کرتے ہیں کھل کرنفی کی جائے اور اسے حقیقت کا انکار نہ سمجھا جائے حقائق اور ظواہر میں فرق ہے، ظاہر معنی کی نفی سے حقیقی معنی کی نفی نہیں ہوتی۔ وما یعلم تاویلہ الا اللہ اسی لیے کہا گیا ہے ورنہ ظاہر معنی کو تو سبھی سمجھ رہے ہوتے ہیں۔
جمل علی الجلالین میں ہے:-

طريقة السلف الذين يفوضون علم المتشابه الى الله تعالى
بعد صرفه عن الظاهر

اس سے پہلے اس میں یہ ہے کہ علماء اہلسنت کا اس پر اجماع ہے کہ اس کے ظاہر معنی یہاں ہرگز مراد نہیں ہیں۔

وعلماء السنة بعد اجماعهم على ان معانيها الظاهرة غير مرادة
ترجمہ: علماء سنت کا اس پر اجماع رہا ہے کہ یہاں اس کے ظاہر معنی مراد
نہیں ہیں۔

سو جو اہلحدیث (باصلاح جدید) ان آیات صفات کو ان کے ظاہر معنی دیتے ہیں تو اہل سنت سے نکل جاتے ہیں اور فرقہ مشبہ میں چلے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے لیے حدیث میں لفظ نزول بھی آتا ہے یہ لفظ نیچے اترنے کا معنی دیتا ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے نزول کے لیے حرکت اس کے لوازم میں سے ہے جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جائے تو اس کے ظاہر معنی کی نفی لازم ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے حرکت ماننا پڑے گی، روح المعانی میں استوئی علی العرش کی بحث میں ہے۔

ثم ان هذا القول ان كان مع نفى اللوازم و ان كان مع القول
لها والعباد بالالله تعالى فهو ضلال وجهل
ترجمہ: پھر یہ بات اگر ظاہری معنی کی نفی سے کہی جائے تو بے شک اس
کی گنجائش ہے اور اگر اسے اس کے ظاہری معنی پر رکھیں تو اللہ اس سے
بچائے یہ گمراہی بھی ہے اور جہالت بھی۔
مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

فسرته بحملی ایاہ علی الکنایۃ عن التدبیر کما یریدہ قولہ
تعالیٰ فی بعض الایات بعد الاستواء یدبر الامر وانما حملتہ
علیہا لسهولة لہمہ للعوام والذین..... حج حملہ علی
الحقیقہ و نفوض حقیقۃ الی اللہ (تأویلی الامدادیۃ، جلد ۶، ۵۲)
ترجمہ: میں نے اس کی تفسیر اسے کنایہ پر حمل کر کے کی ہے، اللہ تعالیٰ
نے قرآن پاک میں ایک مقام پر استواء کے ساتھ ہی فرمایا یدبر
الامر من السماء الی الارض (پ ۲۱، السجدہ ۵)

اس لیے محمول کیا کہ عام لوگوں کے لیے اسی کا سمجھنا آسان ہو اور بہتر
یہی ہے کہ ان آیات صفات کو حقیقت پر محمول کیا جائے اور ان کی
حقیقت اللہ کے تفویض کی جائے وہی ان کی صحیح مرادات کو جانتا ہے۔

کنایہ میں حقیقی معنی کا انکار نہیں ہوتا اور مجاز میں حقیقت کا انکار ہوتا ہے اور لفظ
اپنے ان معنی پر آجاتا ہے جن کے لیے اس کی وضع نہیں ہوئی۔

اہل تاویل ان کی تاویل کرتے ہوئے مجاز پر آجاتے ہیں، یہ درست نہیں تاہم
مشکلمین کو ہم اہل سنت سے باہر نہیں کرتے اور ان کے لیے ہم وہی رائے اختیار کرتے ہیں جو
حافظ ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ میں ان کے بارے میں دی ہے، ہاں یہ صحیح ہے کہ بیش تر ائمہ
دین نے مسلک تفویض اختیار کیا۔ جو اہلحدیث (باصطلاح جدید) ان الفاظ کو ان کے ظاہر معنی
سے منزہ نہیں کرتے اور انہیں ان کے ظاہر معنی پر رکھتے ہیں اس سے وہ اہل تشبیہ کے عقیدہ کے
بہت قریب ہو جاتے ہیں، تفویض میں انہیں ان کے ظاہر معنی سے منزہ جاننا ضروری
ہے۔ افسوس کہ یہ سمجھ ان کے ہاں نہیں ہے فقہ کے انکار کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے
خیر کا ارادہ نہیں فرماتے۔

(۲) دوسرا ادب..... صحت عمل

آئیے اب صحت عقائد کے بعد اس راہ کے مسافروں کے لیے صحت عمل کے پیمانے
بجی لائیں کہاں تک انسان دنیا میں لگے اور کہاں تک وہ اللہ رب العزت کے بھروسے پر رہے۔
سویا رکھے راہ احسان میں رہبانیت کی تعلیم نہیں، نہ دنیا میں اس قدر انہماک کی اجازت ہے کہ

روزی کے لیے کسب کو ضروری سمجھے۔ اس راہ کے مسافروں کے ہاں یہ مباح کے درجے میں ہے۔ جو خدا حضرت مریم کو بلا کسب رزق دیتا تھا وہ آج بھی جسے چاہے ”ویروزقہ من حیث لایحسب“ کا جلوہ دکھا سکتا ہے۔ مفتی عراقین امام اہل سلوک شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) لکھتے ہیں:-

۱۔ اس راہ کے مسافروں کا اتفاق ہے کہ مزدوری اور سوداگری کے اقسام اور پٹھے اگر اس نیت سے اختیار کرے کہ ان سے مخلوق کے ساتھ راہ احسان میں قوت ملے اور یہ اعتقاد نہ ہو کہ یہ چیزیں روزی کے لیے ضروری ہیں تو یہ پٹھے مباح ہیں۔ عاجز کے لیے آخری کسب بھیک مانگنا ہے (یہ اس کے لیے جائز ہے) لیکن جس کے پاس رات کا کھانا یا اس کی قیمت نقد موجود ہے یا وہ کسب پر قدرت رکھتا ہے اسے بھیک مانگنا درست نہیں۔ (آداب المریدین ص ۹)

۲۔ اس راہ کے مسافروں کا اتفاق ہے کہ فقرا اختیار کریں جو اپنے رب کی رضا کے ساتھ ہو وہ تو نگر سے افضل ہے۔ حضورؐ نے اسی کو اختیار کیا جب ان پر زمین کے خزانوں کی کنجیاں اس صورت عمل سے پیش کی گئیں کہ اللہ کے پاس جو ان کے لیے ہے اس میں سے پچھر کے برابر بھی کم نہ ہوگا، جبریلؑ نے آپ ﷺ کو اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں، حضورؐ نے عرض کیا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھرا ہو اور دوسرا دن بھوکا رہوں اور جب بھوکا ہوں تیری طرف عاجزی کروں اور جب پیٹ بھرا ہوں، تیرا شکر اور ذکر کروں۔ مشائخ میں سے جو کوئی دنیا کی کسی چیز کو رد کرتا ہے تو حضورؐ کے اسی رد کو دلیل بناتا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا:

اللهم احینى مسکیناً و امتینى مسکیناً و احشرنى فى زمرة
المساکین (ایضاً)

اور اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو فقراء و مساکین کے ساتھ صبر کرنے کا حکم
کیا ہے۔

واصبر نفسك مع اللین یدعون ربهم بالغلاة والعشى یریلون
وجہہ ولا تعد عیناک عنهم ترید زينة الحیوة الدنيا (پ ۱۵، الکہف ۲۸)
ترجمہ: اور روکے رکھ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جو پکارتے ہیں اب
رب کو صبح و شام، طالب ہیں اس کے منہ کے، اور نہ دوڑیں تیری آنکھیں ان

کو چھوڑ کر کہ تو لگ جائے دنیا کی زینت میں، اور نہ کہا مان ان کا جن کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ خواہش نفس کے پیچھے لگے رہے۔

اہل ظاہر کا ایک استدلال اور اس کا جواب

اہل ظاہر اہل باطن کے اس موقف کے خلاف اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ”الید العلویاء خیر من الید السفلی“ کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر کا ہاتھ اس چیز کے نکالنے سے جو اس میں تھی (یعنی مال) بزرگی پاتا ہے۔ معلوم ہوا اس کا نکالنا ہی بہتر تھا اور نیچے کا ہاتھ اس چیز کے پانے سے نقصان پاتا ہے تو معلوم ہوا اس کا نہ لینا ہی بہتر تھا۔ اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ فقر اختیاری تو مگر سے افضل ہے۔

۳۔ اس راہ کے مسافروں کا اس پر اتفاق ہے کہ جیسے روزی کی تلاش میں بڑی کوشش نہ ہو اور اسے اللہ کی ضمانت پر بھروسہ ہو تو اس کے لیے بڑا مرتبہ ہے اور بہتر وہی ہے کہ سب پیٹھے چھوڑ کر عبادت کے لیے فارغ رہے ہاں جب اس کے نزدیک تنہائی اور مجلس اور ملنا اور الگ رہنا ایک سا ہو اور وہ ہر حال میں اللہ کی قدرت کا مشاہدہ کرتا ہو تو اسے درست ہے کہ حاجت کے موافق کسب کرے۔

ایک بزرگ اپنے مرید کو کہتے تھے کہ روزی کی تلاش کا بہت خیال نہ کرو نہیں تو تم رازق کو تہمت لگانے والے اور اس کی ضمانت پر بھروسہ نہ کرنے والے ہو جاؤ گے۔

نسبت اسباب کے نہ ہونے کا بوجھ کم کر دیتی ہے

اللہ کے ساتھ جب دل صاف ہو جاتا ہے تو اسے (سالک کو) اس وقت شرعی تکلیفات کا بجالانا بھاری نہیں لگتا۔ یہ بات نہیں کہ اس کے ذمہ سے یہ شرعی تکلیفات اٹھ جاتی ہیں، کسی سے گودہ ہوا میں اڑے اور پانی پر چلے، بشریت جاتی نہیں رہتی ہاں اتنا ہوتا ہے کہ کبھی ضعیف ہو جاتی ہے اور کبھی قوی۔

صدیق لوگوں کا نفس کی غلامی سے آزاد ہو جانا جائز ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا سارا مال حضورؐ کی خدمت میں پیش کر دیا اور آپؐ پر کوئی بوجھ نہ آیا، آپ صدیقیوں کے پیشوا تھے۔ عارفوں سے بڑی بڑی مشقتیں لی جاتی رہی ہیں مریدوں میں دب جاتی ہیں۔ سالک کمال

کے احوال میں یہاں تک ترقی کرتا ہے کہ مقرب فرشتوں کی صفت کو پہنچتا ہے۔ زمین اس کے لیے کھینچی جاتی ہے پانی پر چلتا ہے کبھی نظروں سے غائب ہو جاتا ہے۔ (آداب المریدین ص ۱۱) اسباب کی طلب مقام تصوف کے خلاف نہیں

جو سالک اسباب کی زیادہ پروا نہیں کرتا اس کا اچھائی کی طرف کھچا جانا اس کے مقام کے خلاف نہیں ہے، حضرت سہروردی فرماتے ہیں:-

اچھائی کی طلب اللہ کے لیے اس کے دوستوں سے محبت رکھنی اور اس کے دشمنوں سے عداوت کرنی ہے ایمان کی بڑی نشانیوں میں سے ہے جو احتساب کی شرطیں جانتا ہے اس پر فرض کفایہ ہے کہ اپنی طاقت کے موافق ہاتھ زبان دل سے جو بن پڑے اچھے کام پر اسے ابھارے، برے سے روکے۔ (ایضاً ص ۱۱)

(۳) تیسرا ادب صحت احکام کا ہے

سالک کو صحت عقائد اور صحت عمل کے ساتھ صحت احکام بھی معلوم ہونے ضروری ہیں۔ سالک کے لیے شرعی احکام اور حلال و حرام کے فاصلے کو کسی کے بتلانے سے ہوں، جانا ضروری ہے۔ پھر اختلاف کا ایک ایسا درجہ بھی ہے جسے سالک رحمت سمجھے اس راہ کے مسافر اس اختلاف کا انکار نہیں کرتے جو علماء دین میں فروع کے بارے میں پایا جاتا ہے۔ ایک عارف سے پوچھا گیا وہ کون سے عالم ہیں جن کا اختلاف رحمت ہے اس نے کہا:-

وہ لوگ جو کتاب اللہ سے چنگل مارنے والے، رسول اللہ کی اطاعت

میں کوشش کرنے والے اور صحابہؓ کی پیروی کرنے میں بھی۔ (ایضاً ص ۱۴)

معلوم ہوا صحابہؓ کی پیروی سے انکار کرنے والے کبھی حق پر نہیں سمجھے جاسکتے۔ صحابہؓ کے اختلاف میں ایک کی پیروی اور دوسرے کی برداشت، یہ ان میں سے کسی کی مخالفت نہیں، اجتہادی مسائل میں خطا کرنے والا اللہ کے ہاں ایک اجر پاتا ہے اور صحیح بات پانے والے کو دو اجر ملتے ہیں۔ سو ان میں سے کسی کو باطل پر نہ سمجھنا چاہیے۔

محمد شین اور فقہاء میں سے کس کو فائق سمجھے؟

شیخ لکھتے ہیں:-

محدثین دین کے نگہبان ہیں اور فقہاء کو علم اصحاب حدیث سے لیتے ہیں، ان سے اس جہت سے افضل ہیں کہ معنی کی سمجھ بوجھ زیادہ رکھتے ہیں اور حدیث کی دلالت سے مسائل کو استنباط کرتے ہیں اور باریک نظر سے خوب غور کر کے احکام اور عبادت کی حدود ترتیب دیتے ہیں۔ ناخ و منسوخ مطلق و مقید مجمل و مفسر، خاص و عام اور محکم و متشابہ میں تمیز کرتے ہیں، سو یہ لوگ دین کے حاکم اور نشان ہیں۔

ہر علم میں اس کے ائمہ کی طرف رجوع کرے

اہل تصوف میں ضد نہیں ہوتی وہ دور از کار تاویلین نہیں کرتے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں:-
جس پر کوئی مسئلہ ان تینوں علوم مذکورہ (حدیث، فقہ، تصوف) سے مشکل پڑے تو اسے ضرور ہے کہ وہ اس علم کے ائمہ کی طرف رجوع کرے۔ جس پر حدیث کے علوم سے کوئی چیز مشکل ہو وہ حدیث کے ائمہ سے پوچھے جس پر کچھ فقہ کے دقائق سے مشکل ہو وہ فقہ کے ائمہ سے پوچھے، جس پر کچھ احوال ریاضات پر ہیزگاری کے دقائق اور متوکلیں کے مقامات سے کچھ مشکل ہو وہ ائمہ تصوف سے پوچھے۔

ائمہ تصوف کی صحبت میں کس طرح مسائل کھلتے جاتے ہیں

ائمہ تصوف کی تربیت سے سالک کن کن حالات سے اور مقامات سے گزرتا ہے اور ان میں اصلاح لیتا ہے، حضرت شیخ نے ان میں سے بعض کا اس طرح ذکر کیا ہے:-

صوفیہ کے لیے ان علوم کے سوا جن کا ذکر ہوا اور علوم عالیہ اور علوم شریفہ بھی ہیں جو معاملات کے اسرار کو اور حرکات و سکنات کے عیبوں اور ان کے اپنے اپنے مقامات کو بیان کرتے ہیں مثلاً توبہ، دنیا سے بے رغبتی، حرام شے سے نفس کو روکنا، رضا بر قضا، توکل، محبت، عذاب و حجاب کا ڈر، ثواب کی امید اور اللہ کے ملنے کی امید، اللہ کی عبادت اس طرح کرنا کہ گویا اللہ کو دیکھتے ہیں، اللہ کے ذکر و فکر سے آرام پانا، اللہ کے دیئے پر قناعت، صدق، اخلاص، شکر، ذکر دائمی، اللہ کی ذات و صفات اور مصنوعات میں فکر کرنا، اپنے اعمال کا حساب اور اپنے اقوال کی نگہبانی اور زمانے کے حوادث سے نصیحت پکڑنا، بہت ہی ڈرنا، اللہ کے امر کی تعظیم، اللہ کی مخلوق پر شفقت، تفصیرات پر ندامت، اللہ سے حیاء، اس کی منہیات میں نہ دیکھے، اللہ کے ذکر و فکر سے خاطر کو جمع

کرنا، سوائے اللہ کے ہر چیز سے الگ ہونا، نفسانی لذات کی فناء، سب حال میں اللہ کے ساتھ بقا۔ نفس کے برے اخلاق اور اس کی بری صفات کو پہنچانا۔ نفس کے مجاہدات اور ریاضات، ریاء کے دقائق۔

شرک خفی اور شہوت خفیہ سے نفس کی خلاصی

شرک خفی شہوت خفیہ زندگی کی بڑی آفات ہیں ان سے خلاصی اس راہ میں ہی میسر آتی ہے۔ اسی طرح صوفیہ کرام نے ان مسائل کو جو فقہاء پر مشتمل تھے ڈھونڈ نکالا جیسے عوارض و عوائق اذکار کے، توحید خالص کے حقائق، تعزیہ کی منازل، باطن کی خطائیں، قدیم کے وجود اور بقاء کے لحاظ سے حادث کو معدوم جاننا۔ (اس سے وحدۃ الوجود کو سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے)

احوال کا عبور

متفرقات کا جمع کرنا نفس کے اغراض سے اعراض کرنا اعتراض کو چھوڑنا..... صوفیہ کہ سیر سلوک میں چلتے ہیں اور ارباب حال کا ذوق رکھتے ہیں اور اپنی اصلاح کے دینے میں جلدی کرتے ہیں، ان سب مقامات کے حالات اور لطائف مذکورہ کی مشکلات پہنچانے کے ساتھ مخصوص ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی کسی حال کا ان حالات سے دعویٰ کرتا ہے تو اس سے اس حال کے ظاہری اور باطنی دلائل مانگتے ہیں اور صحیح اور غیر صحیح میں کلام کرتے ہیں سو یہ لوگ دین کے ارکان اور مددگار اور نگہبان بنے۔ (آداب المریدین ص ۱۶)

اس سے پتہ چلا کہ تصوف میں اپنے آپ کو ایک حال پر نہ سمجھنا چاہئے اس کے اپنے مقامات اور لطائف ہیں اور شیخ کامل کی رہنمائی اور تربیت کے بغیر کسی کو ان وادیوں سے سلامت نکلنا نہیں ملتا۔

(۴) چوتھا ادب صحت باطن کا

ظاہر کی صحت تو ہر شخص ڈھونڈتا ہے اس راہ کے مسافر صحت باطن پر بھی پوری محنت کرتے ہیں۔ مذہب کے ظاہر و باطن اس کے دو پہلو ہیں انہیں شریعت و طریقت بھی کہا جاتا ہے، ظاہر یہ ہے کہ فقہ کے مطابق عمل کرے اور باطن یہ ہے کہ تصوف کے احوال و مقامات

سے گزرے۔ فقہ پر تھلیداً بھی عمل کیا جاسکتا ہے لیکن تصوف میں شیخ کامل اپنے مریدین کو احوال و مقامات سے واقفہ گزارتا ہے، ادب کا جتنا لحاظ تصوف میں کیا جاتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شعبہ زندگی میں ہو۔ اس امت کی تو ابتداء ہی شرفِ صحبت سے ہوئی اور اس کے پہلے مریدین حضور کی صحبت میں نہایت دبی آواز سے بیٹھتے تھے اور ادب ان کے دلوں میں گھسا ہوا تھا۔

ان اللہین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک اللہین
امتحن اللہ قلوبہم للتقویٰ لہم مغفرة واجر عظیم

(پ ۲۶، الحجرات ۳)

ترجمہ: جو لوگ حضور کے پاس دبی آواز میں بولتے ہیں وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جانچ لیا ہے ادب کے واسطے۔ ان کے لیے معافی ہے اور ثواب بڑا۔

حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردی فرماتے ہیں:-

تصوف سب کا سب ادب ہے، ہر وقت کے لیے ادب ہے، ہر حال کے لیے ادب ہے، ہر مقام کے لیے ادب ہے۔ جو ادب سے چمٹا ہے اس راہ کے مردوں کے کمال کو پہنچا، جو ادب سے محروم ہے وہ اللہ کی بارگاہ سے دور ہے۔ جو وقت کے مناسب ادب نہیں کرتا وہ وقت اس کے حق میں برا ہے۔ نفس کا ادب یہ ہے کہ پہلے اسے نیکی سکھائے پھر اسے اس پر ابھارتا رہے اور اسے بدی بھی بتلا دے پھر اس سے روکتا رہے۔ ادب فقیروں کی سنت اور دانشمندوں کی زینت ہے۔

اس راہ کے کامیاب لوگوں کے آداب کیا ہیں انہیں حضرت شیخ کے الفاظ میں سنئے:-

دلوں کی تمہیانی، اسرار کی رعایت، ظاہر و باطن کا ایک سا ہونا، مریدوں کی بزرگی شیخ کے عمل کی رو سے ہے، متوسلین کی بزرگی ادب کی رو سے ہے عارفوں کی بزرگی ہمت کی رو سے ہے۔ ہمت یہ ہے کہ تیرا نفس تجھے بڑے بڑے درجے کے کاموں پر ابھارے۔ ہر مرد کی قسمت اس کی اپنی ہمت ہے۔ (آداب المریدین ص ۱۸)

مشائخ کے اختلاف کو بہت کم لوگ سمجھ پائے ہیں ان میں اختلاف حقیقی نہیں ہوتا۔ حالات کے اختلاف سے ان کے جوابات کبھی مختلف ہوتے ہیں جو شخص ان مقامات کو جانتا ہو

وہ کبھی ان میں کوئی اختلاف محسوس نہیں کرتا۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں:-

احوال کے اختلاف کے سبب مشائخ کے جواب مختلف ہیں ہر کسی نے اپنے (۱) حال کے موافق یا (۲) سائل کے مقام کے مطابق جواب دیا ہے، اگر معرفت میں منتہی تھا تو حقیقت کی رو سے سب قولوں میں یہ قول ظاہر پر ہے۔

تصوف کا اول علم ہے۔ اس کا وسط عمل ہے۔ اور اس کا آخر اللہ کی بخشش اور عطا ہے۔ (۱) علم مرید کی مراد کھولتا ہے (۲) عمل توفیق کی طلب پر مدد کرتا ہے (۳) اور اللہ کی عنایت اسے مراد تک پہنچا دیتی ہے۔

اس راہ کے مسافروں کے تین طبقے ہیں۔ (۱) پہلا مرید جو اپنی مراد کو طلب کرتا ہے (۲) دوسرا متوسط جو آخرت کی راہ میں چلتا ہے (۳) تیسرا منتہی جو اپنے مقصود کو پہنچ گیا..... مرید اپنے وقت کا، متوسط اپنے حال کا اور منتہی اپنے سانس کا نگہبان ہے۔ پاسِ انفس سب احوال سے افضل ہے۔

(۱) مرید کا کام مجاہدے کرنا، ریاضات و عبادات سے مشقت اٹھانا، صبر کے تلخ پینا، گھونٹ پینا، شہوتوں لذتوں اور اس چیز سے جس میں نفس کا فائدہ ہے الگ رہنا ہے۔ (۲) متوسط کا کام مرادوں کی طلب میں سختیاں اٹھانا، اقوال و افعال میں سچا رہنا، کمال کے مقامات میں ادب برتنا۔ (۳) منتہی کا مقام ہوشیاری، حکمیں، جس جگہ میں حق بلاوے وہاں حاضر ہونا ہے۔ اس کے لیے سختی، نرمی، منع، عطا، جفا و وفا سب یکساں ہیں، کھانا اس کا ایسا ہے جیسے بھوک، نیند اس کی ایسی ہے جیسے جاگنا، شہوات نفسانی اس کی مٹ گئی ہوں صرف حقوق باقی رہ گئے ہوں۔ (ایضاً ص ۱۷)

اس پر ہم حضرت علی ہجویریؒ اور امام غزالیؒ کے ارشادات پہلے باب میں ذکر کر آئے ہیں۔

(۵) پانچواں ادب..... صحت عبادات

شریعت میں صحت عبادات فقہ پر موقوف ہے مگر طریقت میں صحت عبادت کا ایک دوسرا نقشہ ہے جو ان بزرگوں نے پیش کیا ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں نماز کا ایک اپنا مقام توحید ہے، زکوٰۃ کا ایک اپنا مقام اخلاص ہے، روزے کا ایک اپنا مقام احساس ہے، حج میں

ایک اپنی فدائیت کا انداز ہے۔

(۶) چھٹا ادب..... صحت معاملات

(۱) صحت عقائد (۲) صحت عمل (۳) صحت احکام اور (۴) صحت باطن کے بعد پانچواں ادب صحت عبادت کا اور چھٹا ادب صحت معاملات کا ہے، چاہیے کہ سالک کے دل میں تصوف کی صفائی اس طرح اترے کہ جس شخص سے اس کا معاملہ ٹھہرے وہ محسوس کرے کہ یہ اللہ رب العزت سے دل کی صفائی کی نعمت پا چکا ہے۔

سالک کی صحت معاملات

معاشرے میں زیادہ خرابیاں خراب معاملات سے ہوئی ہیں۔ معاملات کیسے خراب ہوتے ہیں (۱) دوسروں کے مال پر نظر رکھنا (۲) دوسروں سے بلا ضرورت ادھار لینا (۳) ادھار لے کر واپس نہ دینا (۴) امانت واپس نہ کرنا (۵) بلا اجازت دوسروں کے حق میں تصرف کرنا (۶) زمینوں پر ناجائز قبضے (۷) قبضہ گروپوں سے سمجھوتے (۸) کرایہ داروں کے دعوے ملکیت وغیرہ۔

ان تمام خرابیوں کے پیچھے مال کی محبت کا رفرما ہے۔ اہل تصوف بڑی محنتوں سے اپنے دلوں کو ماسوائے اللہ کی محبت سے فارغ کرتے ہیں۔ جن چیزوں کی محبت کی جاسکتی ہے وہ ان سے بھی اپنے دل کو فارغ کر لیتے ہیں سو یہ کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ کسی حیلے سے وہ دوسروں کا حق دبا لیں۔

اسی طرح معاشرے میں کچھ خرابیاں جاہ و مرتبے کی مسابقت سے واقع ہوتی ہیں۔ تصوف میں جس طرح حب مال کو دل میں نہیں بسایا جاسکتا حب جاہ لکے بغیر خدا کی محبت بھی کسی دل میں نہیں اترتی، سالک اپنی عزت کو ایک خدا کی عزت کے مقابل کچھ نہ سمجھے۔ ان العزۃ للہ جمعاً کسی دوسرے کو خدا نے جو عزت دی ہے اس سے حسد نہ کرے۔ کتنی باہمی دشمنیاں انسان میں اس لیے آجاتی ہیں کہ وہ حب جاہ کا مریض ہے اور دوسروں کو گرا کر اپنی شخصیت بناتا ہے۔ ایسے لوگ کسی طرح بھی اہل تصوف میں شمار نہیں کئے جاسکتے۔ تصوف میں ہی ایک ایسی راہ ہے جس سے حب مال، حب جاہ جیسے مرض دلوں سے نکالے جاسکتے ہیں۔

اس طرح معاشرے میں بہت سی خرابیاں غلط شہوات کی تکمیل سے وجود میں آتی

ہیں، ان بیماریوں کی صفِ بری مجالس میں بچھتی ہے، تصوف انسان کو بری مجالس سے نکال کر نیک مجالس میں لاتا ہے۔ انسان کا جب اٹھنا بیٹھنا اور کھانا پینا اچھے لوگوں میں ہو جائے تو انسان اچھے لوگوں کے سامنے اتباعِ شہوات سے بچنے کی کوشش کرے گا اور پھر یہ ظاہری پرہیز اور تقویٰ اسے برائیوں سے حقیقی پرہیز اور حقیقی تقویٰ کی طرف لے جائے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لا تصاحب الا مومنًا ولا یا کل طعامک الا تقی
ترجمہ: تو یقین کیے لوگوں کے سوا کسی کو ہم نشین نہ بنا، بے دین لوگ
تیرے دسترخوان پر نہ پہنچیں۔

کسی نے جنید بغدادی سے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی پوچھے:

لا یسئلون الناس الحافاً (البقرہ ۲۷۳)

ترجمہ: وہ نہیں مانگتے لوگوں سے لپٹ کر۔

آپ نے جواب دیا:-

ان کو ان کی عالی ہمتی اس بات سے روکتی ہے کہ وہ اپنی حاجات کو اپنے
مولا کے سوا اور کسی کے سامنے ظاہر کریں۔

تصوف جس طرح اس راہ کے مسافروں کے اعمال سنوارتا ہے ان کے معاملات بھی سنوارتا ہے۔ بزرگی صرف عبادات اور تسبیحات سے نہیں دیکھی جاتی اس کے لیے دلوں کے اندر بھی جھانکا جاتا ہے اور کسی کے اندر کی برائی اس کے معاملات جانے بغیر کبھی باہر نہیں آئی۔ سو جس شخص کو دیکھو کہ وہ معاملات میں اچھا نہیں اس کے بارے میں یقین کرو کہ وہ اہل تصوف میں سے نہیں گو وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے ان مجالس میں کبھی آدھمکتا ہو، ایسے لوگ خدا کی حضوری میں جگہ نہیں پاسکتے۔

پیروں کے بارے میں بعض علماء سوء نے مشہور کر رکھا ہے کہ ان پر اپنے لیے رزق کمانے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اگر انہیں نذرانے مل جائیں کہ ان کی گذر اوقات اس سے ہو جائے تو اب ان پر کسب معاش ضروری نہیں۔ یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے۔ شیخ المشائخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) اسی قول کو اختیار کرتے ہیں۔

بعض مشائخ نے کہا ہے کہ حلال کی طلب سب مسلمانوں پر فرض ہے اور صوفیوں پر

خاص کر کے اس حلال کا چھوڑنا بھی جو کفایت کی مقدار سے زیادہ ہو، فرض ہے۔ پھر جو فرض کہ اس نے ضائع کئے ہیں انہیں بجالاوے پھر مظالم کو جو اس کے ذمہ ہیں ان کے اہل کی طرف رد کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

رد دانق حرام يعدل عند الله سبعين حجة مبرورة او كما
قال النبي ﷺ

ترجمہ: دانق برابر حرام چیز کو اس کے مالک کو واپس کرنا اللہ کے نزدیک
سترج مقبول کے برابر ہے۔

تصوف کی کتابوں میں ایسی روایات بہت ملتی ہیں جو محدثین کی میزان پر تولی نہیں جاتیں یہ زیادہ اہل حال ہوتے ہیں لیکن اس کا حاصل قائل کی روح سے متصادم نہیں ہوتا۔ جو بزرگ اپنے مریدوں کو معاملات کی صفائی کی طرف توجہ نہیں دلاتے اور کہتے ہیں کہ صرف ان کے لیے ذکر کی مجلسیں آخرت کی سرخوئی کے لیے کافی ہیں وہ ہرگز اہل تصوف سے نہیں ہیں، ایک بزرگی کا روپ ہے جو انہوں نے سبز پگڑیوں کی یا لے کر توں کی صورت میں اپنے اوپر ڈال رکھا ہے۔

فسوف تری اذا انكشفت الغبار الفرس تحت رجلک ام حمار
ترجمہ: جب پردہ اٹھے گا تو تو دیکھ لے گا کہ تیرے نیچے گھوڑے کی
سواری تھی یا گدھے کی۔

معاملات میں صرف ظاہر شریعت کو نہ دیکھے

ساک کو زیبا نہیں کہ اس کا کوئی معاملہ شریعت کے خلاف ہو لیکن زندگی میں بہت سے ایسے مراحل بھی آتے ہیں کہ انسان ظاہر میں اسے جائز پاتا ہے لیکن اندر سے وہ اس میں ایک غلط امید باندھے ہوئے ہے۔ حضرت امام غزالی لکھتے ہیں:

بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ ہم ظاہر شریعت کے لحاظ سے فتویٰ
دیں گے کہ درست ہیں لیکن وہ معاملہ کرنے والا خدا کی لعنت میں مبتلا
ہوگا یہ وہ معاملات ہیں جن میں مسلمانوں کو رنج و نقصان پہنچنے کا اندیشہ
ہو۔ (بکیمیائے سعادت ۱۳۶)

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

جو شخص چالیس دن اس نیت سے غلہ رکھے کہ گراں ہونے پر فروخت کرے اگر وہ تمام اناج صدقہ میں دے دے تو تب بھی اس کا کفارہ نہ ہوگا اور جو شخص چالیس دن اناج کو (لوگوں سے) روکے رکھے اللہ تعالیٰ اس سے بیزار ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے بے زار ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں۔

جو شخص چالیس دن اناج کو لوگوں سے روکے رکھے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔

آپ کو ایک شخص نے ایک حنکر کے اناج کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا کہ اسے آگ لگا دو۔

جو شخص پہلے غلہ خریدتا ہے اور اس خیال سے خریدتا ہے کہ جب گراں ہوگا تو فروخت

کروں گا اور پھر وہ اسے اس گراں قیمت پر بیچتا ہے تو اس نے خرید و فروخت میں شریعت کے کسی

قانون کی مخالفت نہیں کی مگر ایک بری نیت تھی جو اس کے دل میں سمائی تھی اس بری نیت سے اس

نے ضرر خلق سے کام لیا۔ اہل طریقت کبھی یہ جرأت نہیں کریں گے کہ کوئی ایسا کام کریں جس سے

عام مخلوق کو ضرر پہنچتا ہو۔ حضور نے اسے جس پیرایہ میں بیان فرمایا ہے اس سے صاف پتہ چلتا ہے

کہ شریعت کے ساتھ جب تک طریقت نہ ہو شریعت کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔

رہا معاملہ زمیندار اور کسان کا کہ وہ جب چاہے فروخت کرے اس کے لیے واجب

نہیں کہ جلدی فروخت کرے، اس صورت میں وہ اپنی محنت کی زیادہ قیمت لے رہا ہے اس نے

یہ مال کسی سے خریدا نہیں کہ جب یہ گراں ہوگا تو وہ اسے فروخت کرے گا یہ مذکورہ بالا حدیث

کی زد میں نہیں آتا لیکن راہ سلوک کے مسافر اسے بھی اچھا نہیں سمجھتے۔

دہقان جس کے پاس اناج ہو وہ خاص اس کا ہے جب چاہے فروخت

کرے اس کے لیے یہ واجب نہیں کہ جلدی فروخت کرے لیکن اگر وہ

بھی تاخیر نہ کرے تو بہتر ہے اگر اس کے باطن میں یہ رغبت ہو کہ اناج

گراں ہو جائے تو اس کی یہ رغبت مذموم ہے۔ (ایضاً ۱۴۷)

نوٹ: انسانی زندگی خوراک پر قائم ہے اور اس سے آدمی کا قیام ہے نہ روک رکھنے کا حکم اس

سے خاص ہے اگر کوئی شخص لوہا اور اینٹوں کو اس لیے جمع رکھے کہ انہیں گرانی وقت پر بیچے تو یہ وہ اشیاء

ہیں جن کی عام آدمی کو حاجت نہیں۔ اگر کوئی ایسا مال تجارت جمع کرے تو اس کی اجازت ہے۔

مشائخ طریقت کی ان امور پر نظر ہونی چاہیے کہ ان کے ارادتمندوں کے لین دین

کے معاملات کیسے ہیں اور وہ دوسروں کے ساتھ حقوق اور ادائے قرض میں کیسے ہیں وہ ان کی مناسب تربیت اور رہنمائی کریں انہیں صرف ذکر پر لگائے رکھنا اور یہ بتلانا کہ اب ان کا تعلق خدا سے قائم ہو گیا ہے طریقت کی راہ میں ایک بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے۔ انسان عبادات کی راہ سے خدا کے قریب اتنا نہیں ہوتا جتنا وہ معاملات کی درستگی سے اللہ رب العزت کی بادشاہی میں داخل ہوتا ہے۔

اس دور کے ائمہ تصوف میں حکیم الامتہ مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ اپنے ارادت مندوں کے معاملات کی اصلاح پر بہت زور دیتے تھے۔ آپ کی کتاب ”حیات المسلمین“ ایک تصوف کی کتاب ہے جو آپ نے اپنے مریدین کی اصلاح معاملات کے لیے لکھی۔ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

صحت امور عامہ

اس راہ کے مسافر اپنی عام عادات میں بھی حضور خداوندی میں رہنے کی پوری سعی کرتے ہیں زبان ہو یا کان اور آنکھ ہو یا ہاتھ اور پاؤں ہو یا دل، کسی میں وہ تصوف کی پٹری سے نہیں اترتے۔ شریعت کی زبان میں اسلام کی تعریف وہ ہے جو حضورؐ نے حضرت جبریلؑ کو بتائی لیکن طریقت کی زبان میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویدہ

(رواہ البخاری عن عبداللہ بن عمرو)

ترجمہ: مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور اس کے

ہاتھ سے بچے رہیں۔ (سلامتی میں رہیں)

اس سے صاف سمجھا جاتا ہے کہ جس طرح شریعت کی راہیں کا پتہ حضور سے ملتا ہے

طریقت کی راہیں بھی آپ سے ملتی ہیں۔

طریقت کی یہ بات شریعت کے خلاف نہیں اس سے ایک آگے کی منزل ہے جیسے

سونے پر سہاگہ یہ وہ مقام ہے جب اسلام علامات سے ظاہر ہونے لگتا ہے۔

سوائے کسی شخص کی زبان یا اس کے ہاتھ سے کسی دوسرے مسلمان کی عزت یا اس کا

مال یا اس کی جان محفوظ نہیں تو کسی دیندار مسلمان کو زیبا نہیں دیتا کہ وہ اسے اہل تصوف میں

شمار کرے۔ مسلمانوں کی جانیں، ان کے مال اور ان کی عزتیں ایک دوسرے کے لیے اسی طرح لائق احترام ہیں جس طرح عرفات کا دن اور ارض حرم جب وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹیں ان کی عزتیں لوٹیں اور ان کے مال بلا استحقاق دبا لیں تو وہ کس طرح اللہ کے ہاں کسی قرب میں جگہ پاسکتے ہیں۔

۱۔ زبان ادب سے محروم رہے تو اس کی سزا کیا ہوگی؟

سارے بدن کا بوجھ زبان پر ہوگا اور ایسے لوگ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے۔ زبان دانتوں میں کٹ رہی ہوگی۔ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

هل يكب الناس على مناخرهم الا حصائد السننهم
ترجمہ: لوگوں کو (آگ میں) اوندھے منہ، ان کی زبانوں کی کاٹ سے
ہی گرایا جائے گا۔

یہ اس لیے کہ انہوں نے کیوں اپنی زبانوں کو گالی، بدزبانی، غیبت، چغلی، جھوٹی قسموں اور جھوٹی شہادتوں سے آلودہ کیا۔ تصوف کی راہ میں چلنے والے اپنی زبانوں کو ان تمام آلودگیوں سے بچا کر چلتے ہیں۔

۲۔ کان کا ادب بری باتوں کو سننے سے بچنا ہے

اہل تصوف کے کان کسی فحش اور بے ہودہ بات کو نہیں سنتے۔ گانے کی آواز کان میں پڑے وہ کانوں پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں۔ چلتی بس میں گانا گائیں تو ان کا ایمان بول پڑتا ہے گانے کو بند کیجیے۔ یہ کان کو منکرات سے بچاتا ہے۔

۳۔ آنکھ کا ادب بے حیائی کے ہر منظر سے پرہیز کرنا ہے

اہل تصوف لوگوں کے عیوب تلاش نہیں کرتے۔ کوئی برا عمل نظر پڑے تو فوراً نظر پھیر لیتے ہیں، تصویروں کو نہیں دیکھتے جو غیر محرم عورت ان سے پردہ نہ کرے اس کے سامنے آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں، کان آنکھیں اور دل قیامت کے دن سب اپنی اپنی جگہ مسئول ہوں گے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ان السمع والبصر والفؤاد كل اولئك كان عنه مسئولا

(پ، ۱۵، بنی اسرائیل ۳۶)

ترجمہ: بے شک کان آنکھ اور دل ہر ایک کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا۔

آدمی کو چاہیے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدر کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے۔ سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی انکل بچو کوئی قطعی حکم نہ لگائے اور عمل درآمد شروع نہ کر دے۔ اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپے آزار ہونا یا بغض و عداوت قائم کر لینا یہ سب صورتیں اس آیت میں داخل ہیں۔

۴۔ دل کا ادب یہ ہے کہ وہ ہر بری خواہش سے بچے

اہل تصوف کے دل خشوع و خضوع سے ہمیشہ جھکے رہتے ہیں۔ نماز بہترین اعمال اسلام ہے، اس میں ان کے دل خدا کے آگے کس طرح جھکے ہوتے ہیں دیکھئے قرآن کریم میں:

قد افلح المومنون الذین ہم فی صلواتہم خاشعون

(پ ۱۱۸ المومنون)

ترجمہ: مومن فلاح پانگئے جو اپنی نمازوں میں خدا سے ڈرے رہتے ہیں۔

مومن اپنے دل میں اللہ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں پر غور کرے تو وہ خدا کو پالیتا

ہے۔ يتفكرون فی خلق السموات والارض ان کی شان میں وارد ہے۔

آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا:

الا ان فی الجسد لمضغة اذا صلحت صلح بصلاحها

سائر الجسد واذا فسدت فسد بفسادها سائر الجسد الا

وهی القلب

ترجمہ: خبردار رہو انسانی جسد میں گوشت کا ایک ایسا ٹوٹھرا ہے وہ

درست رہے تو سارا جسد اس کی درستگی سے درست رہتا ہے اور اس میں

اگر کوئی خرابی آجائے تو سارا جسد اس کی خرابی سے فاسد ہو جاتا ہے۔

۵۔ ہاتھ کا ادب یہ ہے کہ بخشش کو اس سے پھیلاؤ ملے

اور یہ کہ کسی کی طرف ظلماً نہ بڑھے انسان کو اس کے وسیلہ سے روزی نصیب ہو۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں آیا ہے کان یا کل بعمل یدیدہ آپ اپنے ہاتھوں اپنی

روزی کھاتے تھے۔ آنحضرت نے مردوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لی قرآن میں آپ کے ہاتھ کے اس اعزاز کو ید اللہ فوق ایدیہم سے ذکر کیا گیا ہے۔ حضور نے ازواج مطہرات میں فرمایا مجھے ان میں سے سب سے پہلے لے لے ہاتھوں والی ملے گی، اطولکن بدأ لے ہاتھ سے مراد بخشش میں پھیلنے والا ہاتھ ہے نہ کہ جو صرف پیکش میں لبا ہو۔

۵۔ پاؤں کا اللہ کے حضور یہ ادب ہے کہ زمین پر اکڑ کر نہ چلے

سالک اپنے ایک ایک عضو میں اللہ کے آگے سرپا جھکا ہوتا ہے۔ سب اعضاء مل جائیں تو بندہ بنتا ہے اب وہ پورے بدن سے سرپا عبادت ہے اس کا ہر عضو اپنی جگہ پوری عبدیت سے اللہ کے حضور جھکا ہوا ہے قرآن کریم میں اس بندے کا چلنا پھرنایوں ذکر کیا گیا ہے۔

لا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ
الجبال طولاً (پ ۱۵، نبی اسرائیل ۳۷)

ترجمہ: زمین پر اتراتا ہوا نہ چل۔ تو ہرگز پھاڑ نہ ڈالے گا زمین کو اور نہ
پہنچے گا اونچا ہونے میں پہاڑوں تک۔

۶۔ لباس کے آداب

اسلام میں ہر وہ لباس جس سے تکبر اور فخر محسوس ہو جائز نہیں۔ پھر راہ سلوک کے مسافر تو اور بھی تو اوضح میں رہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں:-

من لبس ثوب شهرة البسه الله يوم القيامة ثوباً مثله ثم تلهب
فيه النار (سنن ابی داؤد جلد ۲، ص ۲۰۲ کتاب اللباس)

ترجمہ: جس نے دکھائی دینے والا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ویسا لباس ہی پہنائیں گے پھر وہ جہنم میں شعلہ بنے گا۔

من لبس ثوب شهرة البسه الله يوم القيامة ثوب مدلة
ترجمہ: جس نے شہرت کا لباس پہنا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن
ذلت کا لباس پہنائیں گے۔

جو شخص اپنی شلوار یا چادر زمین پر رکھتے ہوئے چلے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ
کریں گے۔ حضورؐ نے فرمایا:

الذی یجوز ثوبه من الخیلاء لا ینظر اللہ الیہ یوم القیمہ (ایضاً ۲۵۵)

اہل طریقت کبھی فخر و شہرت کے کپڑے نہیں پہنتے۔ سفید کپڑے کو اس لیے پسند کرتے ہیں کہ یہ رنگ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ تاہم اس میں فخر و شہرت کا کوئی پہلو نہیں۔ شیخ المشائخ حضرت ضیاء الدین سہروردیؒ اس راہ کے مسافروں کے لیے لکھتے ہیں:-

(۱) موٹے (۲) پرانے (۳) پیوند لگے کپڑے پر اکتفا کرنا تین وجہ سے بہتر ہے۔
 (۱) حضرت نے فرمایا ہے ما قل و کفی خیر مما کثر و الہی جو چیز تھوڑی ہو اور کفایت کرے وہ اس چیز سے جو بہت ہو اور غفلت میں ڈالے اچھی ہے۔
 (۲) کپڑوں کا تکلف دنیا کی ان چیزوں سے ہے کہ ان کے حلال پر حساب اور حرام پر عذاب ہے۔

(۳) حضور ﷺ نے فرمایا ہے:-

من ترک لبس ثوب جمال و هو یقدر علیہ تواضعاً کساہ

اللہ حلۃ الکرامۃ (سنن ابی داؤد جلد ۲، ص ۳۰۳)

یعنی جو قدرت رکھتا ہے زینت کے کپڑوں کی اور چھوڑے گا اسے تو اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کرامت کا لباس پہناوے گا۔

پیوند لگے کپڑے کو کوئی وجہ سے پسند کرتے ہیں بہت تھوڑا پھٹتا ہے، تواضع کے بہت قریب ہے، شریر لوگ اس کا لالچ نہیں کرتے، باطن کے فساد اور تکبر کو روکتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھے حضورؐ نے حکم فرما دیا تھا کہ کرتے کو جب تک پیوند لگا کے نہ پہن لو تب تک دے نہ پھینکو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ اپنے کپڑے میں پیوند لگاتے تھے۔ (آداب المریدین ص ۱۲ ملخصاً)

آگے آپ نے ص ۴۷ پر لباس کے آداب میں ایک فصل باندھی ہے اس میں آپ

لکھتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ولبابک فطہر یعنی اپنے کپڑے پاک رکھ اور کہا گیا ہے کہ طہر کے معنی قصور ہیں کہ اپنے کپڑوں کو کوتاہ کر۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

ان اللہ یحب کل مہذل لا یمالی مالہس
ترجمہ: بے شک اللہ دوست رکھتا ہے ہر عام کپڑے والے کو جو پرواہ
نہیں کرتا کہ اس نے کیا پہنا۔
سو یہ کپڑے تو ان چیزوں سے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی چیزوں سے
نکال دیا۔ اور فرمایا کہ یہ دنیا سے نہیں حضورؐ نے فرمایا۔

لثلة یدخلون الجنة بغیر حساب ارجل غسل ثوبہ فلم یجد
خلفاً ۲۔ ورجل لم ینصب علی مستوقدہ قدران ۳۔ ورجل
دعا بشواہہ فلم یقل ایہا ترید

ترجمہ: تین آدمی بہشت میں بے حساب جائیں گے۔ (۱) ایک تو وہ
مرد جس نے اپنا کپڑا ڈھویا اور اس کی جگہ دوسرا نہ پایا۔ (۲) دوسرا وہ
مرد ہے کہ اس کے چولہے پر دو ہنڈیاں نہیں چڑھائی گئیں۔ (۳)
تیسرا وہ مرد ہے کہ پینے کے لیے مانگتا ہے۔ اور اسے یوں نہیں کہا جاتا
کہ کون سا مشروب چاہتے ہو۔
حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کوئی چیز دو نہیں رکھتے تھے۔

(ایضاً ص ۴۸)

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں بعض صوفیہ کا معیار یہ ہے کہ احرام والے کی طرح دو کپڑوں
پر اکتفا کریں۔ آپ نے آگے اس کی اور بھی تفصیل کی ہے یہاں ہم اسی اختصار پر اکتفا کرتے
ہیں۔ آپ اس سے پہلے ص ۴۳ پر سالک کے لیے سفر کے آداب ذکر کر آئے ہیں۔

حضرت علی ہجویریؒ نے بھی کشف المحجوب میں سالک کے آداب سفر بیان کیے ہیں
اس سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ تصوف سب ایک جگہ سے بولتے ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ نے
سالک کے نکاح اور تجرد کے احکام پر بھی کچھ بحث کی ہے۔ تو حضرت سہروردیؒ نے بھی
ص ۵۹ پر سالک کے نکاح پر ایک فصل لکھی ہے۔ حضرت سہروردیؒ نے آگے مانگنے کے
آداب پر ص ۶۰ میں ایک گفتگو فرمائی ہے اور موت کو یاد کرنے کے کچھ آداب ص ۶۳ پر لکھے
ہیں۔ یہ آخری دو باب ہمیں کشف المحجوب میں نہیں ملے لیکن ان کا اجمال متفرق طور پر اس
میں بھی ملتا ہے۔

ان تمام صوفیہ کرام کا چشمہ فیض ایک ہی ہے۔ حضرت امام غزالی نے اوراد و اذکار کی تین انواع پر بھی مستقل اصلیں لکھی ہیں۔ پہلی سات اصولوں میں آپ حضرت علی ہجویری کے ساتھ چلے ہیں۔ آپ کی آخری تین اصلیں یہ ہیں:

| | |
|---------|-----------------------------|
| اصل ہضم | تلاوت قرآن مجید کے بیان میں |
| اصل خیم | ذکر و دعا کے بیان میں |
| اصل دہم | ترتیب و وظائف کے بیان میں |

آپ نے تین اصل خرید ذکر کیے ہیں سالک کو چاہیے کہ ان بڑے بڑے تمام رجال تصوف کی ان کتابوں کو مطالعہ میں رکھے اور تصوف کے احوال و مقامات کے باب میں مندرجہ ذیل آداب کو کیسے سعادت میں دیکھے اور ان حدود کا پورا احترام کرے۔

(۱) آداب سماع کے بیان میں (۲) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں (۳) آداب بادشاہی اور رعیت پروری کے باب میں

حضرت امام غزالی نے جس طرح اس فن کو مہلکات اور منجیات میں نکھارا ہے وہ آپ کا ایک اپنا مخصوص انداز ہے اور وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت علی ہجویری (۷۳۶ھ)، حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ)، حضرت الشیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) کے آداب اور تصوف کی زندگی کے مختلف ابواب آپ کے سامنے آچکے۔ اب آپ اس دور اول کے چوتھے بزرگ جو اپنے زمانے کے سرتاج اولیاء تھے اور ان کا قدم اس وقت کے تمام اہل ولایت کی گردنوں پر رہا ہے ان سے بھی کچھ آداب ارادت معلوم کر پائیں۔ یہ پیران پیر قطب ربانی محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۶۳۲ھ) ہیں۔

آداب ارادت..... حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے الفاظ میں

ارادت کیا ہے؟

جس غلط کام کی عادت پڑ چکی ہو اسے چھوڑنے کا ارادہ کرنا ارادت کہلاتا ہے۔ تصوف میں ارادت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی طلب میں مطلوبی سے دل لگایا جائے، اس راہ کا طالب خدا کے سوا سب چیزوں کو ترک کرنے پر اپنے آپ کو تیار کر پائے۔ جب کوئی شخص

آخرت اور دنیا کی لذات سے دل ہٹا لیتا ہے تو اس کی ارادت خالص ہو جاتی ہے سب کاموں میں (۱) اول ارادہ ہوتا ہے پھر (۲) قصد اور پھر (۳) فعل۔ سو ہر سالک کے رستہ کی ابتداء ارادہ سے ہوتی ہے۔ ہر قصد کرنے والے کی پہلی منزل کا نام ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي
يريدون وجهه ولا تعد عينك عنهم تريد زينة الحياة الدنيا

(پ ۱۵، الکہف ۲۸)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو انہی کے ساتھ رکھ جو اپنے رب کو صبح و شام پکارتے ہیں اور اس کا وہ ارادہ کرتے ہیں اور تیری نگاہیں ان سے پھرنے نہ پائیں کہ تو دنیا کی زینت کے پیچھے لگے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان درویشوں کو اپنے سے دور کرنے سے منع فرمایا جو دن رات اللہ کی یاد میں لگے ہیں۔ مخاطب کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو ان لوگوں سے موافق کرو جو صبح و شام اپنے مالک کو یاد کرتے ہیں اور خدا کی مرضی چاہتے ہیں۔ آپ کی آنکھیں ان سے دور نہ ہونے پائیں کہ آپ اس دنیا کی زندگی کی زینت چاہنے لگیں۔ آپ ان لوگوں کی بات نہ مانیں جن کے دلوں کو ہم نے اپنے سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہشات میں بے ہی بے چلے جا رہے ہیں۔ حضرت اشعخ فرماتے ہیں:-

جب تک ارادت خالص نہ ہو دل میں خدا کا خوف نہیں ساسکتا جب خوف دل میں جگہ پیدا کرے تو اللہ کے سوا باقی سب جلا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کسی گاؤں میں جب کوئی بادشاہ آتا ہے تو وہ گاؤں ویران ہو جاتا ہے اور اس گاؤں کے سب عزت والے کمزور ہو جاتے ہیں۔

ان الملوک اذا دخلوا قرية الفسدوها وجعلوا اعزة اهلها
اذلة وكذلك يفعلون (پ ۱۹، النمل ۳۳)

ترجمہ: بادشاہ کسی بستی میں آگھتے ہیں تو اسے اجاڑ دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو بے عزت کر دیتے ہیں اور اس طرح ہوتا آیا ہے۔

انسان کے دل میں جب اللہ تعالیٰ کی دوستی جگہ کر لیتی ہے تو اس کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین ص ۶۲۶)

معرفت الہی

یہ وہ وقت ہے جب سالکان طریقت اپنی گردن سے ہار اتار دیتے ہیں، انہیں خدا کی مہربانی اور رحمت کے پانی سے غسل دیا جاتا ہے، انہیں پاک و صاف کر دیا جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی مسابغی میں ان کے لیے مکان تیار کیا جاتا ہے اور انہیں عزت کے لباس سے ممتاز کیا جاتا ہے۔ اس کا نام معرفت الہی ہے یہی خدا کا انس ہے اسی سے سکون حاصل ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو کلام کرتا ہے وہ خدا کی حکمت علم اور اسرار سے بولتا ہے، اللہ کے دوستوں میں اس کا نام پکارا جاتا ہے، اسے ایک ایسے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جسے اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، وہ اسرار الہی سے واقف ہوتا ہے اسرار محض اللہ تعالیٰ کی حضوری سے حاصل ہوتے ہیں، اس شخص کا سننا، دیکھنا، بولنا اللہ کا سننا، دیکھنا اور بولنا ہوتا ہے وہ اللہ سے طاقت حاصل کرتا ہے۔ (ایضاً ص ۶۷۷)

یہی بات ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

فكنت سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصره ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها (صحیح بخاری جلد ۲ ص ۹۶۳)

ترجمہ: اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یہ حضرات ائمہ تصوف ہیں اور اس راہ کے مسافر سلوک کی منزلوں میں ان کی رہنمائی اور تربیت سے چلے ہیں۔ یہ مسافر ہر اس منزل کے ارادتمند ہوتے ہیں جہاں سے اللہ کے نور کی چمک دیکھی جاسکے۔ مرید کا لفظ ارادت سے نکلا ہے یہ باب افعال ہے جو اپنے تعدیہ کے خاصہ سے بھی اس نور کو آگے سے آگے لے رہا ہے اور اسی طرح قیامت تک ان سے مریدان ہادقا کی ایک لمبی قطار چلی جائے گی۔ ان اولیاء اللہ نے اپنی قطار میں آنے والے ارادتمندوں کے لیے تمام ذریت الہیوں کے پنچوں میں پنچے ڈال کر معرکہ خیر و شر میں ہمیشہ خیر کی جنگ جیتی ہے۔

فجزاهم اللہ تعالیٰ يوم القيمة احسن الجزاء.

قرآن کریم میں قلب کی واردات

الحمد لله و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

قرآن کریم صرف احکام کی ایک دستاویز یا زندگی کا ایک لائحہ عمل ہی نہیں، یہ انسان کو اندر کے اعمال اخلاص دل کی پاکیزگی اور حسن نیت کی بھی پوری تعلیم دیتا ہے، اور اس کی ایک اپنی ترتیب ہے۔ اس بحر بیکراں میں شریعت اور طریقت ساتھ ساتھ چلتے ہیں یہ دو قاصدے نہیں دو کنارے ہیں اور ظاہر ہے کہ دو کناروں میں ایک ہی پانی دونوں ساحلوں کو چھوتا ہے۔ قرآن کریم میں ایمان کے بعد سب سے زیادہ اہمیت تقویٰ اور ذکر کو دی گئی ہے۔ قرآن کریم کے شروع میں خود قرآن کریم کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب انہی لوگوں کے لیے راہ عمل ہو سکے گی جو ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور وہ بن دیکھے غیبی حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں، قرآن کریم نے تقویٰ کو ایمان بالغیب سے جوڑا ہے ایمان بالغیب کیسے حاصل ہوگا سلوک و احسان کی راہ سے اور تقویٰ کی دولت کب ہاتھ لگے گی؟ اس راہ پر چلنے سے۔

الم ذلک الكتاب لاریب فیہ ہدی للمتقین الذین یؤمنون

بالغیب (البقرۃ)

ترجمہ: وہ کتاب، نہیں کوئی شک اس میں یہ ہدایت ہے ان تقویٰ پانے والوں کے لیے جو بن دیکھے ایمان رکھتے ہیں۔

یہ بن دیکھے ایمان انہی کو نصیب ہوتا ہے جو پہلے تقویٰ اختیار کریں بعثت کو تسلیم کریں اور پھر بن دیکھے خدا، اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لائیں اور نمازیں قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔

اسلام کے پانچ رکن

پہلے تین اس آیت میں مذکور ہیں یہ اہل تقویٰ کا عمل ہیں۔

يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ

قرآن کریم نے ایمان، نماز اور زکوٰۃ تینوں میں تقویٰ کی قید لگا دی ہے، ایمان وہی ہے جس میں تقویٰ ساتھ ہو، اور نماز بھی وہی کامل ہے جس میں تقویٰ شامل ہو اور اللہ کی راہ میں دینا بھی تبھی اللہ کے ہاں قبولیت پائے گا کہ اللہ کے خوف سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے دکھا دے کے لیے نہ ہو۔

روزے کا حاصل بھی تقویٰ ہے

روزہ کی عبادت بھی مومنین کے ذمہ اسی لیے لگائی کہ ان میں پوری طرح تقویٰ آجائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ

مَنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (پ۲ البقرۃ ۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان لانے والو! تم پر روزے رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا جیسے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم روزہ کی وجہ سے تقویٰ پاسکو۔

اسلام کے چار رکن آپ کے سامنے آگئے ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزہ۔ پانچویں رکن حج میں بھی تقویٰ کی ہی گرہ لگائی گئی ہے۔

حج کی عبادت میں بھی تقویٰ ہی درکار ہے

سورہ حج میں فرمایا:

وَمَنْ يَعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (پ۱، ۱۷، الحج ۳۳)

ترجمہ: اور جو شخص تعظیم کرے اللہ کے نام لگی چیزوں کی۔ سو وہ اس لیے ہے کہ دلوں میں تقویٰ آچکا ہے۔

قربانیوں کے بارے میں فرمایا:

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لِحُومَهَا وَلَا دِمَاءُهَا وَلَكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ

(پ۱، ۱۷، الحج ۳۷)

ترجمہ: نہیں پہنچتا اللہ کو ان ذبح ہوئے جانوروں کا گوشت اور نہ خون،
اسے تو پہنچتا ہے تمہارا تقویٰ۔

تقویٰ اسلام کے پانچوں ارکان میں لازم رکھا گیا ہے، جس سے یہ بات سمجھ
میں آتی ہے کہ جس دین میں تصوف اور سیر سلوک و احسان نہ ہو، اور اس کے کسی عمل میں تقویٰ
نہ ہو تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔

یہ تقویٰ جب حسی صورت میں آتا ہے تو اسے خشوع و خضوع کہتے ہیں اور جب یہ
معرفت کا مقام پالے تو یہ حضور و مظلور کو پانا ہے۔ سالک اس میں وہ نسبت پالیتا ہے کہ اللہ کے
حضور فوراً سجدہ کرے یہ مومنین کا مقام فلاح ہے۔
نماز میں خشوع تصوف کی راہ ہے

۱۔ قد الفلح المؤمنون الذين هم في صلوٰتہم خاشعون

(پ ۱۸، المؤمنون)

ترجمہ: کام نکال لے گئے ایمان والے جو اپنی نماز میں خشوع لے آئے۔

۲۔ ويخرون للأذقان يبكون ويزيدهم خشوعاً

(پ ۱۵، الاسراء، ۱۰۹)

ترجمہ: اور گرے ہیں ٹھوڑیوں پر روتے ہوئے اور وہ خشوع میں اور
بڑھ جاتے ہیں۔

۳۔ يدعوننا رغباً ورهباً وكانوا لنا خاشعين (پ ۱۷، الانبياء، ۹۰)

ترجمہ: وہ پکارتے ہیں ہمیں پورے امید اور ڈر سے اور وہ تھے ہمارے
حضور جھکنے والے۔

۴. الم يأن للذين امنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله وما نزل

من الحق (پ ۱۷، الحدید، ۱۶)

ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لیے ابھی وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ
کی یاد میں اور جو حق اتر اس کے لیے جھک جائیں۔

سالک (اللہ کے قرب میں جانے والا مسافر) جب تقویٰ، خشوع و خضوع اور حضور

وتطور کی منزلوں میں آتا ہے تو اس کے اندر کا نور بسا اوقات اس کے چہرے اور پیشانی پر بھی دکنے لگتا ہے۔ صحابہؓ کی پیشانیاں اسی نور سے پچانی جاتی تھیں۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں:-
 نمازوں کی پابندی خصوصاً تہجد کی نماز سے ان کے چہروں پر خاص قسم کا نور اور رونق ہے گویا خشیت و خضوع اور حسن نیت و اخلاص کی شعاعیں باطن سے پھوٹ پھوٹ کر ظاہر ہو کر روشن کر رہی ہیں۔ حضورؐ کے احباب اپنے چہروں کے نور اور معیاناہ (تقویٰ کی) حال زندگی سے لوگوں میں الگ پچانے جاتے تھے۔ سیمامہم فی وجوہہم من النور السجود۔ (فوائد القرآن ص ۶۸۳)

تصوف کی عایت یہی ہے، یہی احسان ہے یہ ہر لمحہ خدا کے حضور حاضری کا یقین ہے، یہ وہ منزل ہے جب سالک عبادت میں خدا کو دیکھنے کے درجے میں آجاتا ہے، نہیں تو اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت جانتا ہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے۔ حضور ﷺ نے جبریل کے سامنے احسان کی شرح یہ فرمائی تھی۔

ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراک
 ترجمہ: تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے یہ نہ ہو سکے تو یہ بات تو سامنے رہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔
 شریعت انسان کو تین طرفوں سے خدا کے قریب لے جاتی ہے، زبان سے، بدن سے اور مال سے۔ وہ ہر طرف سے خدا کے حضور میں آتا ہے، یہ سب انواع عبادت صرف ایک اللہ کے لیے ہیں۔

التحیات للہ والصلوات والطیبات
 (والنفس فی المحررات جلد ۲ ص ۳۲۳ والمرقاۃ جلد ۱ ص ۵۵۶)
 ترجمہ: سب زبانی عبادتیں اور بدنی عبادتیں اور سب مالی عبادتیں ایک اللہ کے لیے ہیں۔

اور طریقت اپنا موضوع قلب کو بتاتی ہے۔ مومن طریقت میں ذکر، زبان، بدن، مال، اور قلب سے خدا کی بادشاہت میں داخل ہوتا ہے۔

اور وہ اس کے قرب کو پالیتا ہے یہی نسبت حضوری ہے جسے تصوف کہتے ہیں۔ شیخ

الاسلام حضرت مولانا حسین احمد لکھتے ہیں:

سلوک و تصوف کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ احسان کا ہی دوسرا نام ہے مشائخ کے نزدیک احسان کم از کم یادداشت ہے یعنی دل میں اتنی قوت اور اتنا رسوخ پیدا ہو جائے کہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو سکے۔ جب دل اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو پائے تو اسی سے حضور حاصل ہو جاتا ہے اور اسی کا نام سلوک ہے۔

قرآن کریم نے قلب کو ایک نئے معنی دیئے ہیں

جسم میں دل ایک گوشت کا ٹوٹھڑا ہے جس میں پورے بدن کی زندگی سوئی گئی ہے۔ یہیں سے زندگی کی شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر پورے بدن میں پہنچتی ہیں۔ طب میں اس کے بس ایک ہی معنی ہیں ادب عربی میں یہ احساس کا محل ہے، یہ حواسِ خمسہ کے علاوہ ایک چھٹی حس ہے جس پر خوشی اور غمی کی لہریں اترتی ہیں۔
کعب بن زہیر کہتا ہے:-

بانث سعاد و قلبی الیوم مبتول

متیم اثرها لم یفقد مکتبول

قرآن کریم نے قلب کو اس پرانے معنی پر محدود نہیں رکھا، اسے دماغ کی طرح حواسِ خمسہ کا محل و محیط بتایا ہے۔ جس طرح سر میں آنکھیں ہیں جن میں بینائی نہ ہونے سے انسان اندھا ہوتا ہے اسی طرح اس (دل کے) محلِ حواس کی بھی آنکھیں بتائیں ہیں جن کے بند ہونے سے انسان باطنی جہت سے نابینا (اندھا) ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے قلب کو یہ ایک نئے معنی دیئے ہیں۔ قرآن کریم میں ظاہر اور باطن کا یہ تقابل دیکھئے اس میں بہت کچھ سمجھایا گیا ہے:

وما یستوی الاعمی والبصیر (۱) ولا الظلمت ولا النور (۲)

ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات

(پ ۲۲، فاطر ۲۲)

ترجمہ: اور اندھا اور دیکھتا ہوا برابر نہیں اور اندھیرا اور اجالا برابر نہیں۔

اور سایہ اور لو برابر نہیں۔ اور زندے اور مردے برابر نہیں۔

اسی طرح انسان میں دل کے کان بھی ہیں وہ کام نہ کریں تو ان ظاہری کانوں سے سننا اس کو نفع نہیں دیتا۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن کے یہ ظاہری کان بالکل درست تھے مگر ان کے دل کے کان درست نہ تھے، ان کے ہارے میں فرمایا ان کے دل اندھے ہو چکے ہیں۔

لا تعمی الابصار ولكن تعمی القلوب الّتی فی الصدور

(پ ۱۷، الحج ۳۶)

ترجمہ: آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں لیکن دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جاتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ دل کی ایک اپنی پوری دنیا ہے، تصوف کے جملہ مباحث کا مرکز دل ہے اس پر غفلت کے دبیز پردے پڑے ہوں تو نبوت کی زبان سے نکلے بات بھی وہاں نہیں پہنچتی، اس کے لیے تزکیہ کی پوری محنت درکار ہے، یہ بھی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ذمہ لگائی اور آپ نے ایک ایسی جماعت تیار کر دی جن کے دل تزکیہ کی نعمت پا گئے اور پھر وہ ہر آزمائش میں پورے اترے، ورنہ گوشت کا لوتھڑا (دل) تو ہر ایک کے پاس ہوتا ہے پھر یہ کیوں کہا گیا۔

ان فی ذلک لذكری لمن كان له قلب او القی السمع وهو

شہید (پ ۲۶، ق ۳۷)

ترجمہ: بے شک اس میں سوچنے کی جگہ ہے اس کے لیے جس کا دل ہو یا وہ دھرنے کاں اور وہ پوری حاضری دے۔

یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم وعلّمہم الكتاب والحکمة

(پ ۴، آل عمران ۱۶۴)

یہ تزکیہ قلب کی محنت شروع سے نبوت کی عملی قوت رہی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کے بعد جب حضورؐ کی بعثت کے لیے دعا کی تو اس میں یہ عرض بھی کی کہ وہ پیغمبران کے دلوں کا تزکیہ کرے معلوم ہوا کہ اس وقت بھی یہ بات نمایاں تھی کہ خدا کے پیغمبر ہوں گا ایک عمل دلوں پر محنت کرنے کا بھی ہے۔ حضرت ابراہیم کی وہ دعا (پارہ ۱۱ البقرہ ۱۲۹) میں موجود ہے۔

قرآن پاک نے قلب کو جو یہ نئے معنی دیئے اسی جہت سے اس نے دلوں پر غفلت

کے زنگ لگنے کی بھی خبر دی ہے۔ انسانی بدن کو چیر کر دیکھیں تو آپ کو دل کے گرد یہ زنگ کبھی نظر نہ آئے گا لیکن قرآن کریم کی اس تصریح سے کسی مومن سے اس کے انکار کی امید نہیں کی جاسکتی۔

کلاب ران علی قلوبہم (پ ۳۰، المطففین)

ترجمہ: خبردار ان کے دلوں پر زنگ آچکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک ظاہر کے ساتھ ساتھ ایک باطن کی بھی خبر دے رہا ہے۔ حضورؐ نے بھی ہر آیت میں ایک ظاہر کے ساتھ ایک باطن کی خبر دی ہے اس سے راہ سلوک کے مسافروں کو قلب کے ساتھ کچھ اور لطائف کا بھی پتہ ملا ہے، اس میں قرآن و حدیث کی کوئی آیت کہیں ان کے انکار پر مجبور نہیں کرتی۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

ابھی عشق کے امتحاں اور بھی

قلب کے گرد لطائف تہ جو قرآن پاک سے کھلتے ہیں، اہل سلوک کے ہاں تعلق باللہ

کے یہ چھ مقام ہیں:

۱ روح. ۲ میر. ۳ خفی. ۴ اخفی. ۵ نفس. ۶ قلب.

۱۔ روح

اس حقیقت کو دل میں بٹھانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ ہم

کیا کر رہے ہیں۔

الم يعلم بان اللہ یروی (پ ۳۰، المعلق ۱۳)

واللہ يعلم ماتصنعون (پ ۲۱، الحکبوت ۴۵)

۲۔ میر

اس حقیقت کو دل میں جگہ دینا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ساتھ ہیں، ہم جہاں بھی ہوں

ہر عمل کو وہ دیکھ رہے ہیں:

وهو معکم اینما کنتم واللہ بما تعملون بصیر (پ ۲۷، اللہ یٰ۲۷)

۳۔ خفی

اپنی بھی کوئی چیز ہمارے اتنا قریب نہیں جتنا اللہ رب العزت ہمارے قریب ہیں۔

نحن العرب اليه من جبل الوريد (پ ۲۶، ق ۱۵)
ترجمہ: ہم اس کے شاہِ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

۳۔ اخفی

جتنی حقیقتیں چھپی رہ سکتی ہیں ان میں سب سے زیادہ اعلیٰ وہ ایک ازلی ابدی

ذات ہے۔

۱۔ هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بكل شئ عليم

(پ ۲۷، الحدید ۳)

ترجمہ: وہی ہے اول، وہی ہے آخر، وہی ہے ظاہر، وہی ہے باطن اور وہ
ہر چیز کو اس کے ہر پہلو سے سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔

۵۔ نفس

اے اپنے آپ میں دیکھ پانا۔ ”من عرف نفسه فقد عرف ربه“۔ اس کے

لیے انتہائی تیز نگاہ مطلوب ہے۔

۱۔ وفي انفسكم اللاتبصرون (پ ۲۶، الذاریات ۲۱)

ترجمہ: اور خود تمہارے اندر نشانیاں ہیں سو کیا تم کو سوجھتا نہیں۔

۲۔ ليس كمثلہ شیء وهو السميع البصير (پ ۲۵، الشوریٰ ۱۱)

ترجمہ: نہیں ہے اس کی طرح کا کوئی اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

۳۔ سنرہم اياتنا فی الالاق وفي انفسهم حتى يتبين لهم انه

الحق (پ ۲۵، ہم السجدہ ۵۳)

ترجمہ: اب ہم دکھا دیں گے ان کو اپنے نمونے آفاق میں اور خود ان

کے نفوس میں یہاں تک کہ ان پر کھل جائے کہ یہ ٹھیک ہے۔

اے انفس و آفاق میں پیدا تری آیات

۶۔ قلب

زمین و آسمان میں صرف وہی دکھائی دے۔ انسان کے سمع و بصر میں یہ انقلاب

قلب کہلاتا ہے۔

۱۔ اللہ نور السموات والارض (پ ۱۸، الور ۳۵)
 ۲۔ فانما تولوا فم وجه اللہ ان اللہ واسع علم

(پ ۱، البقرہ ۱۱۵)

۳۔ واللہ من ورائہم محیط (پ ۳۰، البروج ۲۰)
 ۴۔ ان اللہ کان علی کل شیء شہیداً (پ ۵، النساء ۳۳)
 ۵۔ ان اللہ کان علیکم رقیباً (پ ۲، النساء ۱)
 ۶۔ کنت انت الرقیب علیہم وانت علی کل شیء شہید

(پ المائدہ ۱۱۷)

۷۔ لا تدرکہ الابصار و هو یدرک الابصار و هو الطیف
 الخبیر (پ ۷، الانعام ۱۰۳)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ اسے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بس اپنے آپ کو
 بالکل فنا میں لے آئے:

ربی جب تک خودی اس کو نہ پایا
 جب اس کو ڈھونڈ پایا خود عدم تھے
 حقیقت تھی تمہاری کیا میاں آہ
 یہ سب امداد کے لطف و کرم تھے

شیخ کامل کی تربیت میں یہ لطائف ستہ ایک ایک کر کے کھلتے ہیں پھر جب لطیفہ
 قلب کھلے تو دل جاگ اٹھتا ہے، انسان نیند میں بھی ہو تو دل جاگتا ہے۔ حکیم سید دائم علی
 (۱۳۲۵ھ) جب حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے ملنے دیوبند گئے تو دیکھا مولانا مسجد کی چھت
 پہ سو رہے ہیں اور اس حال میں بھی ان کا دل ذکر کر رہا تھا، آپ کے صاحب زادہ مولانا
 برکات احمد بھی ساتھ تھے انہوں نے یہ واقعہ اپنے بیٹے حکیم محمود احمد برکاتی کو سنایا۔ مولانا محمود
 احمد برکاتی اپنے والد ماجد مولانا سید برکات احمد سے نقل کرتے ہیں:-

والد ماجد مولانا محمد قاسم کے خواجہ تاش تھے ایک بار مجھے ان سے ملانے
 کے لیے دیوبند لے گئے جب ہم پہنچے تو مولانا چھتہ کی مسجد میں
 سو رہے تھے مگر اس حالت میں بھی ان کا قلب ذکر تھا، اور ذکر بھی

بالجبر کر رہا تھا۔ (سید برکات احمد ص ۱۸۵ برکات اکیڈمی کراچی)
یہ دل کی دستیں ہیں ان کے ساتھ یہ بھی جان لیجیے کہ دل و دماغ کی یہ جولان گاہ
اپنی اپنی ہے۔

دل و دماغ کی اپنی اپنی جولان گاہ

دل و دماغ کا اپنا اپنا میدان ہے دماغ علم کا خزانہ ہے اطلاعات کا مرکز ہے اس
میں معلومات ترتیب پاتی ہیں یہ انسانی سوچ کا کارخانہ ہے، احساس کی دنیا اس سے بالکل جدا
ہے۔ دل میں احساسات ابھرتے ہیں سکون وطمینیت اس پر ہی اترتے ہیں، خوشیوں اور
غمیوں کی آماج گاہ یہی ہے۔ دماغ جھوٹ کے لیے راہیں تو ہموار کرتا ہے لیکن جھوٹ نہیں
بول سکتا، کوئی شخص اپنے دماغ میں دو اور دو پانچ کو جگہ نہیں دے سکتا۔ سچ اور جھوٹ کی بنیادیں
دل سے چلتی ہیں کفر اور ایمان دلوں پر اترتے ہیں اور نفاق کا لاوا بھی دلوں میں ہی پکتا ہے۔

حضرت جبریلؑ حضورؐ کے دل پر اترتے تھے

جب حضرت جبریلؑ انسانی شکل میں حضورؐ کے پاس حاضر نہ ہوتے تو ایسا ہوتا کہ
آپ حضورؐ کے دل پر اترتے اور القاء وحی کرتے۔

نزل به الروح الامين على قلبك لتكون من المنذرين

(پ ۱۹، اشعراء ۱۹۴)

ترجمہ: اترتا ہے اسے لے کر روح الامین تمہارے دل پر کہ آپ ہوں

ڈرستانے والوں میں۔

ایمان کا محل بھی قلب ہی ٹھہرا

قل لم تؤمنوا ولكن قولوا أسلمنا ولما يدخل الإيمان في

قلوبكم (پ ۲۶، الحجرات ۱۴)

ترجمہ: آپ کہہ دیں تم ایمان نہیں لائے بن اتنا کہو ہم مسلمان ہو گئے

اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

جو لوگ کافر ہوئے یہاں تک کہ انہیں خدا کی پکڑ سے ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہو گیا تو

ان کے بارے میں فرمایا:

نعم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم
غشاوة. (پ، البقرة)

ترجمہ: اللہ نے مہر کر دی ان کے دلوں پر اور ان کے سننے پر اور ان کی
آنکھوں پر پردے آگئے۔

سو کفر و ایمان دونوں کا تعلق دل سے ہے اور علم و جہل کا تعلق دماغ سے ہے۔
دماغ ٹیل ہو جائے تو انسان زندہ رہ سکتا ہے، اور دل ٹیل ہو جائے تو انسان زندہ نہیں رہ پاتا۔

زندگی دل کی حرکت کا ہی نام ہے

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو مبعوث فرمایا تو آپ کے ذمہ کیا کہ لوگوں کے دلوں
پر محنت کریں اور ان کے دماغوں پر بھی۔ دلوں پر محنت ان کا تزکیہ ہے اور دماغوں پر محنت انہیں
کتاب و سنت کی تعلیم دینا ہے۔

ويزكهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي

ضلال مبين (پ، آل عمران ۱۶۳)

ترجمہ: اور انہیں پاکیزگی میں ڈھالیں اور انہیں کتاب و سنت کی تعلیم
دیں بے شک اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے۔

سو اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ قرآن کریم میں جس طرح علم پر زور دیا گیا
ہے، دلوں کے تزکیہ پر بھی اتنا ہی زور دیا گیا ہے۔ تقویٰ کی دولت اسی راہ سے حاصل ہوتی ہے،
اور بندے کا تعلق خدا سے اسی کے ذریعے نسبت پاتا ہے۔ سواب شریعت کی ذمہ داریاں قبول
کرنا اور طریقت سے بے پرواہی بلکہ انکار، یہ کسی طرح قرآن کے طالب علموں کو زیبا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے بعد ولایت کی کھڑکی کھلی رکھی

نبوت کے ذمہ تعلیم و تزکیہ دو اہم کام تھے، حضور اکرم ﷺ نے اپنی امت کے علماء
کو انبیاء کا وارث بتایا اور اس امت کے مشائخ کو علم لدنی کی روشنی بخشی۔ علم لدنی کیا ہے؟ وہی
جو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کو دیا تھا۔ وعلماہ من لدنا علما (پ، الکہف ۶۵) حضرت
موسیٰ علیہ السلام اس کی تاب نہ لاسکے تھے تاہم حضرت خضر نے پھر وہ تینوں راز حضرت موسیٰ
علیہ السلام پر کھول دیئے تھے۔ حقائق کتنے گہرے کیوں نہ ہوں، آخر کھل کے رہتے ہیں۔

سو جس طرح وحی نبوت دل پر اترتی ہے، وحی ولایت بھی دل پر اترتی ہے۔ وحی ولایت وحی نبوت کا ہی ایک پرتو ہے، ہاں جس طرح جموٹی نبوت دماغ سے ابھرتی ہے جموٹی ولایت بھی دماغ سے ہی تدبیریں پاتی ہے۔ یہ دماغ ہے جو ان بہرہ و پیوں کو طرح طرح کی باتیں بھاتا ہے۔ آج کتنے ہی ملنگ اور جموٹے پیر ہیں جو اپنی قوت دماغ سے اپنے اپنے دائرہ میں لوگوں کو بے وقوف بنائے بیٹھے ہیں اور دھوکے کی کانیں ان کی دوکانیں ہیں۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

دماغوں سے علوم کا فیض مجتہدین کے ذریعہ آتا ہے اولیاء سے نہیں، اولیاء کرام دل کی بستوں کو آباد کرتے ہیں۔ اس پر یہ نہ سمجھا جائے کہ مجتہدین اولیاء نہیں ہوئے بات صرف اتنی ہے کہ یہ لائن ان کی زندگیوں کا موضوع نہیں ہوتی، وہ تزکیہ کی دولت بے شک پا چکے ہیں، اللہ تعالیٰ فقیہ اسے ہی کرتے ہیں جس سے وہ خیر کا ارادہ کر لیں اور پھر خیر ان سے برستا ہے۔

تزکیہ کا مورد دل ہے اور ذکر سے دلوں کا رنگ دھلتا ہے

قرآن کریم نے محنت اخلاق کی نسبت دل کی طرف کی ہے، اور دلوں کو ہی بصیرت کی چٹی جولان گاہ بتایا ہے۔

خوف خدا کا مورد بھی دل ہی ہیں بصارت اور بصیرت دونوں کی اصلاح ہو تو اسے تزکیہ کہتے ہیں۔

اولئك الذين امتحن الله قلوبهم للتقوى

(پ ۲۶، الحجرات ۳)

لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التي فى الصدور

(پ ۱۷، الحج ۳۶)

الم يان للذين امنوا ان تخشع قلوبهم لذكر الله

(پ ۲۷، الحديد ۱۶)

و اذا ذكر الله وجلت قلوبهم (پ ۱۰، الانفال)

تطمئن القلوب (پ ۱۳، الرعد ۲۸)

لويل للقاسية قلوبهم (پ ۳۲، الزمر ۲۲)

یہ آیات پتہ دیتی ہیں کہ تزکیہ کی محنت دلوں پر ڈالی جاتی ہے انہیں تقویٰ کا مصلح نہ ملے تو یہ ماؤف ہو جاتے ہیں، ثم قست قلوبہم (پ، البقرہ ۷۵) اور بل دان علی قلوبہم (پ ۳۰ المطفین) سے اس کی شہادت ملتی ہے تاہم اللہ تعالیٰ نے اس کا بھی علاج پیدا کیا ہے اور وہ اللہ کا ذکر ہے، ذکر سے دلوں کو زندگی ملتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان القلوب تورین کما یورین الحدید

ترجمہ: دلوں کو بھی زنگ لگتا ہے جیسا کہ لوہے کو زنگ لگتا ہے، خبردار رہو! اس کا علاج اللہ کا ذکر ہے۔

تزکیہ کے لیے خلوت گزینی

جب آنحضرت ﷺ پر قرآن اترنے کے دن قریب آرہے تھے آپ کو عام انسانی سوسائٹی سے وحشت ہوتی تھی، فضا میں لوگوں کے گناہوں کی کلمت آسمان سے اترنے والے نور کی راہ میں حائل تھی اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں تنہائی کی محبت ڈال دی اور آپ نے غار حرا میں ڈیرہ ڈال دیا۔ خدا کی طرف کامل دھیان رکھنے کی یہ پہلی خانقاہ تھی جہاں حضرت جبریل نے حضور کو اپنی چھاتی سے لگا کر انوار ملکیتی پیکر خاکی میں اتار دیئے اور اس سے آپ وحی الہی کا تحمل کر پائے جو وہاں آپ پر اتری۔

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لیے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے یا بن

خانقاہوں کے اور ادا و ذکار صحابہؓ کے دور میں بھی تھے

تزکیہ قلب کی باطنی کوششیں زیادہ باطن کے پیرایہ میں ہی چلی ہیں۔ یہ قانون کے پیرایہ میں نہیں چلیں یہ ایک راہ کے پیرایہ میں ساتھ ساتھ چلی ہیں۔ قانون شریعت کے پیرایہ میں آتا ہے اور راہیں طریقت سے کھلتی ہیں۔ طریق عربی میں راہ کو کہتے ہیں، راہ سلوک کے مسافروں میں کچھ ایسی شخصیتیں بھی گزری ہیں جو احسان و سلوک کے ساتھ ساتھ حدیث و فقہ کے بھی جہاں علم تھے، ان میں حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) اور مولانا خرم علی بلہوریؒ (۱۲۷۳ھ) وہ حضرات ہیں جن کی الہمدیث (باصلاح جدید) کے ہاں بھی بڑی قدر ہے مولانا خرم علی کی کتاب ”نصیحۃ المسلمین“ کے مقدمہ میں انہیں راہ توحید کا نمازی اور

حضرت سید احمد شہیدؒ کی فوج کا صاحب حال و قال سپاہی لکھا گیا ہے۔ ان مولانا خرم علی نے شاہ صاحب کی کتاب ”القول الجلیل“ کا اردو ترجمہ کیا ہے اس کے شروع میں مولانا خرم علی بلہوری لکھتے ہیں:-

بعض نادان کہتے ہیں کہ قادر یہ چشتیہ اور نقشبندیہ کے اشغال مخصوصہ صحابہؓ اور تابعین کے زمانے میں نہ تھے تو بدعت سیئہ ہوئے..... خلاصہ جواب یہ ہے کہ جس امر کے واسطے اولیائے طریقت نے یہ اشغال مقرر کئے ہیں وہ امر زمان رسالت سے اب تک برابر چلا آیا ہے گو طرق اس کی تحصیل کے مختلف ہیں تو فی الواقع اولیائے طریقت مجتہدین شریعت کی مانند ہوئے۔“

مجتہدین شریعت نے استنباط احکام اور ظاہر شریعت کے اصول ٹھہرائے اور اولیاء طریقت نے باطن شریعت کی تحصیل کے، جس کو طریقت کہتے ہیں، قواعد مقرر فرمائے تو یہاں بدعت سیئہ کا گمان سراسر غلط ہے۔ ہاں البتہ یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ کو بسبب صفائے طبیعت اور حضور خورشید رسالت کے تحصیل نسبت میں ایسے اشغال کی حاجت نہ تھی اور اہل عجم اور بافضل عرب بھی اس کے محتاج ہیں۔ واللہ اعلم۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجلیل ۱۱۸)

مولانا خرم علی کے اس شعر کو غیر مقلدین ہمیشہ اپنی حمایت قرار دیتے آئے ہیں اور مولانا مرحوم سلوک کی وادیوں میں بھی برابر گھوم رہے ہیں۔ سوان کی اس تاویل کو وہ کچھ تو پذیرائی دیں:

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار

مت دیکھ کسی کا قول و کردار (ایضاً ۸۳)

کیا حدیث کی کتابوں میں اذکار و ادعیہ کے ابواب نہیں کیا ان میں زہد و فقر کی روایات نہیں۔ کیا قرون وسطیٰ میں محدث کبیر اور فقیہ جلیل امام نوویؒ (۶۷۶ھ) نے ”کتاب الاذکار“ اور ”ریاض الصالحین“ لکھ کر دلوں کو زندہ کرنے اور زندہ رکھنے کے اسباق مہیا نہیں کئے؟ کتب حدیث تو اپنی جگہ رہیں خود قرآن پاک میں بھی احکام کی آیات کے بالمقابل

اصلاح کی آیات کہیں زیادہ ہیں یہاں تک کہ کہا جاسکتا ہے کہ تصوف سلوک و عرفان پر سب سے بڑی کتاب خود قرآن کریم ہی ہے۔

دین کا درجہ کمال سلوک و احسان کی راہ میں

حضرت جبریل آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور حضورؐ سے چند سوالات کئے:

۱۔ ایمان کیا ہے، ۲۔ اسلام کیا ہے، ۳۔ احسان کیا ہے۔ حضورؐ نے ان کے جوابات ارشاد فرمائے۔ یہ حدیث تمام احادیث کی ماں سمجھی جاتی ہے اور ہمیں سے اسلامی علوم کے سوتے ہر سو پھولے ہیں اور ہمیں سے علوم اسلامی کے دریا شریعت اور طریقت کے دو کناروں میں چلے ہیں۔ حضورؐ نے صحابہؓ کو بتایا کہ یہ جبریل تھے جو اس لیے آئے کہ تمہیں تمہارے دین کی بنیادیں بتادیں۔ آپؐ نے ایمان اور اسلام ہر ایک کے بارے میں چند باتیں بتادیں لیکن احسان کے بارے میں ایک بات ہی دو پہلوؤں سے کہی کہ مومن کا دھیان اللہ پر لگ جائے۔ معلوم ہوا صحیح عقائد (جو ایمان کا تقاضا ہیں) اور صحیح اعمال (جو اسلام کا تقاضا ہے) کے بعد آخری منزل سلوک و احسان کی وادی میں چلے آنا ہے کہ اب اس کا دھیان ہر وقت اللہ پر لگا رہے یہ نہیں تو اتنی بات ضرور ہے کہ وہ اس حال میں آجائے کہ سبجے خدا سے ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

جو لوگ صرف شریعت کا اقرار کرتے ہیں اور طریقت کو نہیں مانتے وہ ایمان و اسلام کے بعد بیان ہوئی نسبت احسانی کا انکار کرتے ہیں جو ایک حصہ دین کا انکار ہے تصوف اس نسبت احسانی کا ہی دوسرا نام ہے۔ طریقت شریعت کا غیر نہیں لیکن اس کا عین بھی نہیں۔ ورنہ حضرت جبریل کو ایمان و اسلام کے بعد اس تیسرے سوال کی کیا ضرورت تھی کہ احسان کیا ہے؟ آپؐ نے اس کے جواب میں ایک بات کہی اور یہ وہ بات ہے جس سے مومن اسلام کے درجہ کمال میں آجاتا ہے۔

نیک صحبت میں آنا اور بری صحبت سے بچنا

تزکیہ کا پہلا سبق نیک صحبت میں آنے اور بری صحبت سے بچنے میں مضمر ہے۔ تصوف کا پہلا سبق یہیں سے چلتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ حجاج تفصیل نہیں کہ انسان پر صحبت کے اثرات ہوتے ہیں اچھے بھی اور برے بھی۔ آنحضرتؐ نے صحابہؓ کے تزکیہ کے لیے انہیں اپنی صحبت کا شرف بخشا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہیں صحبت پیغمبرؐ کے آداب سکھائے اور

حضور ﷺ کو بھی انہی کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا تا کہ ان کے حقوق میں کمی نہ آنے پائے۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي

يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم (پ ۱۵، الکہف ۲۸)

ترجمہ: اور اپنے آپ کو انہی کے ساتھ رکھ جو دن رات اپنے خدا کو

پکارتے ہیں وہ چاہتے ہیں اس کا رخ اور تیری دونوں آنکھیں ان سے

پھرنے نہ پائیں۔

اس میں بتلایا گیا کہ آپ کا ان کو اپنی صحبت میں لینا اس طور ہے کہ صبح و شام اللہ کا

ذکر ان کی زبانوں پر ہے۔

آپ کی صحبت اور دن رات کے ذکر سے وہ کہاں تک پہنچے؟ یہ وہ مقام (صحابیت)

ہے کہ آئندہ آنے والے بڑے سے بڑے علماء اور اولیاء کیوں نہ ہوں وہ اس مقام کو کبھی نہ

پاسکیں گے جو ان کو آپ کی نظر کرم سے ملا۔ جس پر ایک دفعہ بحالت ایمان حضور ﷺ کی نظر

پڑ گئی وہ اس مقام کو پا گیا۔ اس نگاہ میں کیا تاثیر تھی کہ جس پر پڑ گئی اس کے دل کا سب میل

کچیل دھل گیا۔ یہ وہ مقام ہے جسے امام ابو حنیفہ اور امام مالک جیسے علماء کبار اور جنید و بایزید

جیسے اولیاء کرام بھی نہ پاسکے۔ حضرت بلالؓ ان سب سے اس لیے بڑھ گئے کہ ان کی آنکھوں

پر آپ کی چشم مبارک کا جلوہ اتر ا تھا۔

اسلام نے شرف صحبت کو ایک اساسی درجہ دیا ہے

انبیاء و مرسلین کے اپنے اپنے مدارج ہیں، صدیقین و شہداء کے بھی اپنے مدارج

ہیں، فقہاء و مجتہدین کے بھی اپنے مدارج ہیں، صالحین امت اور اولیاء کرام کے بھی اپنے اپنے

مقامات ولایت ہیں، اسی طرح اسلام میں صحابیت کا ایک اپنا مقام ہے۔ صحابی ایک جو بھی اللہ

کی راہ میں دے تو واحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرنے والا بھی اس کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا۔

صحابہ کے اس درجہ کے اس امت کے تمام اکابر اور علماء متفق ہیں اسلامی عقائد کی

کتابوں میں یہ بات جگہ پائی کہ کوئی غیر صحابی کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تاہم اس

سے ایک اصل بھی قائم ہو گئی کہ اس امت کے صالحین بھی عام لوگوں کو اپنے حلقہ صحبت میں

لیں۔ وہاں نگاہ مصطفیٰ ﷺ کی تیزی انہیں ایک قطعی مقام دے گئی اور یہاں صالحین کی نظر میں

وہ تیزی نہیں کہ ان کی نیک مجالس پانے والوں کو کوئی قطعی درجہ تفصیل ملے، تاہم اللہ والوں کی نیک مجالس اس سلسلہ میں آنے والوں کو کچھ اثر ضرور دیتی ہیں اور اس امت کی تاریخ جس طرح علماء کرام کی علمی محنتوں سے روشن رہی اولیاء کرام اور صوفیہ عظام بھی جہاں جہاں جا پہنچے اپنے اپنے فیضِ صحبت سے لوگوں کے دلوں میں ایمان کا نور اتارتے رہے اور مریدین کے دل دھوتے رہے۔ ایسے اہل ولایت کے تذکروں اور اور ان کے پند و نصائح سے بھی ہماری تاریخ مالا مال ہے۔ انشاء اللہ العزیز ہم آگے ان میں سے کچھ حضرات کے تاریخی تذکرے بھی آپ کے سامنے لائیں گے۔

اسلام میں بہترین دور کون سے رہے؟ صحابہؓ سے ولایت پانے والے تابعین کے یا ان سے نسبت ولایت پانے والے تبع تابعین کے۔ خیر القرون قرنی کی بشارت اپنی جگہ تاہم ثم الذین یلونہم میں ان کی فضیلت ہے جو ان سے ملے اور پھر ان کی جو ان سے ملے۔ اسلام میں ان نسبتوں کی فضیلت تو ہے لیکن قانون میں انہیں کوئی قطعی درجہ نہیں دیا گیا۔ غیر منصوص مسائل میں مجتہدین سے مسائل تو لئے گئے مگر صوفیہ کرام کے قول سے اسلام میں کہیں سند نہیں لی گئی، نہ اسلام میں الہام کو شریعت کی سند مانا گیا ہے۔ طریقت میں بے شک اس راہ کے مسافر کشف و الہام سے بھی رہنمائی لیتے رہے ہیں بشرطیکہ ان میں سے کوئی بات شریعت کو عبور نہ کرتی ہو نہ اس سے ٹکراتی ہو۔

مقام احسان میں پہلا مقام اپنے دھیان کو خدا پر لگانا ہے خدا پر دھیان کس طرح لگے اس کے لیے صفات باری پر صحیح عقیدت کی ضرورت ہے بہترین صورت تفویض ہے تاویل بھی کسی حد تک گوارا ہے لیکن انکار صفات یقیناً اہل حق کی راہ نہیں۔

تزکیہ قلب کی ضرورت قرآن کریم کی رو سے

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى! اما بعد!

اللہ رب العزت کے کائنات میں ان گنت مظاہر قدرت ہیں تاہم محسوسات میں سورج اور چاند، روشنی اور اندھیرا، دھوپ اور چھاؤں، آسمان اور زمین، آسمانوں کی عظمت اور زمین کا پھیلاؤ اور باطنی امور میں نفس انسانی، اس کے حواس ظاہری اور باطنی، اس کی قوائے طبعیہ، حیوانیہ اور نفسانیہ اور اس کی نیکی اور بدی کے رستوں پر چلنے کی استعداد..... وہ عجائب قدرت ہیں کہ کوئی ان کا احاطہ نہیں کر سکتا انسان اور جن و ملک سب ان عجائب قدرت کے ادراک سے عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام مظاہر قدرت اور عجائب قدرت کا مظہر کامل اس نفس انسانی کو بنایا جو ان تمام تنگ و تاریک راہوں سے گزر کر تزکیہ کی دولت پالے اور جو اسے کھو دے اسے بڑا خائب و خاسر بتلایا۔

قرآن کریم نے ان دس مظاہر قدرت کو سورہ الفس کی اس آیت میں اس طرح جوڑا اور جواب قسم میں کہا۔ وہ دس قسمیں ملاحظہ کیجئے:-

والشمس وضحاها O والقمر اذا تلبها O والنهار اذا جلتها O
والليل اذا يغشاها O والسماء وما بنها O والارض وما
طلعتها O

ترجمہ: قسم سورج کی اور اس کے دھوپ چڑھنے کی۔ اور چاند کی جب آئے سورج کے پیچھے۔ اور دن کی جب اُس کو روشن کر لے اور رات کی جب اُس کو ڈھانک لیوے۔ اور آسمان کی جیسا کہ اس کو بنایا اور زمین کی جیسا کہ اُس کو پھیلا یا۔

اللہ تعالیٰ نے ان عجائب قدرت کو بھی اپنے ان مظاہر قدرت کے ساتھ جوڑا اور ان

کی قسم کھائی ہے۔

ونفس وما سواها ﴿۱﴾ لآلھمھا فجورھا وتقواھا ﴿۲﴾
ترجمہ: اور جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا۔ پھر سمجھ دی اُس کو ڈھٹائی
کی اور بیچ کر چلنے کی۔

اور ان سب کے جواب قسم میں فرمایا:۔

قد اطلع من ذکھا و قد خاب من دثھا (پ ۳۰، والشمس)
ترجمہ: تحقیق مراد کو پہنچا جس نے اس کو سنوار لیا۔ اور نامراد ہوا جس
نے اس کو خاک میں ملا چھوڑا۔

بارہ قسموں کے بعد لآلھمھا فجورھا وتقواھا کی خریدی اس الھام الہی میں عقل
سلیم، فطرت صحیحہ، پیغمبروں کے ذریعہ بدی اور پرہیزگاری کی تفصیلات سب اس میں داخل ہیں
جس نے اس الھام الہی سے قائمہ اٹھایا اس نے تزکیہ نفس کی دولت پالی اور جس نے ان تمام
مظاہر قدرت اور عجائب قدرت سے بے پرواہی برتی اس نے اس الھام الہی کو خاک میں ملا دیا۔
اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی مضمون پر اتنی قسمیں نہیں کھائیں جتنی اس نے تزکیہ
قلب کی ضرورت پر کھائی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کل کارخانہ کائنات کا حاصل یہی ہے کہ
انسان ان پر غور کرتے اور پیغمبروں کی راہ پر چلے اپنے نفس کی اصلاح کر لے اگر یہ نہیں تو اس کے
لیے یہ کل کارخانہ حیات بے کار رہا یا اس نے ان تمام مظاہر قدرت اور عجائب قدرت کو بے کار
بنادیا۔ اعاذنا اللہ منها۔ شیخ الاسلام اس الھام الہی کی تفصیل اس طرح کرتے ہیں:

یعنی اول تو ایمانی طور پر عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے ذریعہ سے بھلائی
اور برائی میں فرق کرنے کی سمجھ دی پھر تفصیلی طور پر انبیاء و رسل کی
زبانی کھول کھول کر بتا دیا کہ یہ رستہ بدی کا ہے اور یہ پرہیزگاری کا
ہے اس کے بعد قلب میں جو نیکی کا رجحان یا بدی کی طرف میلان ہو
ان دونوں کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے گو القاء اول میں فرشتہ واسطہ ہوتا
ہے اور ثانی میں شیطان۔ پھر وہ رجحان و میلان بھی کبھی بندہ کے قصد و
اختیار سے مرتبہ عزم تک پہنچ کر صدور فعل کا ذریعہ بن جاتا ہے جس کا
خالق اللہ اور کاسب بندہ ہوتا ہے اسی کسب خیر اور شر پر مجازات کا

سلسلہ بطریق تسبیح قائم ہے (فوائد القرآن ص: ۷۷۷)

نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا کیا ہے؟

تزکیہ نفس کیا ہے؟ اور قد الملح من زنگھا کی بشارت کس کے لائق ہے، کون اس

کا مصداق ہے؟ شیخ الاسلام ان مختصر الفاظ میں اس کا پتہ دیتے ہیں:

نفس کا سنوارنا اور پاک کرنا یہ ہے کہ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ کو عقل کے

تابع کرے اور عقل کو شریعت الہیہ کا تابع بنا دے تاکہ روح اور قلب دونوں تجلی الہی کی روشنی

سے منور ہو جائیں۔

کوئی دوسرا عمل ایسا نہیں ملتا جس پر اللہ رب العزت نے بارہ قسمیں کھائی ہوں

سوائے اس کے کہ جس طرح بھی بن پڑے انسان اپنے دل کا تزکیہ کرائے، اپنے دل کی

بیماریوں کو دور کرے اور اپنے دل کو اس قابل بنالے کہ اس میں تجلی الہی اتر سکے۔ اور جو شخص

اپنے نفس کی باگ یکسر شہوت و غضب کے ہاتھ میں دے دے اور عقل و شرع سے کچھ سروکار

نہ رکھے اس سے زیادہ نامراد انسان کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ کائنات کی یہ بے لاگ شہادتیں (جن

کی خدانے قسم کھائی ہے) بتا رہی ہیں کہ انسان ہی ہے جو ان سب میں اشرف ہے اور اس کا

شرف یہی ہے کہ وہ اپنی قوت شہویہ اور غضبیہ کو اپنی عقل کے تابع اور اپنی عقل کو وحی کے

تابع کر لے۔ شیخ الاسلام لکھتے ہیں:-

قد الملح من زنگھا وقد خاب من دشھا جواب قسم ہے اور اس کو

مناسبت ان قسموں سے یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت

سے سورج کی دھوپ اور چاند کی چاندنی، دن کا اجالا اور رات کا

اندھیرا، آسمان کی بلندی اور زمین کی پستی کو ایک دوسرے کے مقابل

پیدا کیا اور نفس انسانی میں خیر و شر کی متقابل قوتیں رکھیں اور دونوں کو

سمجھنے اور ان پر چلنے کی قدرت دی اسی طرح متضاد و مختلف اعمال پر

مختلف ثمرات و نتائج مرتب کرنا بھی اس حکیم مطلق کا کام ہے۔ خیر اور

شر اور ان دونوں کے مختلف آثار و نتائج کا عالم میں پایا جانا بھی حکمت

تخلیق کے اعتبار سے ایسا ہی موزوں و مناسب ہے جیسے اندھیرے اور

اجالے کا وجود۔ (فوائد ص: ۷۷۷)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس مضمون کو بارہ قسموں سے شہادت بخشی ہے کہ دنیا میں سب سے بڑا اور اہم کام یہی ہے کہ انسان اپنے دل کا تزکیہ کرے تاکہ اس میں انوار الہی اتریں اور پھر ہر طرف ان کی روشنی پھیلے۔ بقول کعب بن زبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی صفت نور سے ہر طرف ضیاء باری مکرتے تھے لیکن اس سے مستفید و مستفیض وہی ہوئے جنہوں نے اپنے دلوں کا دھیان کیا اور یہی جسد میں ایک ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے جس کی صلاح پر سارا جسد خاکی صلاح کی سعادت پاتا ہے۔

ان الرسول لنور يستضاء به
مہند من سیوف اللہ مسلول

پیغمبروں کی سیرت کا اجتماعی کارنامہ

تزکیہ کل بنی آدم کے لیے پیغمبروں کی برات رہی ہے پیغمبروں کی تعلیمات اور شرائع بے شک مختلف رہیں لیکن ان کے اخلاق فاضلہ اور دلوں کے اعمال ہمیشہ ایک سے رہے ہیں۔ تزکیہ و تصوف تمام پیغمبروں کی سیرت کا ایک اجتماعی سبق ہے جو ختم نبوت کے بعد بھی صحابہ کرامؓ اور اولیاء کا طہینؓ میں دیا اور لیا جاتا رہا ہے سو طریقت کی تاریخ شریعت سے بھی پرانی ہے۔ شرائع میں تو تبدیلیاں ہوتی رہیں لیکن طریقت کی صدا ہمیشہ سے ایک رہی ہے۔

حضرت ابراہیم کی نظر میں تزکیہ کی اہمیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو مسجد اور خانقاہ دونوں صورتیں دیں۔ نماز اور طواف سے یہ مسجد کا نظام قائم ہوا اور اعتکاف سے خانقاہی نظام کی بنیاد قائم ہوئی اللہ تعالیٰ نے دونوں کو ملا کر عمل میں لانے کا حکم دیا۔

ان طہرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود

(پ: ۱، البقرہ: ۱۲۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو آباد کرنے والے کے لیے اللہ تعالیٰ سے ملاقات آیات الہی، تعلیم کتاب و سنت اور تزکیہ کی توفیق مانگی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حقیقت میں کعبہ کی ابدی آہادی کا سبب بنے انہی تینوں باتوں کا حکم دیا۔ یہ فرائض رسالت حضور اکرم ﷺ کی پوری دینی محنت کا محور ہے۔

ترکیہ کے لیے حضرت ابراہیم کی دعا

ربنا وابعث فیہم رسولا منہم یعلو علیہم ایاتک و یعلمہم
الکتاب والحکمۃ ویزکیہم انک انت العزیز الحکمیم.

(پ: ۱۰۱، البقرہ: ۱۲۹)

ترکیہ کی محنت حضرت خاتم النبیین کے ذمہ بھی لگی

حضرت ابراہیم کی دعا کے مطابق یہ تینوں ذمہ داریاں حضور کے سپرد کی گئیں لیکن
یہاں ترکیہ کو تعلیم پر بھی مقدم کیا گیا۔

لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم
یتلوا علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان

کانوا من قبل لفی ضلال مبین (پ: ۴، آل عمران ۱۶۳)

حضور کے صحابہ کا سب سے بڑا شرف حضور کی محبت قرار دی گئی اور ان کے بعد
بھی اہل اللہ میں یہ ترکیہ کی محنت انسانوں کے ذمہ رہی، یہ نیک لوگوں کی محبت ہے جس سے
طریقت کا بجز بیکراں انسانوں کو سکون وطمینیت دیتا رہا۔

قرآن کریم کی پہلی دعوت لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف اتارنے کی رہی
قرآن کریم صرف انہی لوگوں کے لیے راہ ہدایت بتایا گیا جو خدا سے ڈرنے والے
ہوں، جو لوگ اس ڈر سے خدا کی تلاش میں نکلے وہ بالآخر پیغمبروں کی راہ پا گئے اور اس راہ سے
انہیں ایمان اور اعمال صالحہ کی دولت نصیب ہوئی۔

خدا کا ڈر مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں پایا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں
یہ تقویٰ تہی معتبر ہے کہ اسے آگے ایمان اور اعمال صالحہ کی سعادت ملے جو اعمال صالحہ ایمان
کے بغیر رہیں وہ صورتاً تو نیک اعمال ہیں لیکن یہ ایسے اعمال نہیں جو آخرت میں کوئی وزن
پا سکیں لانقیم لہم یوم القیمۃ وزنا۔ تاہم یہ دیکھا گیا ہے کہ خدا سے ڈرنے والوں اور
آخرت پر یقین رکھنے والوں کو بالآخر ایمان کی دولت مل ہی جاتی ہے۔ گو ضروری نہیں کہ
جنگلوں اور صحراؤں میں خدا کی تلاش کرنے والے ایمان کو پالیس قرون سابقہ میں بھی یہ راہ
صرف پیغمبروں سے ہی ملتی رہی۔

سوار محل کی جستجو میں ہزاروں دشت طلب ہیں دوڑے

نہ محل آیا نظر نہ ناقہ فقط ایک العتار ہمار دیکھا

سو وہ تقویٰ اور خدا کا ڈر جو پیغمبروں کی راہ کے بغیر دل میں اترے وہ بسا اوقات

ایمان لانے کا سبب تو بن جاتا ہے لیکن خود وہ کوئی نیکی نہیں ہے تاہم خدا کا یہ ڈر وہ ایک ابتدائی

صدا ہے جو کسی نہ کسی وقت ایمان والوں میں لائی مہمانی ہے۔

قرآن کریم صرف انہی لوگوں کو راہ بتاتا ہے جو اس سے ڈرنے والے ہوں

گو خدا کا ڈر مسلوں اور غیر مسلوں کا مشترک سرمایہ ہے لیکن دنیا کی ہدایت

اور آخرت کی فلاح انہی لوگوں کے لیے موعود رہی جو پیغمبروں کے کہے پر خدا پر بن دیکھے ایمان

لائیں پھر بدنی اعمال بھی کریں اور مالی نیکیاں بھی بجالائیں۔

هَذِي لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا

رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ

صوفیہ کرام کی لوگوں کو مسلمان کرنے کی محنت کیوں زیادہ کامیاب رہی؟

یہ اس لیے ہوا کہ وہ پہلے لوگوں کے دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرتے دنیا کے فانی

ہونے کا انہیں یقین دلاتے خدا کی محبت ان کے دلوں میں اتارتے اور پھر انہیں حلقہ بگوش

اسلام کر لیتے۔ صوفیہ کرام بحث و تحقیق کی دنیا سے بہت آگے نکلے ہوئے تھے ان کی باتوں

میں ان کا اپنا عمل بھی بہت اثر کرتا تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین جب اجیر آئے تو کتنے لوگ

ساتھ تھے اور جب ان کا جنازہ اٹھا تو فضا کے پرندے بھی ان پر سایہ لگن تھے اشاعت اسلام

کی یہ پہلی محنت تصوف پر ہی مرتب ہوئی تھی۔

تاہم اس سے انکار نہیں کہ خدا کی محبت کی گرمی صرف تعلیم سے دلوں میں نہیں اترتی،

نہ صرف عقل سلیم اور فطرت صحیحہ اس راہ کے مسافروں کو رہنمائی بخشتی ہے دلوں کی اس اصلاح کے

لیے ان مشائخ کی ضرورت ہے جو سنت کی روشنی میں خود اس راہ کو کامیابی سے عبور کر چکے ہیں۔

اصلاح کے لیے مشائخ کی ضرورت

اس سے ملنے کی ایک ہی راہ ہے

ملنے والوں سے راہ پیدا کر

راہ طریقت کے ہر طالب کے لیے شیخ کی ضرورت ہے ہاں شیخ وہی چاہئے جو مریدین کو بارگاہ الہی میں داخل کر دے۔ جو لوگ دس دس سال سے کسی پیر کے گرد طواف کرتے رہے اور اس کی آؤ بھگت میں لگے رہے وہ اپنے حال پر غور کریں اگر وہ واقعی بارگاہ الہی میں داخلہ پا گئے اور اولیاء کی صف میں آگئے تو یہ بات درست ہے کہ ان کے پیر نے ان پر محنت کی ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ کچھ اس پر غور کریں کہ ان کے پیر صاحب نے ان سے کتنے کام لیے ہیں اور ان کے کتنے کام ہوئے ہیں۔

یقین کیجیے کہ ان دنوں بہت سے پیر و فقیر کاروبار کی مارکیٹیں بنے ہوئے ہیں وہ اپنے سینئر مریدوں کو تنہائی میں کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ہمارے حلقہ مریدی میں لاؤ پھر کچھ مرید پیر کی کرامتیں وضع کرتے ہیں، کچھ نذرانے جمع کرتے ہیں کچھ ان کے دوروں کو ترتیب دیتے ہیں اور پھر مریدوں کا خدا کی بارگاہ تک پہنچانا تو درکنار سارا وقت انہی گروہ بندریں میں گزر جاتا ہے، خلفاء کو خلافتیں ملتی بھی ہیں اور چھتی بھی ہیں یہاں تک کہ پیر بسا اوقات آپس میں لڑتے بھی ہیں اور اس راہ کے کئی مسافر پھر اس راہ سے ہٹ بھی جاتے ہیں پھر ان میں کئی یہ بھی کہتے سنے گئے ہیں کہ یہ پیر صاحبان وہ ہستیاں ہیں کہ ان کے قریب نہ جانے میں ہی برکت ہے ورنہ قریب کے مریدوں پر ان کا سارا بھرم کھل جاتا ہے۔ مولانا رومؒ نے بجا کہا تھا۔

اے بسا ابلیس آدم روے ہست

پس بہر دستے بنا ید داد رست

جن حضرات کو کبھی حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت مولانا تھانویؒ، حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ، حضرت مولانا مدنیؒ، حضرت مولانا رائے پوریؒ اور حضرت مولانا لاہوریؒ کے حلقہ ارادت میں بیٹھنا نصیب ہوا وہ سب اس پر متفق ہیں کہ راہ طریقت کی یہ محنت ان حضرات کے ہاں ہرگز کوئی کاروبار نہ تھا، اہل حق کے پیروں اور اہل بدعت کے پیروں میں یہی نمایاں فرق ہے کہ اہل حق کبھی پرانے مریدوں کو نئے مریدوں کے شکار کرنے کا نہیں کہتے۔

جو لوگ بدعتی پیروں کے کاروبار سے نکل آ کر اس راہ کی ضرورت سے ہی انکار کر دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ راہ حق کے سالار سلسلہ ولایت سلسلہ قادریہ کے شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ (....) لکھتے ہیں:

تمام اولیاء ابدال اور صدیقیوں کا سلسلہ یونہی چلا آیا ہے کوئی استاد ہوا
کوئی شاگرد.....

مشائخ ہی اللہ تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور راہ خدا دکھلانے والے ہیں اسی
دروازہ سے بارگاہ الہی میں داخلہ ملتا ہے شاذ و نادر ہی کوئی اس سے
مستثنیٰ ہو ورنہ ہر مرید کے لیے شیخ کی ضرورت ہے۔

(غنیۃ الطالبین ص ۴-۵)

مرید کی حالت کو درست کرنے کے لیے شیخ کا طرز عمل

سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں:-

شیخ پر لازم ہے کہ محض اللہ کے واسطے بغیر اپنی کسی غرض کے مرید کو قبول
کرے اور مرید کی خیر خواہی کے لیے مرید کے ساتھ معاشرت اختیار
کرے..... ناقابل برداشت بوجہ اس پر نہ ڈالے پھر سخت گرفت
کرے پہلے تمام امور میں دل کی خواہشات کو ترک کرنے اور شرعی
رخصتوں کی پیروی کا حکم دے تاکہ وہ طبعی خواہشات کی قید سے چھوٹ
کر شرع کی قید اور غلامی میں آجائے اس کے بعد اس کو رخصت سے
عزیمت کی طرف منتقل کرے۔

مرید سے فائدہ حاصل کرنا شیخ کے لیے جائز نہیں (۱) نہ مرید کے مال
سے (۲) نہ اس کی خدمت سے..... ادب آموزی کے عوض کچھ اللہ
تعالیٰ سے بھی تمنا نہ کرے..... مرید سے یا اس کے حال سے اس کو
فائدہ نہ اٹھانا چاہئے۔ (ایضاً ص: ۵۰۸)

اس سے پتہ چلا کہ جو پیر مریدوں کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ زیادہ سے
زیادہ لوگوں کو ان کے حلقہ ارادت میں لاؤ اور انہیں مرید بناؤ یا فلاں فلاں امیر آدمیوں کو ان
کے قریب کر دیا ان کے پیروں کے ان کے ہاں آنے کے انتظامات کرو اور کلٹ بھیجو یا اس
قسم کی خواہش وضع کرنا کہ حضور نے مجھے کہا ہے کہ مجھے ہوائی جہاز کا کلٹ بھیجو میں تمہارے
کلٹ پر تمہارے پاس آؤں گا یا اپنے مدرسوں اور خانقاہوں کے عنوان سے مریدوں
سے ہماری رقوم طلب کرنا یہ طریقہ نہ حضرت علی ہجویریؒ کے ہاں تھا نہ حضرت میاں میرؒ

کے ہاں نہ حضرت معین الدین چشتی کے ہاں نہ حضرت بھیران بھدر کے ہاں نہ حضرت گنگوہی کے ہاں نہ حضرت شرفپوری کے ہاں نہ حضرت تھانوی کے ہاں نہ حضرت رائے پوری کے ہاں نہ حضرت لاہوری کے ہاں نہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کے ہاں۔ اب اگر ان کے جانشینوں میں سے کوئی اسے اہل بدعت کی طرح کاروبار بنالے تو اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔

۔ زانوں کے تصرف میں عقابوں کے نشین

دولت مندوں کے پاس بیٹھنے والے پیروں سے بچو

بھیران بھدر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔

او صیک ان تصحب الاغنیاء بالتعزز والفقراء بالتذلزل

(الورید السیہ فی المواعظ الجیلانیہ)

ترجمہ: دولت مندوں کے ساتھ استغناء سے مجلس کرو اور فقراء سے عاجزی

سے پیش آؤ۔

تاہم یہ ضرور ہے کہ راہ طریقت کو کاروبار بنانے والے چند غلط پیروں کی وجہ سے اس راہ طریقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اہل حق کے چاروں سلسلوں میں قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ اور چشتیہ اس راہ کے شاہباز نہایت کامیابی سے ان راہوں میں اڑے ہیں، ہم ان میں سے بہت سے بزرگوں کا ذکر جلد اول میں کر آئے ہیں۔

آنحضرتؐ کے زمانے میں بھی اہل حق کا ایک ایسا طبقہ موجود تھا جو حضورؐ کے ساتھ مل کر لوگوں کو دین کی دعوت دیتے تھے۔ قرآن کریم میں ہے:-

قل ہذہ سبیلی ادعو الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن البعنی

(پ: ۱۳، یوسف: ۱۰۸)

ترجمہ: آپ کہہ دیں یہ میری راہ ہے بلاتا ہوں میں اور جو میرے ساتھ

ہیں اللہ کی طرف پوری بصیرت سے۔

اس میں آپ نے بتایا کہ میں اور میرے ساتھی اس سیدھے رستے پر محبت و برہان اور

بصیرت و وجدان سے چل رہے ہیں، خدا نے مجھے ایک ایسا نور عطا فرمایا ہے جس سے میرے پیروں کے دماغ روشن ہیں۔

ظلمات الذنوب

الحمد لله و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعدا

مرضیات خداوندی کے خلاف جو کام اس کی ناراضگی کا پتہ دیتے ہیں وہ کئی درجات پر ہیں اور ان کے کئی نام ہیں اور ان کے اپنے اپنے احکام ہیں۔ ان کا انکار اور رد تو بے شک کفر کے درجہ میں ہیں لیکن گناہ عصیان خطاہ سینات اور لغزشیں ایک ایسے شخص سے بھی صادر ہو سکتی ہیں جو بغاوت پر نہ اترتا ہو اور بسا اوقات کچھ غلطیاں غیر ارادی طور پر بھی ہو جاتی ہیں۔ عربی میں لفظ ذنب وسیع معنی میں آتا ہے گناہ کبیرہ میں بھی اس کا اطلاق ہوا ہے۔ اور مطلق گناہ پر بھی اور خلاف اولیٰ پر بھی۔ ہر موقع پر اسے اس کے محل کے اعتبار سے جانا جاتا ہے۔ یہ لفظ پیغمبروں کے لیے آئے تو یہ ایسے عمل کا نام ہے جو بلا ارادہ ہو۔ صورتاً وہ گناہ ہو لیکن حکماً گناہ نہ ہو۔ اس پر ارادہ کسی درجے میں پایا جائے اسے خلاف اولیٰ کے معنی میں لیا جائے گا۔ اور اللہ رب العزت اس پر بھی اسے ٹھہرنے نہیں دیتے تاکہ عصمت نبوت کسی پہلو سے مجروح نہ ہو پائے۔ انبیاء خطاہ اور بقاء علی الخطاہ دونوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

اس وقت ذنوب سے ہماری مراد وہ گناہ ہیں جو عام لوگوں سے احادیث کی رو سے خلاف مرضی باری تعالیٰ صادر ہوں۔ ذنب اس عمل کو کہتے ہیں جس کا ظاہر اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو، تاہم جب تک انسان کا باطن اس کے قصد اور ارادہ سے آلودہ نہ ہو رب کریم اس پر مواخذہ نہیں کرتے۔ کوئی روزے میں کھائے پئے تو یہ اچھا عمل نہیں لیکن جب قصد اور ارادہ ساتھ نہ ہو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسے بھول بھی کہتے ہیں اور ظاہر کے اعتبار سے اسے ذنب اور عصیان بھی کہہ سکتے ہیں۔ آدم علیہ السلام سے عصیان صادر ہوا لیکن دلوں کے پڑھنے والے نے بتایا کہ ہم نے اس میں آدم کا عزم یا ارادہ معصیت نہ پایا تھا۔

ولقد عهدنا الى آدم من قبل فنسى ولم نجد له عزماً

(پ: ۱۶، ط: ۱۱۵)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے اس سے پہلے آدم کو ایک تاکید کی تھی سو وہ اسے بھول گیا اور ہم نے اس (کے خلاف جانے میں اس) کا قصد نہ پایا۔

آدم علیہ السلام کیا بھولے تھے؟ یہ کہ شیطان میرا دشمن ہے وہ اس کی باتوں میں آگے آپ کا قصد حکم الہی کو توڑنا نہیں تھا، آپ وجہ ممانعت سمجھ نہ پائے۔ قرآن کریم نے اسے عصیان بھی کہا ہے مگر چونکہ آپ کا ارادہ حکم الہی توڑنا نہ تھا اس لیے یہ صرف ظاہری عصیان شمار ہوگا۔ حقیقت میں گناہ نہ ہوگا۔ وعصى آدم ربه فغوى (پ: ۱۶، ط: ۱۳۱)

حضرت آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش ہوئی۔ جو اس نے چاہا تھا اس نے اس کی راہ نہ پائی۔ یہ عصیان کی ایک ظاہری صورت تھی، حقیقت میں گناہ نہ تھا۔ اس کا قصد اس حکم کے خلاف جانا تھا۔

ذنب ہمیشہ ایک ہی معنی نہیں دیتا۔ اس میں اس کے مضاف الیہ کو بھی دیکھنا پڑتا ہے اگر اس کی نسبت کسی پیغمبر کی طرف ہو تو یہ ترک افضل کے معنی دیتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ پسند تھا کہ یہ عمل نہ کیا جائے اب ہو گیا تو یہ افضل کا ترک کرنا ہوا۔ جس طرح انبیاء عام انسانوں جیسے نہیں، ان کی خطائیں اور ان کے ذنوب بھی عام انسانوں کے سے ذنوب نہیں، اپنے محل کے اعتبار سے ان کا معنی مختلف ہوگا۔ کسی ترک افضل کی نسبت انبیاء کی طرف ہو تو اس سے ان کی عصمت نبوت مجروح نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی انہیں قائم رہنے نہیں دیتا۔

ہمارا اس وقت موضوع وہ ذنوب نہیں جس میں ارادہ ساتھ نہ ہو بلکہ وہ گناہ مراد ہیں جنہیں ہم قصداً کرتے ہیں ان کی لذت لیتے ہیں، اور پھر ان اعمال کی ظلمات انسان کو گھیر لیتی ہیں۔ اور وہ ان سے نکلنے کی کبھی سعی بھی کرتے ہیں اور کبھی غفلت میں ہی رہتے ہیں۔ یہ لوگ حقیقت میں مجرم ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے انہیں کو مجرم کہا ہے:-

ولو ترى اذ المعجرون ناكسوا رؤوسهم عند ربهم ربنا ابصرنا

وسمعنا فارجعنا لنعمل صالحاً انا موقنون (پ: ۲۱، اسجدہ: ۱۴)

ترجمہ: اور کہیں تم دیکھ پاؤ جب مجرم اپنے رب کے پاس سر نیچے ڈالے ہوں گے، کہیں گے اے رب ہم نے دیکھا اور سنا، ہمیں واپس وہاں

کرو، اب ہم نیک کام کریں گے ہمیں یقین آ گیا ہے۔
یہ کون لوگ ہیں؟ جو صالح اعمال سے محروم رہے۔ مرنے کے بعد ان کی آرزو ہوگی
کہ کسی طرح ان کو پھر یہاں آنا ہوتا کہ وہ صالح اعمال بجالائیں۔ وہ بار بار کہیں گے۔
ربنا ابصرونا وسمعنا فارجعنا نعمل صالحاً انا موقنون

(پ: ۲۱، السجدہ: ۱۲)

ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا ہمیں اب پیچھے لوٹنا
ہم اب نیک کام کریں گے ہمیں یقین آ گیا ہے۔
لیکن کسی کو مرنے کے بعد پھر یہاں آنا نہیں۔ بس یہ ان کی ایک آرزو ہوگی جسے وہ
کبھی پانہ سکیں گے یہاں رجعت کسی کے لیے نہیں ہے، یہاں زندگی میں دوبارہ لانے کا عقیدہ
کسی طرح درست نہیں۔

سو اس دنیا میں اعمال دو ہی طرح کے ہیں اچھے اور برے۔ برے اعمال قصداً کئے
جائیں اور انسان ان میں لذت لے لے تو اگر اس نے ان سے توبہ نہ کی تو مرنے کے بعد ان پر
ضرور مواخذہ ہوگا۔ اپنے برے اعمال پر بلا توبہ مرنے والے اپنے گناہوں تلے دبے عذاب
میں پکڑے رہیں گے۔

لمن يعمل مثقال ذرة خيراً يره ومن يعمل مثقال ذرة شراً
يره (پ: ۳۰، الزلزال)

وہی اثناء آدم سعادت مند ہیں جو یہاں رہتے اپنے گناہوں پر پشیمان ہوں اور ان
کے اندھیروں سے اپنے کو بچانے کی سوجھیں اور بیٹیں اپنی زندگی میں توبہ عمل میں لائیں، وہ
ضرور اپنے رب کو تواب و رحیم پائیں گے۔ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اس
وقت ہمارا موضوع وہ گناہ بھی ہیں جو مومنین کے ہیں، ہم اس وقت کفار و مشرکین کو اسلام کی
دعوت نہیں دے رہے، نہ ان کے گناہ گن رہے ہیں، ہم اپنے گناہ گار بھائیوں کو احسان کی راہ
سے اللہ رب العزت کے در مغفرت پر لانا چاہتے ہیں۔ گو کفار و مشرکین بھی کفر و شرک سے توبہ
کے بعد یہاں اس دنیا میں اُس کے در مغفرت پر ان کے ساتھ برابر کے امیدوار ہو سکتے ہیں۔
گناہوں کی مختلف قسمیں

قرآن کریم میں ایک مقام پر کبیرہ گناہوں اور سینات (مملی غلط کاریوں) کا اس

طرح تقابلی ذکر ملتا ہے:

ان تَجْتَبُوا كِبَائِرَ مَا تَنْهَوْنَ عَنْهُ لِكُفْرِ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ
نَدْخَلِكُمْ مَدْخَلَ كَرِيمَا (پ: ۵، النساء: ۳۱)

ترجمہ: اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچتے رہو جن سے تمہیں روکا جاتا ہے تو ہم تم سے تمہاری چھوٹی غلطیاں اڑادیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔

ایک مقام پر اس طرح کبائر اور کم کا تقابلی ذکر ملتا ہے۔

الَّذِينَ يَجْتَبُونَ كِبَائِرَ الْاَلَمِ وَالْفَوَاحِشِ اِلَّا اللَّعْمَ اِنْ رِبَكَ
وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ (پ: ۲۷، النجم: ۳۲)

ترجمہ: ان لوگوں کو جو بڑے گناہوں سے بچتے رہیں اور بے حیائی کے کاموں سے بھی، سوائے چھوٹے گناہوں سے۔ سو تمہارا پروردگار بہت وسیع مغفرت والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں کبائر سے بچنے والوں کی سنیات اور کم کی مغفرت اللہ رب العزت نے خود ہی فرمادی ہے ان کے لیے ان سے توبہ ضروری قرار نہیں دی گئی لیکن کچھ ایسی آیات بھی ہیں جن میں سنیات سے بھی توبہ کا حکم قرآن میں ملتا ہے

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا اِنْ رِبَكَ
مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ (پ: ۹، الاعراف: ۱۵۳)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو برائیوں کے مرکب ہوئے، اس کے بعد انہوں نے توبہ کر لی (برائیوں سے) اور یقین پختہ کر لیا تو تمہارا رب اس توبہ کے بعد بے شک گناہ معاف کر دینے والا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَحْسَبُونَ
مِنْ قُرْبِىْ فَلَوْ اَنَّكَ يَعْزُبُ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا
حَكِيْمًا O وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى اِذَا
حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالِ اِنِّىْ تَبْتُ الْاَنَ وَلَا لِلَّذِينَ يَمُوتُوْنَ وَ

ہم کفار (پ: ۴، النساء: ۱۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتے ہیں جو ناواہی سے کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے توبہ کر لیں سو وہی لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عظیمِ حکیم ہے۔ اور ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان پر موت آپٹے تو کہیں میں نے اب توبہ کی اور نہ توبہ ان کی ہے جو کفر پر ہی جان دے رہے ہوں۔

ان آیات میں سنیات سے بھی توبہ کی تلقین کی گئی ہے۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی سورہ نساء کی آیت ۳۱ پر لکھتے ہیں:

معتزلہ اور ان کے موافقین نے سرسری طور پر آیت کا مضمون یہ سمجھ لیا کہ اگر کبیرہ گناہوں سے بچتے رہو گے یعنی گناہ کبیرہ ایک بھی نہ کرو گے تو پھر محض صغیرہ گوکتے ہی ہوں ضرور معاف کر دیئے جائیں گے اور اگر صغائر کے ساتھ کبیرہ کیف مالتحق ایک یا دو بھی شامل ہو گئے تو اب معافی ممکن نہیں بلکہ سب کی سزا ضروری ہوگی۔

اور اہل سنت فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کو معافی اور مواخذہ کا اختیار بدستور محقق ہے اول صورت میں معافی کا لازم ہونا اور دوسری صورت میں مواخذہ کو واجب سمجھنا معتزلہ کی بد فہمی اور کم فہمی ہے۔

اہل سنت اپنے عقیدہ توحید میں بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ذات واجب پر کوئی چیز واجب نہ سمجھی جائے، وہ ازراہ عنایت کوئی چیز خود اپنے ذمہ کر لے تو اسے بھی اس کا کرم اور اس کی عطا جانے۔ گناہ گار مومن دونوں طرح کے گناہوں میں توبہ بجالائے اور اس کی مغفرت کا امیدوار رہے۔ کسی کبیرہ گناہ کو بھی اسلام سے باہر کر دینے والا گمان نہ کرے۔

گناہ کبیرہ اور سنیات کی قرآن میں حد بندی نہیں کی گئی

احادیث میں کہیں کہیں کھار کی حد بندی ملتی ہے اور اس کے لیے ان کی مختلف کتنی وارد ہے ان روایات کا مختلف جہات سے اعتبار کیا جائے تو ان میں تطبیق ممکن ہے لیکن یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں کہیں کھار (گناہ کبیرہ) اور صغائر کی حد بندی نہیں کی گئی اور اس میں ایک بڑی مصلحت ہے۔

کہاڑ کی حد بندی نہ کرنے کی حکمت

جس طرح اللہ تعالیٰ نے خیر و رحمت کے دو مقام ایک وسیع دائرے میں پھیلا رکھے ہیں (جیسے لیلة القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں پھیلا یا اور کوئی جان نہ پایا یہ کون سی رات ہے یا جیسے کہ جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں جو دعا کی جائے اللہ تعالیٰ اسے قبولیت دیتے ہیں۔ مگر یہ کس خاص وقت میں ہوئی ہے؟ اس میں روایات مختلف ہو گئیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے گناہ کبیرہ اور صغیرہ کے قاصطے وسیع ستوں میں پھیلا دیئے۔ صغیرہ گناہوں کے اصرار اور بار بار کرنے کو کبیرہ تک پہنچایا اور کبھی انہیں کبیرہ سے بچنے رہنے کی صورت میں بغیر توبہ خود ہی اپنے رحم و کرم سے معاف کر دیا۔ پھر کبھی اس کی رحمت کی لہر اس طرح بھی اٹھتی ہے کہ وہ سبقت کو ختم کرنا ایک طرف رہا انہیں حسنت سے بدل دیتے ہیں۔

واقم الصلوة طرفى النهار و زلفأمن الليل ط ان الحسنات

یذهبهن السيئات ذلك ذكرى للذاكرين (پ: ۱۴، عود: ۱۱۴)

ترجمہ: اور دن کے دونوں سروں پر نماز برپا رکھ اور رات کی کئی ساعتوں

میں بھی۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں یہ نصیحت ہے

نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔

اور یہ بھی فرمایا:

الا من تاب و امن و عمل عملاً صالحاً فاوفى الله

سيئاتهم حسنات و كان الله غفوراً رحيماً (پ: ۱۹، الفرقان: ۷۰)

ترجمہ: ہاں جو توبہ کرے ایمان لے آئے اور نیک کام کرے تو وہ ہیں

جن کی برائیاں اللہ نیکیوں میں بدل دے گا اور وہ غفور الرحیم ہے۔

ان اوقات اور اعمال کی حد بندی نہ کرنے میں حکمت یہ ہے کہ مومن گناہوں کی

اس تقسیم میں ہر وقت خدا سے ڈرتا رہے۔ پتہ نہیں کہ اس کے کون کون سے گناہ کبیرہ کی سرحد

پر آگئیں اور جمعہ کے دن اور لیلة القدر میں وہ رحمت کے کھلے دتوں خدا کی یاد میں لگے، ان

گھڑیوں کو رات دن کی وسعتوں میں پھیلا دیا گیا۔ محبوب سبحانی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

(۷۵۹۵) لکھتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے جن باتوں سے منع کیا ہے دراصل وہ سارے ہی کبیرہ گناہ ہیں۔ بعض علماء کا بیان ہے کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد کسی کو معلوم نہیں۔ یہ تعداد پوشیدہ ہے جیسا کہ شب قدر اور جمعہ میں ایک ساعت پوشیدہ ہے جس میں ہر دعا قبول ہوتی ہے کبیرہ گناہ بھی اس طرح پردہ میں ہیں کہ آدمی ان کی تلاش (تعمین) میں کوشش کرے اور ہر حال میں خوف خدا شامل حال رہے اور لوگ چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے پرہیز کریں۔

تاہم اتنی بات تو ہر وقت ذہن میں رہے کہ صغیرہ گناہوں پر اصرار اور بے فکری سے انکا تکرار اپنی جرأت اور جسارت کے باعث انہیں کبیرہ بنا دیتا ہے گو کبیرہ بالذات کبیرہ باغیر میں کچھ فرق نہ کیا جاسکے۔

یہ گناہوں کے مختلف جہات سے اندھیرے ہیں ان گناہوں میں ایک گناہ بری مجلسوں میں آنا بھی ہے۔ گو شروع شروع انسان خود ان میں برائی کا مرتکب نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ بری مجالس میں برائی کا ارتکاب کئے بغیر بھی ان کے اندھیرے اس بے فکر انسان کو گھیر لیتے ہیں جو ان کی مجالس میں رہنے پر غلط بھروسہ کر کے ان میں آکھتا ہے نامناسب نہ ہوگا کہ ہم گناہوں کے ذیل میں یہاں کچھ ظلمات المجالس کا بھی ذکر کردیں۔

ظلمات المجالس

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

جس طرح انسان پر شیطانی حملے اندر سے ہوتے ہیں بری مجالس سے بدی کے بیرونی حملے بھی ہوتے ہیں شیطان آدمی کو اندر سے بہکاتا اور پھسلاتا ہے اور وہ خود نظر نہیں آتا، شیطان صفت انسان باہر سے انسان کو بدی کی طرف کھینچتے ہیں، پہلے شیاطین الجن ہیں اور دوسرے شیاطین الانس ہیں۔ یہ دونوں ہر پیغمبر کی دشمنی میں اترتے رہے۔ یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس پر قرآن کریم ختم ہو جاتا ہے۔ پیغمبر لوگوں کو نیکی پر لگاتے رہے اور یہ دونوں قسم کے شیطان لوگوں کو پیغمبروں سے ان کی باتیں سننے اور ان کی بیروی کرنے سے روکتے رہے۔ ہر پیغمبر کو ان دونوں سے واسطہ پڑا۔ قرآن کریم میں ہے:-

وكذلك جعلنا لكل نبي عدواً شياطين الانس والجن

یوحیٰ بعضهم الی بعض زخرف القول غرورا (پ۸، الانعام ۱۱۲)

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے دشمن لگا دیئے شریر لوگ

انسانوں اور جنوں سے جو سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو فریب کی باتیں

مخالطہ دینے کے لیے۔

پیغمبروں کو تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پورے بچاؤ کی ضمانت بھی دے دی کیونکہ ان کو معصوم ٹھہرانے کے بغیر دنیا میں کسی نیکی کے پھیلنے کی کوئی راہ نہ تھی۔ ابلیس کو صاف لفظوں میں کہہ دیا گیا:-

ان عبادی لیس لک علیہم سلطان (پ۱۳، الحجر: ۴۲)

ترجمہ: میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہ چلے گا۔

یہ اللہ کے ان بندوں کی شیاطین الجن سے حفاظت ہوئی، ابلیس ان سے تھا، پھر حضور ﷺ کو اس شر سے بھی بچانے کی ضمانت دی گئی جو انسانوں کی طرف سے آتا ہے، ارشاد فرمایا:

واللہ بعصمک من الناس (پ ۶، المائدہ ۶۷۵)

ترجمہ: اور اللہ تجھے لوگوں سے عصمت میں رکھے گا۔

یہ نبوت کی شیاطین الانس سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

عام لوگوں پر اندر سے جو شیطانی حملے ہوتے ہیں وہ شیاطین الجن کی طرف سے ہوتے ہیں ان سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ انسان غفلت میں نہ رہے کم از کم پانچ وقت ضرور اس غفلت سے نکلے، جو نبی انسان غفلت سے بیدار ہوتا ہے یہ اندر و سوسہ پیدا کرنے والے شیطان اس سے بھاگ جاتے ہیں۔ انسان غفلت سے نکلنے کو ان پانچ وقتوں میں ہی محدود نہ رکھے ان میں کچھ اور اوقات بھی ملائے۔ اور جو حملے انسان پر باہر سے ہوتے ہیں ان سے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ وہ بری مجالس سے بچے اور زیادہ سے زیادہ نیک لوگوں کے ماحول میں رہے، جس طرح گناہوں کے اندر میرے انسان کو اپنے حال میں جکڑتے ہیں بری مجالس کے اندر میرے بھی اسے غفلت میں روندتے ہیں اور بدی بدی کو کھینچتی ہے۔

شیطان انسان کی رگوں میں اس طرح پھدکتا ہے جیسے ان ہارک رگوں میں خون چتا ہے شیاطین کی کشتیاں خون کی رگوں میں بہتی ہیں جیسے کوئی کشتی نہر میں چلی آئے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا:-

ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم (متفق علیہ)

تہائی میں شیطان کا یہ حملہ سخت ہوتا ہے۔ راہ سلوک کے مسافروں کو پہلی ہدایت یہ دی جاتی ہے کہ وہ جتنا ہو سکے تہائی میں رہنے سے بچیں اسے یوں سمجھئے۔

۱۔ اچھی محبت تہائی سے بہتر ہے۔

۲۔ بری محبت سے تہائی بہتر ہے۔

۳۔ کالمین کی تہائی مجالس سے بہتر ہے۔

اسلام عزلت گزینی کی تعلیم نہیں دیتا۔ حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اتق اللہ حیث ما کنتم و اتبع السبیلۃ بالحسنۃ تمحہا و خالط

الناس بمخلق حسن رواه الترمذی وقال حدیث حسن صحیح
ترجمہ: تو اللہ سے ڈرتا رہ جہاں بھی تو ہو اور ہر غلطی کے بعد اچھائی لاجو
اسے مٹادے اور لوگوں سے ملتا جلتا رہ خلق حسن کے ساتھ۔

اس سے پتہ چلا کہ اصل چیز اللہ کا ڈر ہے (تہنائی ہو یا مجلس) اور لوگوں سے ملنے
جلتے رہنا ہی انسان کو اچھی مجالس میں لاسکتا ہے۔ عزت گزینی اور چلہ کشی پر صرف کا ملین
پورے اتر سکتے ہیں۔ جب نزول قرآن کا دور آنے والا تھا آنحضرت ﷺ کے دل میں تہنائی
کی محبت ڈال دی گئی۔ انسانی آبادیوں میں گناہوں کی ظلمتیں بعض اوقات پوری فضا میں چھا
جاتی ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ جھوٹ اور دھوکہ کہاں ہوتا ہے؟ بازاروں میں۔ اس لیے
انہیں حدیث میں انہض البلاد الی اللہ کہا گیا اور صحیح مساجد چونکہ ان خرافات سے پاک ہوتی
ہیں انہیں احب البلاد الی اللہ کہا گیا۔ (رواہ مسلم عن ابی ہریرہ)

ان تمام صورتوں اور حالات پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں بری مجالس
سے بڑھ کر کوئی فضا تاریک نہیں یہاں ہر طرف اندھیرے ہیں سو بری مجالس سے بچنا نہ صرف
سالمین کی بلکہ جملہ مومنین کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

تاہم یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اسلام میں اچھی صحبت اور نیک مجالس کی حوصلہ افزائی نہیں
کی گئی اسلام ہرگز کوئی رجعت پسند دین نہیں نہ اس میں رہبانیت کو کوئی راہ دی گئی ہے، اگر ایسا
ہوتا تو حضور جنت کے غرف عالیہ میں بسنے والوں اور روشن ستارے کی طرح چمکنے والے
دروازوں کے داخلین کی ان الفاظ میں مدح نہ فرماتے۔

المتحابون فی اللہ والمتجالسون فی اللہ والمتعلقون فی
اللہ (شعب الایمان للامام البہقی جلد ۲)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں ایک دوسرے سے محبت کرنے والے۔ اللہ کی راہ
میں ایک دوسرے کے ہم مجلس اور اللہ کی راہ میں ایک دوسرے سے
ملنے والے ان غرف عالیہ میں بیس گے۔

سو اچھی صحبت اس کے تقاضوں اور ان پر مرتب ہونے والے ثمرات سے انکار نہیں
لیکن یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں سب سے خطرناک جگہیں بری مجالس ہیں سالک کو ان سے
بچنے کی بہت زور دار پیرایہ میں تاکید کی گئی ہے۔ حضور نے یہاں تک کہہ دیا کہ تو ہرگز کسی یقین

رکھنے والے کے سوا کسی کا جلیس نہ بن اور نہ حیرے دسترخوان پر کوئی غیر متعلق حیرا جلیس بنے۔

لا تصاحب الا مومنا ولا باکل طعامک الا نفی

(رواہ الداری جلد: ۱، ص: ۲۳۷ من علی ص: ۲۳۶ من صلیحہ ص: ۲۳۶/۱۲ من انس)

شرف صحبت کی سب پر سبقت

اسلام میں علم و عمل ایمان و اخلاص اور صدقہ و ایثار کی بہت بڑی قدر ہے اور کتاب و سنت میں ہر جہت سے لائق مدح ٹھہرائے گئے لیکن حضورؐ سے شرف صحبت ایک ایسی نیکی ہے جو ان تمام امور پر سبقت لے گئی۔ باقی امور میں کمی بیشی ہو سکتی ہے لیکن شرف صحبت میں تمام صحابہ ایک سے ہیں۔ علم و عمل میں بے شک بعض حضرات سبقت لے گئے ہیں لیکن صحابیت میں کوئی ایک دوسرے سے آگے نہیں۔ ہاں کوئی اولیت لے گیا اور کچھ سابقین اولین سمجھے گئے تاہم صحابی ہونے میں سب ایک مقام رکھتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں شرف صحبت کو وہ مقام حاصل ہے جو علم و عمل کے کسی اور مقام کو نہیں بلکہ جو صحابہ کی صحبت پاکئے وہ بھی اپنے انگوں (تبع تابعین) کے مقتداء بن گئے ان میں صرف وہ اپنا مقام کھو گئے جنہوں نے صحابہ کو اپنا پیشوا نہ جانا انہوں نے گو بعض صحابہ کی زیارت کی لیکن وہ تابعین نہیں سمجھے جاسکتے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اسلام میں پہلا شرف بے شک شرف صحبت سے قائم ہوا لیکن ان کے بعد اس پہلے طبقے کی بیرونی ضروری سمجھی گئی۔ اعتزال و ارجاء اور خارجیت کے عمائد زیادہ اسی دور کے ہیں لیکن ہم انہیں تابعین میں شمار نہیں کرتے۔ وہ کیسے تابعین ہیں جو صحابہ کو متبوعین نہ مانیں۔ آنحضرت ﷺ نے گمراہ فرقوں کے مقابل فرقہ تاجیہ کی یہی پہچان بتلائی کہ وہ صحابہ کے طریق پر ہوں گے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان بدی فرقوں میں صحابہ میں سے کوئی نہ گیا تھا، اس طرح حضرت عثمان کے قاتلوں میں ہم کسی صحابی کو نہیں دیکھتے، اور حضرت حسین کے قاتلوں میں کسی تابعی کو نہیں دیکھتے۔

اس امت میں تزکیہ قلوب کی محنت تسلسل سے چلی ہے

امت کے پہلے طبقہ (صحابہ کرام) کا تزکیہ تو حضرت خاتم النبیینؐ کے ذمہ لگایا گیا یہ آپ کے فرائض رسالت میں سے ایک ذمہ داری تھی لیکن آپ کے بعد یہ ذمہ داری خود اس امت پر ڈالی گئی اب اس امت میں خیر اور شر کے دو سلسلے چلے۔ امت کے ذمہ جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے نفوس کا تزکیہ کریں یہ بھی ضروری ہوا کہ اہل شر سے بچیں ان کی مجالس میں نہ جائیں۔

تاہم تزکیہ قلب کی جو دولت تمام صحابہؓ کو حاصل تھی اس امت میں وہ صرف اہل خیر میں چلی اور بری محبت سے بچنا راہ سلوک میں چلنے والے مسافروں کا ایک بہت اہم موضوع بن گیا۔

پوری امت میں تزکیہ کی محنت ایک لازمی عمل رہا

متعدد آیات قرآنیہ میں جیسے قد الملح من تزکی (پ ۳۰، الاطی) قد الملح من زکھا (پ ۳۰، النفس) ومن تزکی فانما یتزکی لنفسه (پ ۲۲، الفاطر ۱۸) وسیجنہا الاتقی الذی یولی مالہ یتزکی (پ ۳۰، اللیل ۱۸) فلا تزکوا انفسکم ہو اعلم بمن اتقی (پ ۲۷، النجم ۳۲) خالدین لہا وذلک جزاء من تزکی (پ ۱۶، طہ ۷۶) ہر انسان کے ذمہ یہ بات لگائی گئی ہے کہ وہ اپنے نفس کا تزکیہ کرے۔ یہ اصلاح نفس پہلے دور میں نظر نبوت سے ہو جاتی تھی جس نے بھی بحالت ایمان حضور ﷺ کو دیکھا اور حضور کی نظر اس پر پڑی وہ اس دولت کو پا گیا۔ اس عہد کے بعد اب یہ دولت اس کو ملے گی جو خود اس راہ میں اہل سلوک کی مجلس کو پائے اور بری مجالس سے خود اپنی محنت کے موافق بچے۔

اس صورت عمل میں یہ بلا جھجک کہا جاسکتا ہے کہ اس امت میں تزکیہ قلب کی محنت ایک تسلسل سے چلنی چاہئے اور یہ واقعی ایک تسلسل ہے اب اس راہ کے مسافروں کے لیے لازمی ہے کہ وہ بری مجالس سے بچیں۔

بری مجالس کی دو قسمیں ہیں (۱) اعتقادی اور (۲) عملی

اعتقادی برائی ہو یا عملی، شر ہر دو سے آگے پھیلتا ہے، اعتقادی برائی رکھنے والوں کی محبت سے بچنا بھی ضروری ہے ورنہ ان کی اعتقادی برائی دوسروں میں بھی سرایت کرے گی جس طرح نیکی سے نیکی پھیلتی ہے بدی سے بدی پھیلتی ہے۔ تاریخ میں صرف اہل سنت ہیں جو اہل حق ہیں۔ عقائد میں معتزلہ، مرجہ، شیعہ اور خوارج اہل بدعت میں سے ہیں۔ ہر دور میں عقائد میں صرف یہ ہی دو گروہ تھے اہل سنت اور اہل بدعت پھر اہل بدعت میں وہ بھی ہیں جن کی بدعت کفر کے درجے کو پہنچی ہیں اور وہ بھی جو کفر دون کفر کے ذیل میں آتے ہیں تاہم یہ تمام شرکی اعتقادی راہیں ہیں جن میں نادان گھر کر ایمان جیسی دولت کو ضائع کر دیتے ہیں اور پتہ اسی وقت چلتا ہے جب ان کے ایمان کی بساط الٹی جا چکی ہو۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے ان لوگوں سے بچنے کی بہت تاکید فرمائی ہے جو صحابہ کے بارے میں دل میں کسی قسم کی بدگمانی رکھتے ہوں۔ آپ حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

آخر زمانہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگا کہ وہ صحابہ کی شان میں تنقیص کریں گے، خبردار تم نے ان کے ساتھ ہرگز کھانا چینا نہیں، ہرگز ان کے ساتھ نکاح کرنا کرانا نہیں اور ان کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھنی اور ان پر نماز جنازہ بھی نہیں پڑھنی۔ (غنیۃ الطالبین اردو ص: ۱۲۰)

بری عملی مجالس کی مختلف انواع

جس طرح حرام خوروں اور بدکاروں کی ہم نشینی انسان کے ذہن سے ان دونوں جرموں کے بوجھ کو ہلکا کرتی ہے اور پھر وہ اچانک اس آگ کے گڑھے میں جا گھرتے ہیں، اسی طرح چودھویں صدی میں دائرہ اہل سنت میں بھی کچھ عملی بدعات اس طرح گرتے آئی ہیں کہ اہل سنت کے گمروں سے ان کا نکالنا ناممکن ہو گیا ہے۔ یہ بدعات زیادہ تر اعمال کے گرد ہیں عقائد میں نہیں۔ جب سالک ان لوگوں کی بری مجالس سے پرہیز نہ کرے گا نور سنت اس کے قلب سے کبھی نہ پھوٹ پائے گا، بدعات کے دبیز پردے اس کے دل پر ظلمات بعضہا فوق بعض کے قبیل سے ہوں گے۔ نقشبندی سلسلے کے سلوک کے راہی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندی کے اس اشارے سے کچھ سبق حاصل کریں:-

بدعت اندھیروں کو بڑھاتی ہے اور سنت کے نور کو کم کرتی ہے سنت کے کام بدعت کے اندھیروں کو کم کرتے ہیں اور نور بڑھاتے ہیں جو شخص چاہے سنت کا نور بڑھائے اور جو چاہے شیطان کی جماعت کو بڑھائے۔ (مکتوبات شریف دفتر دوم مکتوب ۲۳)

شیطان کی جماعت کو بڑھانے سے بچنا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اہل سنت اہل بدعت کی مجالس میں جانے سے پوری طرح پرہیز کریں۔

اہل سنت کی اس تفریق پر جناب پیر کرم شاہ صاحب بہت افسوس کرتے اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ آپ لکھتے ہیں:-

سب سے المناک پہلو اہل السنۃ والجماعۃ کا آپس میں اختلاف ہے جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں اللہ تعالیٰ کی توحید ذاتی اور صفاتی حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت اور ختم نبوت قرآن کریم قیامت اور دیگر

ضروریات دین میں کئی موافقت ہے۔ (نسیاء القرآن ص ۴)

اس کا حاصل اس کے سوا کیا ہے کہ دونوں میں چند اعمال اور چند رسوم کا اختلاف ہے۔ اہل سنت میں اہل بدعت نے کن کن بدعات کو جگہ دی ہے ان کا استقصاء یہاں ممکن نہیں تاہم ان کی مختلف انواع ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں سالک ان میں سے کسی میں طوط ہو وہ کبھی نور سنت کی چمک نہ پاسکے گا گو وہ کتنا یہ نہ کہتا رہے کہ میں مقام معرفت پاچکا اور وہ خود کو بجز طریقت کہنے کے درجہ پر کیوں نہ لے آئے۔

اہل سنت کے حلقوں میں آئی ہوئی عملی بدعات کے یہ چند انواع ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) کلمہ کے گرد جمع ہونے والی بدعات (۲) اذان کے گرد لائی گئیں بدعات (۳) نماز کے گرد جمع ہونے والی بدعات (۴) درود شریعت کے گرد جمع ہونے والی بدعات (۵) دفن و کنفن کے گرد جمع ہونے والی بدعات (۶) ذکر کے گرد جمع کی گئیں بدعات (۷) ایصالِ ثواب میں جگہ پانے والی بدعات (۸) ذکر میلاد کے گرد لائی گئیں بدعات۔

سالکان راہ طریقت کے لیے بدعت وہ گہرا کنواں ہے جس میں لوگ گرتے تو دیکھے جاتے ہیں لیکن واپس آتا شاید ہی کوئی خوش نصیب دیکھا گیا ہو۔

اہل بدعت اعتقادی الحاد کے ہوں یا عملی بدعات کے رسیا، ان کی مجالس میں ظلمت ہی ظلمت اور اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ راہ سلوک کے مسافروں کو ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔ بلکہ ان کی کتابوں سے بھی بچنے کی ظلمت بھی سالکین کو بہت نقصان دیتی ہے۔ حکیم الامتہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:-

”ظلماتی کتاب سے بھی ظلمت ہوتی ہے“

فرمایا حضرت مرزا مظہر جان جانا رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ایک مرتبہ کسی شخص کے آنے سے ظلمت محسوس ہوئی فرمایا اس کے پاس کوئی کتاب ظلماتی ہوگی دیکھا تو بوعلی سینا کی کتاب الشفاء تھی۔

(آثار خیر مولفہ حضرت مولانا خیر محمد جاندھری)

عقائد، اعمال اور کتاب کی راہ سے آنے والی ظلمات تو آپ نے سمجھ لیں اب یہ بھی جان لیجئے کہ راہ سلوک میں احوال کی زیادتی بھی کبھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آتی۔

حضرت مولانا تھانوی اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:-

احوال کی زیادت بھی بدعت ہے

معلوم بھی ہے جیسے عقائد و اعمال کی زیادت علی الحدود بدعت ہے ایسے ہی احوال کی زیادت بھی بدعت ہے، یہ ظاہری وہ باطنی۔ غیر اختیاری امور کا مطلوب نہ ہونا اور اختیاری کا مطلوب ہونا تو نص قطعی سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولا تمننوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض للرجال نصیب
مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن واسئلوا اللہ من
فضله ^ط ان اللہ کان بکل شیء علیماً

ترجمہ: اور تم ایسے امر کی تمنا مت کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے۔ مردوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور عورتوں کے لیے ان کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

تفسیروں میں اس کی شان نزول یہی لکھی ہے کہ مجاہدین کے اجر جہاد کو جناب رسول اللہ ﷺ سے سن کر حضرت ام سلمہ نے عرض کیا کہ کاش ہم بھی مرد ہوتیں تو جہاد کرتیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ما فضل اللہ بہ۔ چونکہ بمقابلہ اکتساب واقع ہوا ہے اس لیے اس سے مراد امور غیر اختیاریہ ہیں۔

فضائل کی دو قسمیں

آیت کا حاصل یہ ہوا کہ فضائل دو قسم کے ہیں موہوبہ یعنی غیر اختیاریہ اور مکتوبہ یعنی اختیاریہ۔ حق تعالیٰ نے ولا تمننوا ما فضل اللہ بہ میں غیر اختیاری کی تمنا سے نبی فرمادی ہے اور للرجال نصیب مما اکتسبوا میں اختیاری کے اکتساب کی ترغیب دی ہے۔ پھر واسئلوا اللہ من فضله میں اس کی اجازت دی ہے کہ اگر فضائل غیر اختیاریہ کو ہی دل چاہے تو بجائے درپے ہونے اور ہوس کرنے کے اس کی دعا کر لیا کرو اس لیے ارشاد فرماتے ہیں۔

واسئلوا اللہ من فضله یعنی ثمرات و فضائل کے لیے دعا کرنے کا اذن فرمایا ہے اور کوئی امر مانع دعا نہ ہو مثلاً کسی امر کا غیر عادی ہونا جیسے عورت کا مرد بن جانا۔ پھر دعا کر کے بھی حصول کا خطر ہے اگر کچھ جمعیت نصیب بھی ہوئی ہو تو یہی فکر کر کے اپنے ہاتھ سے خود اس کو بہاد کرنا ہے ایسا کرنا بالکل اس شعر کا مصداق ہے۔

۔ بکے برسر شاخ دین سے برید
خداوند بُتآن نگاہ کردو دید

ایک شخص جس شاخ پر بیٹھا ہے اسی کو اپنے ہاتھ سے کاٹ رہا ہے اسی طرح یہ لوگ اپنے ہاتھوں قلب کو مشوش کر رہے ہیں وجہ یہی ہے کہ غیر امتیازی چیزوں کے پیچھے پڑے ہیں۔
اعمال صالحہ میں لذت و سہولت کی طلب میں نفس کا ایک مخفی کید
اگر یہ کہا جائے کہ مزہ سے اعمال میں سہولت پیدا ہوتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ سہولت ہی کی کیوں طلب ہے کیا انسان دنیا میں سہولتوں کے لیے بیجا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

لقد خلقنا الانسان لى كبد

ہم نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا اور یہ طالب ہے سہولت کا۔ الغرض اس غم میں نہ پڑنا چاہیے اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے کیونکہ اس غم میں پڑنا کہ وہ حالت نہیں رہی یہ حالت نہیں، فلاں کیفیت جاتی رہی، قلب کا برباد کرنا ہے۔ آخر یہ توجہ مخلوق کی طرف نہیں تو اور کس کی طرف ہے۔ اس میں بھی تو عنوان اچھا اختیار کیا گیا ہے مگر ہے نفس کا کید کہ لذت و سہولت کا طالب ہے پھر شرع پر زیادت چہ معنی؟

بزد و درع کوش و صدق و صفا
و لیکن میفرمائے بر مصطفیٰ!

اب ہم آخر میں حضرت پیران بزرگ عبدالقادر جیلانی کے اس ارشاد پر ظلمات الجالس کے اس مضمون کو ختم کریں گے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی اہل بدعت کے ساتھ دوستی کرے تو اس کے نیک عملوں کو خداوند تعالیٰ ضائع کر دیتا ہے اور اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے۔ اور جب تو کسی بدعتی کو راستہ میں آتا ہوا دیکھے تو اس راستہ کو چھوڑ دے اور دوسرے راستہ سے ہو کر چلا جا اگر کوئی شخص کسی بدعتی کے جنازہ کے پیچھے جاوے تو جب تک وہ واپس نہ آوے خدا کا غضب اس پر نازل ہوتا رہتا ہے۔ (غنیۃ الطالبین اردو ص ۱۳۲)

کفارات الذنوب

نجات کا ہمیشہ کے لیے کھلا راستہ..... توبہ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

جب ہم معلوم کر پائے کہ گناہوں کے اندھیرے کسی طرح دل و دماغ پر چھا جاتے ہیں تو اب ان راہوں کا جاننا بھی ضروری ہے کہ ہم کس طرح ان اندھیروں سے نکل پائیں، کفارات ذنوب میں پہلا مقام توبہ کا ہے۔ حضرت امام غزالی لکھتے ہیں:

جاننا چاہیے کہ توبہ کرنا حق تعالیٰ کی طرف پھرنا ہے یہ مریدوں کا پہلا قدم ہے اور سالکوں کے راہ کی ابتداء ہے اور خدا کو ماننے والے کسی آدمی کو بھی سوائے اس کے چارہ نہیں۔ ابتداء پیدائش سے لے کر آخر تک گناہوں سے پاک رہنا تو فرشتوں کا کام ہے اور ہمیشہ گناہوں میں ڈوبے رہنا شیطان کا پیشہ ہے۔ گناہوں کو چھوڑنا اور حق تعالیٰ کی طرف پھرنا اور تائب ہونا آدم اور آدمیوں کا کام ہے جس شخص نے اپنے گذشتہ گناہوں سے توبہ کی اس نے اپنی نسبت حضرت آدمؑ سے درست کر لی۔ (کیمیائے سعادت ص: ۳۸۹)

ابھی حضرت آدم علیہ السلام زمین پر نہ اترے تھے کہ حق تعالیٰ نے ان کی اولاد کے لیے گناہوں سے نکلنے کی راہ بتلا دی۔ خود حضرت آدمؑ سے ایک خطا ہونے دی وہ اللہ کے حضور توبہ بجالائے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور پہلے ہی مرحلہ میں گناہوں اور خطاؤں سے نجات حاصل کرنے کا راستہ نکل آیا یہ اللہ کی صفت رحم کا تقاضا تھا کہ اس نے توبہ کی پہلی صدا ہی قبول فرمائی۔ اور آئندہ جملہ اولاد آدم کو اس کی راہ بتا دی۔

یہ بھی اس کا کرم تھا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو وہ کلمات دیئے جن سے انہوں

نے اللہ کے حضور توبہ کی، وہ کلمات توبہ تھے۔

فتلقى ادم من ربه كلمات فتاب عليه انه هو التواب الرحيم
(پ: البقرہ: ۳۷)

ترجمہ: پس سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے وہ کلمات جب پر اللہ نے اس کی توبہ قبول کی وہ بے شک توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

وہ کلمات کیا کہے جائیں جن سے اس کی رحمت جوش میں آجائے؟ وہ اس کی ثناء اور حمد ہے اور اس سے بخشش مانگنا ہے، ان پر رب کریم توبہ قبول فرماتا ہے۔

فستبح بحمدي ونك واستغفره انه كان توابا (پ: النمر: ۳۰، النمر)
ترجمہ: تو اپنے رب کی ثنا کر (سبحانک اللہم سے) حمد کے ساتھ (الحمد لله رب العالمين سے) اور اس سے بخشش مانگ، بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا ہے۔

نماز میں سبحانک اللہم کے بعد سورہ فاتحہ پڑھی جاتی ہے یہ اسی حکم کی تکمیل ہے۔ توبہ کا محل وہ لوگ ہیں جو ناواقفی میں غلطی کر بیٹھتے ہیں۔ ناواقفی سے مراد یہ ہے کہ وہ اس پر جتے نہیں جیسا کہ آدم علیہ السلام اپنی غلطی پر جتے نہیں (ولم نجدله عزماً)۔ جو لوگ اپنی غلطی پر آخر دم تک ڈٹے رہیں (برابر کرتے رہیں) وہ اللہ کی اس عنایت سے محروم رہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون
من قريب فاولئك يعوب الله عليهم وكان الله عليماً
حكيماً O ولست التوبة للذين يعملون السيئات حتى اذا
حضر احدهم الموت قال انى تبت الآن ولا الذين يموتون
وهم كفار اولئك اعتدنا لهم عذاباً اليماً (پ: النساء: ۱۸)

ترجمہ: اللہ صرف انہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے لوٹ آئیں، یہ وہ لوگ ہیں اللہ جن کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اللہ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور

توبہ ان کے لیے نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں سے کسی پر موت کا وقت آجائے تو کہے کہ اب میں تائب ہوتا ہوں اور نہ توبہ ان کی ہے جو کفر پر ہی مر جائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک عذاب طے کر رکھا ہے۔

سو جانئے کہ توبہ راہ طریقت کے مسافروں کا پہلا قدم ہے اس میں گناہوں کی کوئی حد نہیں کتنے گناہ ہی کیوں نہ ہوں آخری وقت آنے سے پہلے پہلے جب بھی ہوش آجائے توبہ کا دروازہ کھلا طے گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لو اخطاتم حتى تبلغ خطاياكم السماء ثم تبتم لتاب عليكم. (سنن ابن ماجہ ص: ۳۱۳)

ترجمہ: تم یہاں تک غلطیاں کر پاؤ کہ وہ آسمان سے جا لگیں پھر بھی تم توبہ پر آ جاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کر لیں گے۔

ایک حدیث قدسی میں اس کے لیے گناہ کے الفاظ بھی ملتے ہیں:

ولو بلغت ذنوبك عنان السماء ثم اتيتني لا تشرك بهي شيئا لا يتك بقرا بها مغفرة (مدارج السالكين)
حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے ہیں:-

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ
گر کافر و کبیر و بت پرستی باز آ
ایں درگاہ مادرگہ نو میدی نیست
صد بار اگر توبہ کھستی باز آ

توبہ ٹوٹنے کی یہی صورت ہے کہ توبہ تو صدق دل سے کی ہو پھر وہ کسی حملہ شیطانی سے ٹوٹ جائے، یہ نہیں کہ پہلے ہی دل سے توبہ نہ کی تھی کہ پھر کہیں جا کر توبہ کر لیں گے۔ یہ توبہ نہیں عملی منافقت ہے، ہاں سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ توبہ پر استقامت سے رہے جو رعایت تھی وہ صرف مریدوں کے لیے ہے۔

سالک کو توبہ پر استقامت درکار ہے

شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں:-

توبہ کا مراقبہ کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے کوئی شخص توبہ کرے تو توبہ پر اس طرح استقامت دکھائے کہ کرانا کاتبین سے بائیں ہاتھ کا فرشتہ اس کے خلاف کچھ نہ لکھ سکے، وہ توبہ کرنے والا بتدریج اپنے تمام اعضاء کی گناہوں سے تطہیر کرے، نہ کوئی فضول کہے، نہ کوئی فضول اور بے کار حرکت کرے اور نہ کوئی فضول بات سنے۔ اس منزل پر پہنچ کر وہ اپنے ظاہر کا محاسبہ کرے اور پھر اپنے باطن کے محاسبہ پر توجہ رکھے اور پھر مراقبہ باطنی پر اس طرح دوام کرے کہ فضول باتوں اور گناہوں کے تصورات بھی اس کے باطن سے مٹ جائیں۔

جب اس کے تصورات پاک ہو جائیں گے تو پھر اس کے اعضاء و جوارح بھی اس کی مخالفت نہ کر سکیں گے، اس مرحلہ پر پہنچ کر اس کو توبہ پر استقامت نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ سے فرمایا:-

فاستقم كما امرت ومن تاب معك (پ: ۱۲، صود: ۱۲)

ترجمہ: آپ اور جنہوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی وہ سب استقامت دکھائیں، حکم پر جسے رہیں۔

امرہ اللہ تعالیٰ بالاستقامة في التوبة امرآله ولا تبعه وامته

(عوارف المعارف ص: ۲۸۳ طبع بیروت)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو توبہ پر استقامت کا حکم دیا آپ کو حکم

دیتے ہوئے اور آپ کے پیروؤں کو اور آپ کی امت کو۔

سالک کے استقامت تک پہنچنے سے پہلے اگر کہیں حملہ شدید ہو گیا اور توبہ ٹوٹ گئی تو

یہ گمان نہ کرے کہ اب وہ توبہ نہ کر سکے گا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں کیا۔

یہ صرف قیامت سے کچھ پہلے ہوگا کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے اور وہ بھی اس طرح کہ صرف

کفر سے توبہ نہ ہو سکے گی اور یہ وقت قیامت کی علامات کبریٰ میں سے ہے۔

اللہ کی بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے اس سے پہلے اپنے گناہوں سے نجات

پانے کا یہ راستہ ہمیشہ کے لیے کھلا رکھا ہے۔ گناہوں سے نجات پانا اس کے غضب سے بچ لکنا

ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب گناہگار مومن نجات چاہے وہ نجات کا امیدوار ہو، نجات کے

امیدوار کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے توبہ کا قارم پر کرے، توبہ سے ہی انسانوں کو گناہوں

سے نجات ملتی ہے۔ لیکن کب؟ جب وہ اپنی توبہ پر کچھ استقامت دکھائیں۔

توبہ کا عہد ہر دم آنکھوں کے سامنے رہے

سالک توبہ کا عہد کب باندھتا ہے؟ جب وہ کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے، اس میں شیخ چند بڑے بڑے گناہوں کا نام لے کر اس سے توبہ کراتا ہے۔ آنحضرت ﷺ بیعت لیتے کن گناہوں سے توبہ کراتے تھے اس کی ایک جھلک عورتوں کی اس بیعت میں ملتی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يَبِيعَنَّكَ عَلِيٌّ أَنْ لَا يَشْرَكَنَ بِاللَّهِ شَيْئاً وَلَا يَسْرِقَنَّ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلَنَّ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبَهْتَانٍ يَفْتَرِيهِنَّ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَارْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ لِبِأَيْمَنِهِنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنْ اللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
(پ ۲۸، الممتحیۃ ۱۲)

ترجمہ: اے نبی جب تیرے پاس مومن عورتیں حاضر ہوں تیری بیعت کرنے کو اس پر کہ اللہ کے ساتھ کسی بات میں کسی کو شریک نہ کریں گی، کبھی چوری نہ کریں گی، کبھی بدکاری نہ کریں گی، کبھی اپنی اولاد میں کسی کو قتل نہ کریں گی اور نہ کسی پر وہ بہتان باندھیں گی اور کسی نیک کام میں وہ تیری حکم عدولی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت لے لیں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار چاہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والے اور رحم کرنے والے ہیں۔

حضرت امام غزالی نے منجیات کی پہلی فصل میں ایک عنوان مداومت توبہ کا قائم کیا ہے آپ اس میں لکھتے ہیں۔

جس شخص سے گناہ سرزد ہوا سے چاہیے کہ جلد اس کے تدارک اور کفارہ میں مشغول ہو جائے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ آٹھ کام ایسے ہیں کہ اگر انہیں گناہ کے بعد کیا جائے تو وہ گناہ کا کفارہ ہو جاتے ہیں، ان میں چار دل سے متعلق ہیں اور چار بدن سے۔ دل کے چار کام یہ ہیں:

- ۱- توبہ یا توبہ کا ارادہ ۲- اس بات کی خواہش کہ پھر ایسا نہیں کروں گا۔
 - ۳- یہ خوف کہ اس گناہ پر مجھے عذاب ہوگا۔ ۴- حق تعالیٰ سے غم کی امید رکھنا۔
- جو کام بدن سے متعلق ہیں وہ یہ ہیں:-

۱۔ توبہ کی دو رکعت نماز اور اس کے بعد ستر دفعہ استغفار پڑھے اور سو بار سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم کی تسبیح کرے، ۲۔ صدقہ، جس قدر دے سکے، ۳۔ ایک دن روزہ رکھے، ۴۔ چھپے گناہ پر چھپی تضرع وزاری۔

جب یہ حالت پیدا ہو جائے تو گو توبہ معمم درجے میں نہ ہو تو بھی بخشش کی امید ہے۔ (کیسائے سعادت ص: ۴۰۰)

کوئی خوش قسمت ہی ہوگا جو گناہ کے فوراً بعد اس کے بوجھ سے نکلنے کا ارادہ کر لے تاہم ان اسباب کا جاننا بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے گناہ گار توبہ نہیں کرتے۔ یہ پانچ اسباب ہیں جن میں سے کوئی نہ کوئی اس شخص میں ضرور پایا جاتا ہے جن کی وجہ سے وہ توبہ کے دروازے پر نہیں آتا۔ ان میں ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ علاج ہے، باطنی امراض کے معالج ہی اس گناہ گار کے لیے اس خاص وجہ کا علاج تجویز کر سکتے ہیں۔ وہ پانچ اسباب یہ ہو سکتے ہیں:

- ۱۔ آخرت پر ایمان نہیں یا اس کے بارے میں اسے کچھ شک ہے۔
- ۲۔ نفسانی خواہشات اس قدر غالب آچکیں کہ ان کے ترک کی طاقت نہیں۔
- ۳۔ دنیا آخرت کے مقابلہ میں نقد ہے اور ادھار آنکھوں سے ادھل جاتا ہے۔
- ۴۔ توبہ کا ارادہ تو ہوتا ہے لیکن اس میں وہ تاخیر سے کام لیتا ہے۔
- ۵۔ ضروری نہیں کہ دوزخ میں جاؤں ہو سکتا ہے غنوک کوئی صورت نکل آئے۔

حضرت امام غزالی کے ہاں اس کا علاج

جو شخص تائب ہونے میں تاخیر سے کام لیتا ہے اس سے کہنا چاہیے کہ تو کس بات پر بھولا ہوا ہے اور تیری مثال اس شخص کی سی ہے جس کو حکم دیا جائے کہ درخت کو جڑ سے اکھیڑ ڈال اور وہ یہ کہے کہ درخت نہایت مضبوط ہے اور میں کمزور ہوں، اگلے سال اس کو اکھیڑ دوں گا۔ ایسے شخص کو جواب دیا جائے گا کہ اے احمق اگلے سال کو درخت اور بھی مضبوط ہو جائے گا اور تو اور بھی کمزور ہو جائے گا خواہشات کا درخت بھی دن بدن مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ (ایضاً ص: ۴۰۱)

سب گناہوں سے نہیں تو ایک گناہ سے ہی توبہ کر لے

ظاہر تو یہی معاملہ ہے کہ درجہ محبت اسی کو حاصل ہوتا ہے جو تمام گناہوں سے توبہ

کرے اور وہ جو یہ کہتا ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ کرنا درست ہے اس کا بھی مطلب ہے
 ورنہ وہ گناہِ صغیرہ جس سے آدمی توبہ کرتا ہے وہ توبہ اس کا کفارہ ہو جاتی ہے اور وہ گناہِ مٹ
 جاتا ہے۔ اور تمام گناہوں سے یکبارگی توبہ کرنا دشوار ہوتا ہے اور عام طور پر توبہ بتدریج کی
 جاتی ہے اور جس قدر توبہ میسر ہوتی ہے اسی قدر ثواب ہوتا ہے۔ صرف ایمان ہے جس میں
 کی بیشی نہیں ہوتی اعمال میں کی بیشی ہوتی ہے اور اسی سے ایمان کمزور یا مضبوط ہوتا ہے
 اور اسی کو کہہ دیا جاتا ہے کہ اس کا ایمان بڑھا اور اس کا کم ہوا۔ یہ صرف کیفیت ہے جس
 میں کی بیشی ہوتی ہے ایمان اپنی ذات میں کی بیشی قبول نہیں کرتا، ہوگا تو سارا ہوگا، وگرنہ
 بالکل نہ ہوگا، جیسا کہ قادیانی بعض ضروریات دین کے انکار سے دین سے کلیۃً خارج مانے
 گئے ہیں، یہ نہیں مانا گیا کہ کوئی ۸۰ فیصد مسلمان ہو اور ۲۰ فیصد کافر۔

حضرت امام غزالی کی تلقین

توبہ کرنے میں کل تک کی کیا دیر لگا رکھی ہے ممکن ہے کل کا دن تجھے
 نصیب نہ ہو اور تو آج ہی ہلاک ہو جائے۔ ایسے شخص سے کہنا چاہیے
 کہ تو توبہ کرنے میں کیوں دیر سے کام لیتا ہے اگر اس وجہ سے دیر کرتا
 ہے کہ آج شہوات کا ترک کرنا دشوار ہے اور کل آسان ہو جائے گا تو
 اس خیالِ محال کو اپنے دل سے نکال دے کیونکہ جب آج دشوار ہے
 ویسا ہی کل دشوار ہوگا۔ (ایضاً ص: ۴۰۲)

گناہوں سے نکلنے کی خواہش

یہ صحیح ہے کہ گناہوں سے نکلنے کا داعیہ پہلے مرید کے دل میں پیدا ہوتا ہے پھر اس
 نے کسی شیخ کی تلاش کی اور اپنی بساط کے مطابق وہ کسی شیخِ کامل کو ڈھونڈ پایا اب اس نے اس
 داعیہ کے ساتھ شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا یہ اس فطری طلب پر اس کا جیاق ہے جسے بیعت کہتے
 ہیں۔ اب شیخ اس سے بڑے بڑے گناہوں سے نام بہ نام توبہ کرارہا ہے۔ یہ اس عہد کی تکمیل
 ہے اور یہی اس کی توبہ کا نقطہ آغاز ہے۔ بیعت کی پہلی منزل بیعت توبہ ہوتی ہے اگر طالب
 اس پر استقامت دکھائے تو اس کی یہی بیعت پھر بیعت سلوک بن جاتی ہے اور وہ اس
 استقامت سے سلوک کی منزلوں میں چلنا شروع کر دیتا ہے۔

حضرت امام غزالی لکھتے ہیں:-

مقام معرفت میں آدمی کے لیے نہایت ہی شریف ترین درجات ہیں اور ان کا حصول (۱) بلا مجاہدہ (۲) بدون پیر کامل کے مشکل ہے اور اگر یہ دونوں چیزیں حاصل بھی ہوں پھر بھی جب تک اللہ کی مدد شامل حال نہ ہو اور اس سعادت کا حاصل ہونا قسمت میں نہ ہو تو مراد کو نہ پہنچے گا۔

(کیمیائے سعادت ص: ۱۴)

تصوف کی لائن میں اس کا پہلا قدم کسی شیخ کامل کی تلاش میں اٹھا اور پھر اس نے اپنا ہاتھ اس شیخ کے ہاتھ میں دیا اور توبہ کا عہد باندھ لیا اس سے وہ اس شیخ کی خانقاہ تربیت میں آ گیا۔ راہ سلوک کا یہ مسافر اب اپنی منزل پر کب پہنچے گا یہ ہر ایک کے اپنے اپنے حالات پر موقوف ہے اور یہ ہر ایک کا اپنا اپنا نصیب ہے۔ ہم یہاں صرف توبہ کی بات کر رہے ہیں کہ اس سے انسان اپنے گناہوں کے وبال اور اللہ کے غضب سے نکل آتا ہے ہاں یہ بات اصولی درجے میں ہر وقت سامنے رہے کہ توبہ میں عوام و خواص کے اپنے اپنے مقامات ہیں۔

توبہ میں عوام و خواص کے اپنے مقامات

ضروری نہیں کہ توبہ گناہ سے ہی ہو، توبہ میں عوام و خواص کے اپنے مقامات ہیں۔ شیخ ذوالنون مصریؒ (۳۳۵ھ) فرماتے ہیں:-

عوام گناہوں سے اور خواص غفلت سے توبہ کرتے ہیں اور انبیاء اس وقت توبہ کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ اور دوسرے لوگ جن درجات پر پہنچ گئے وہ ان پر پہنچنے سے قاصر رہے۔ آپ کے اصل الفاظ ملاحظہ فرمائیں:-

و توبة الانبياء من رؤية عجزهم عن بلوغ ماناله غيرهم

ترجمہ: انبیاء کی توبہ یہ ہے کہ وہ اپنے کو اس مقام تک پہنچنے میں عاجز پائیں جس تک اور دوسرے پہنچ چکے ہیں۔ (عوارف المعارف ۲۸۷)

حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں:-

حضور ﷺ نے فرمایا میں ہر روز ستر بار توبہ کرتا ہوں۔ یہ اس لیے کہ آپ کا قدم ہمیشہ ترقی پر تھا تو جس قدم گاہ پر بھی حضور پہنچنے وہاں ایسا کمال دیکھتے کہ اس سے آپ کا پہلا قدم (آپ کی نگاہ میں) ناقص

ہوتا تو حضورؐ اس پچھلے قدم سے توبہ واستغفار کرتے۔ یہ اس لیے کہا گیا ہے۔ حسنات الابرار مسنات المقربین یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کے لیے کمزوریاں ہیں کہ وہ اس سے توبہ کرتے ہیں۔

(کیسائے سعادت ص: ۳۹۲)

سوان مقربین کی توبہ ترک افضل سے ہے نہ کہ گناہ سے۔ گناہ کا لفظ جب پیغمبروں کی طرف منسوب ہو تو یہ اپنے ظاہر معنی پر نہیں ہوتا۔

قرآن وحدیث میں جہاں بھی ذنب کی نسبت کسی نبی کی طرف کی گئی ہے تو اسے خلاف ظاہر پر لائیں گے، انبیاء کرام کا گناہوں سے بچے ہونا، معصوم ہونا اسلام کے قطعی عقائد میں سے ہے اس کے خلاف جہاں کوئی روایت یا آیت ملے وہاں گناہ سے مراد ترک افضل ملایا جائے گا، وہاں حقیقت گناہ ہرگز متصور نہ ہوگی۔

توبہ کے آداب

جو شخص توبہ کرے تو پورے آداب بجلائے اور دعا کرے۔ ضروری ہے کہ اس وقت اس کا لباس جو اس نے زیب تن کر رکھا ہے کسب حرام سے تیار کردہ نہ ہو، پیٹ میں جو کھانا ہضم کی منزل سے گزر رہا ہے وہ کسب حرام سے نہ ہو، پکانے والے نے بھی اس میں پاکیزگی کا پورا لحاظ رکھا ہو۔ آنحضرت ﷺ ایک مسافر مسکین کا حال کا ذکر کرتے ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلائے یارب یارب پکار رہا تھا حضورؐ فرماتے ہیں اس کی دعا کیسے قبول ہو جب کہ اس کا لباس اور کھانا سب مال حرام سے ہے۔

یعد یدیه الی السماء یا رب یارب و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غدی بالحرام فانی يستجاب لذلك!

(رواہ مسلم عن ابی ہریرہ)

ترجمہ: وہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے یارب یارب پکار رہا ہے اور حال یہ ہے کہ اس کا کھانا پینا اور پہننا سب مال حرام سے ہے، حرام غذا پر ہل رہا ہے سو اس کی دعا اس صورت حال میں کیسے اجابت پائے گی۔

سو چاہیے کہ:

۱۔ توبہ کے لیے وہ مال حلال سے بنے لباس میں آئے، حلال روزی سے کھانا کھائے اور کسی بزرگ کے پاس توبہ کے لیے حاضر ہو جو اس سے آداب کے مطابق توبہ کرائے۔

۲۔ بزرگوں سے بھی اپنے حق میں استغفار کروائے۔ قرآن کریم میں ہے:-

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر

لهم الرسول لوجلدوا الله تواباً رحيماً (پ: ۵، النساء: ۶۴)

ترجمہ: اور اگر وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی (گناہ کھائے)

تیرے پاس آجائیں اور اللہ سے معافی چاہیں اور رسول بھی ان کے لیے

اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو پالیتے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔

۳۔ وہ گناہ اگر اس قسم کا ہو کہ دوسروں پر بھی اس کا اثر آتا ہو تو اس صورت میں

صرف چھپی توبہ کافی نہیں اس رجوع الی الحق کو وہ عام کرے اور اس گناہ کے دوران جو اس

نے بگاڑ پیدا کیا ہے اسے درست کرے توبہ کے لیے اس کا عام اقرار اور اپنے اور پیدا کردہ

حالات کی اصلاح دونوں ضروری ہیں۔

ان الدين يكتمون ما انزلنا من البينات والهدى من بعد ما

بيناه للناس في الكتاب اولئك يلعنهم الله و يلعنهم

اللاعنون O الا الدين تابوا واصلحوا وبتنوا فاولئك اتوب

عليهم وانا التواب الرحيم (پ: ۲، البقرہ: ۱۶۰)

ترجمہ: بے شک جو لوگ احکام الہی چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے

وہ کتاب میں کھلے طور پر بیان کر دیئے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت

سے دور کر دیتے ہیں، اور ہر لعنت کرنے والا ان پر لعنت کرتا ہے ہاں

وہ لوگ اس پاداش سے نکل جاتے ہیں جو (۱) توبہ کریں، (۲) اپنی

غلطی کو کھلے بندوں میں بیان کریں اور اپنے بگاڑے کام درست کریں تو

میں ان لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا اور

رحم کرنے والا ہوں۔

توبہ کا طریق کار معلوم ہو چکا اور اس کے آداب بھی واضح ہو گئے یہ عمل کسی شیخ کے

ہاتھ پر ہو تو طریقت کی راہ میں پہلا قدم اٹھ گیا۔ البتہ یہ احتیاط ورکار ہے کہ طالب کسی ابلیس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دے، شیخ صحیح طور پر بزرگی کا اہل ہونا چاہیے۔ حضرت مولانا رومؒ (۶۷۷ھ) ساتویں صدی میں ہی یہ نصیحت کر گئے تھے اور ہم اب پندرہویں صدی میں جی رہے ہیں، آپ فرماتے ہیں:-

اے بسا ابلیس آدم روے بہت

پس بہر دستے ناپید داد دست

ترجمہ: اے سلوک کے طالب بہت ابلیس انسانوں کی شکل میں اس رہ

گذر میں آ بیٹھے ہیں دیکھنا ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دینا (بدعتی پیر سے

بچنا از بس ضروری ہے)

یعنی اس راہ میں ذرا بچ کر چلنا جو اس راہ میں محنت کریں گے اللہ تعالیٰ خود ان کے

لیے راہیں کھول دیں گے۔

والذین جاہدوا لینا لنہدینہم سبلنا وان اللہ لمع المحسنین

(پ: ۲۱، الحکبوت: ۲۹)

صحبت کن شرائط سے عمل میں آنی چاہیے

شیخ عقائد اسلام کو پامال نہ کرے

۱۔ مومن پر اطاعت پیغمبر فرض ہے اس کا انکار کفر ہے، اپنے اولوالامر کی اطاعت

بھی فرض ہے وہ (۱) حکام ہوں تو اس شرط سے ان کی اطاعت فرض ہے کہ ان کا وہ حکم اللہ اور

اس کے رسول کے حکم سے نہ نکرائے اور (۲) مجتہدین ہوں تو اس عقیدے سے ان کی پیروی

کرے کہ ان کے فتوے کے خلاف اسے قرآن و سنت کا کوئی حکم نہیں ملا۔

۲۔ شیخ طریقت کی اتباع بھی اس کے اولوالامر کی سی ہے اس کی اطاعت اس شرط کے

ساتھ کی جائے کہ شیخ کی کوئی بات کتاب و سنت اور مجتہدین کے عقیدہ کے خلاف نہ پڑے گی۔

۳۔ اس راہ کا طالب پیغمبر کی اطاعت میں اور شیخ کی اطاعت میں واضح فرق محسوس

کرے۔ شیخ اپنے مرید کے ذہن میں یہ فرق ضرور ڈالے کہ وہ پیغمبر کو معصوم جانے اپنے اور شیخ

کو غیر معصوم۔ اپنے شیخ سے کوئی ایسی بات دیکھے جو بظاہر کتاب و سنت اور احکام فقہ کے خلاف

نظر آئے تو رجوع کرے اور ان سے اس آیت پر عمل کرنے کی نیت سے وہ بات (شیخ کا نام لیے بغیر) دریافت کرے۔

فاستلو اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون (پ ۱۷، الانبیاء)

ترجمہ: تم اہل علم سے پوچھ لیا کرو اگر تم جانتے نہیں۔

اس سے اسلام کے اس عقیدے کی حفاظت رہے گی کہ اسلام میں غیر مشروط اطاعت صرف اللہ رب العزت اور اس کے پیغمبر کی ہے شیخ کتنے ہی اونچے درجے کا کیوں نہ ہو اپنے مریدوں پر اپنی بیروی اس طرح لازم نہ کرے کہ مرید اطاعت و پیغمبر، اطاعت مجتہد اور اطاعت شیخ میں کوئی فرق محسوس نہ کرے۔

۴۔ مرید بیعت کی غرض سے ناواقف نہ ہو

دین سے ناواقف لوگ صرف دعاؤں اور تعویذات کے لیے پیروں کی طرف رخ کرتے ہیں کہ حسب ضرورت کوئی دعا کے لیے خط لکھ دیا یا کوئی تعویذ وغیرہ ان سے منگوا لیا۔ دعا کے لیے کسی بھی نیک آدمی سے گزارش کر سکتے ہیں تعویذ کسی سے بھی لے سکتے ہیں بشرطیکہ اس میں کوئی بات خلاف شریعت نہ ہو۔ لیکن پیر کی بیعت صرف اپنے اصلاح باطن کے لیے اور اپنی روحانی تربیت کے لیے ہوتی ہے، اگر آپ کو اپنے پیر کی بیعت کئے سالہا سال ہو گئے، آپ کا اس سے ملنا جلنا بھی تمام رہا اور پھر بھی آپ اپنے اندر کوئی روحانی اصلاح محسوس نہیں کرتے تو پھر بات اس پر آٹھہرے گی کہ یا اس پیر کی کوئی بات آپ پر اثر نہیں کر پائی یا وہ پیر خود اندر سے خالی ہے جو اپنے مرید مخلص کو کسی درجے میں آگے نہیں لاسکا۔

۵۔ شیخ کامل کی علامات اسے معلوم ہوں

پورے طور پر نہ سہی لیکن اصولی درجے اور عام فہم پیرائے میں اسے شیخ کامل کی کسی درجے میں پہچان ہو۔

اب ہم آگے یہاں اس راہ میں کامیاب ہونے والوں کی زبان سے شیخ کامل کی کچھ علامت ذکر کرتے ہیں۔ جب مشائخ ان صفات کے حامل ہوں تو پھر کسی بد عقیدہ کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہو سکے گی کہ یہ پیروں کا ایک دھندہ ہے جس میں وہ اپنے آپ کو لوگوں میں ابھارتے ہیں اور اپنے مریدوں کو وہ بالکل غلام بنا کر رکھ دیتے ہیں وقد ولدت امہاتہم احراراً۔

آداب المشائخ

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

طالب اس راہ میں (راہ طریقت میں) جن ہاتھوں میں ہاتھ دے ان کے بارے میں اسے کم از کم یہ بنیادی معلومات ضرور حاصل ہوں۔

(۱) اس شیخ نے طریقت کا فیض جس بزرگ سے پایا ہو اور اس سے اس نے خرقہ خلافت پہنا ہو وہ تقویٰ و طہارت میں اپنے وقت میں اللہ والوں میں معروف رہا ہو اور بحر طریقت میں اپنے وقت کا معروف شاعر ہو، اس وقت کے دیگر اہل حق ان امور میں اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہوں۔ جو شیخ خود منازل سلوک طے نہ کئے ہو وہ خود ساختہ بزرگ اپنے ان دوستوں کی روحانی تربیت کیا کر سکے گا۔ طریقت صرف ذکر میں سر بہلانا نہیں یہ ایک پورے طریقہ زندگی میں آنا اور قرب الہی میں جانا ہے۔

(۲) شیخ طریقت میں سب سے پہلی اور نمایاں صفت یہ ہونی چاہیے کہ وہ صحیح العقیدہ اہل سنت ہوں اور اس کے اخلاق میں نور سنت چمکتا ہو۔ مشائخ کرام حضور کی حسن اقتداء سے سنورے ہیں اور اس مسند ارشاد پر آئے ہیں۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی فرماتے ہیں:-

اخلاق المشائخ مہذبۃ بحسن الاقتداء برسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم و ہم احق الناس باحیاء سنة لی کل ما امر
وندب وما انکرو کره

ترجمہ: مشائخ کرام کے آداب زندگی سنت کی پیروی سے ہی ترتیب پاتے ہیں یہی حضرات (مریدوں میں) احیاء سنت کا حق رکھتے ہیں ہر اس چیز میں جس کا حضور نے حکم دیا آپ نے اسے اچھا جانا اور جس

سے آپ نے روکا یا آپ نے اسے ناپسند کیا۔
 حضور اکرم ﷺ کے بعد بھی بزرگوں کی یہ اقتداء جاری رہی۔ حضرت عثمانؓ نے
 حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی بیروی کا عہد باندھا۔
 حضرت عثمانؓ غنیؓ ارشاد فرماتے ہیں:-

انما بلغتم ما بلغتم بالاقتداء والاتباع فلا تلفتکم الدنیا عن
 امرکم (تاریخ ابن جریر طبری جلد: ۵، ص: ۴۵)

ترجمہ: تم جہاں بھی پہنچتے ہو اقتداء اور اتباع کی بدولت پہنچے ہو دیکھنا یہ
 دنیا کہیں تمہیں اپنے مقام سے نہ بچلا دے۔

حضرت عثمانؓ غنیؓ سے نصب خلیفہ کے وقت حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ (۳۲ھ)
 نے بھی عہد لیا تھا۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کو کھڑا کیا اور ان سے کہا:-

قم الی عثمان فاخذ بیده فقال هل انت مبایعی علی کتاب
 اللہ وستہ نبیہ و فعل ابی بکر وعمر فقال اللهم انی نعم.
 لرفع راسه الی سقف المسجد ویدہ فی ید عثمان فقال
 اللهم اسمع واشهد اللهم اسمع واشهد اللهم انی قد خلعت
 ما فی رقبתי من ذلک فی رقبۃ عثمان (البدیۃ والنہایہ جلد ۱ ص ۱۴۷)

ترجمہ: اے عثمان! میری طرف آ۔ آپ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا کیا تم
 مجھ سے عہد کرتے ہو کہ کتاب اللہ، سنت نبی پاک ﷺ اور ابوبکرؓ و عمرؓ
 کے طریقے پر عمل کرو گے۔ آپ نے کہا، بخدا، ہاں! اس پر حضرت
 عبدالرحمن نے اپنا سر مسجد کی چھت کی طرف اٹھایا اور اپنا ہاتھ حضرت
 عثمانؓ کے ہاتھ میں دیا اور آپ نے کہا، اے اللہ! تو گواہ رہ، اے اللہ تو
 گواہ رہ، اے اللہ تو گواہ رہ، میں نے اپنی گردن سے اپنی ذمہ داری
 اتار دی ہے اور اسے عثمان کی گردن میں ڈال دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ کتاب و
 سنت کے بعد صالحین امت کی بیروی کی جانی چاہیے۔

سوجو پیر بدعات میں لٹوٹ ہو سنت کی آواز دینے والا نہ ہو وہ اس لائق نہیں کہ اسے پیر بنایا جائے سنت کا نور اور بدعت کی ظلمت کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے جو پیر ملکوں حراج ہو وہ کبھی اپنے مرید کو استقامت پر نہ لاسکے گا۔

(۳)۔ شیخ طریقت کے وظائف میں سے ہے کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے بلکہ کبھی اپنے اس حق سے بھی دستبردار ہو جائے جو اسے اپنے مرید کے ہاں (مکرم و تعظیم کے طور پر) حاصل ہے وہ کبھی اس مرتبہ سے نیچے آکر تواضع اختیار کرے اور وہ تواضع بھی دکھاوے کے طور پر نہ ہو، وہ تواضع میں اترا نظر آئے شیخ دقاق ہ پسند نہ فرماتے کہ ان کے معتقدین انہیں پہلے سلام کریں آپ فرماتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو کبھی اس عذاب میں مبتلا نہیں کیا کہ میں خود کو اس امر کا پابند بناؤں کہ میری تعظیم کی جائے۔

سوجو پیر خود چاہیں کہ ان کے آنے پر ان کے مرید دست بستہ قیام کریں اور وہ اپنے پرانے مریدوں کو سکھائیں کہ وہ نئے مریدوں کو اس درجے کی تعظیم پر لائیں، یا انہیں تعظیماً سجدے کے اشارات دیں تو وہ پیر اس لائق نہیں کہ ان کی امداد باقی رکھی جائے وہ پیر نہیں وہ پیر کا صرف ایک بہروپ ہیں جو جوگیوں کے سے شعبدے دکھا کر اس آزاد مخلوق کو غلام بنائے ہوتے ہیں۔

(۴)۔ شیخ ابتداء میں اپنے مریدوں کو معصیت سے دور رکھے اور رخصتوں کی حدود کی رعایت کرے اس میں خیر کثیر ہے اور جب تک مرید رخصت کی سہولتوں کو عبور نہ کر لے وہ اس وقت تک اسے آزاد ہی رہنے دے اسے دوسرے علماء اور مشائخ سے ملنے سے نہ روکے ہاں جب وہ ثابت قدم ہو جائے اور درویشوں کی صف میں آجائے تب وہ اس کو بتدریج ہمت اور عزیمت کی منزلوں پر لائے۔

(۵)۔ شیخ مرید کے مال پر نظر نہ رکھے وہ اپنے مریدوں سے مال کا طالب نہ ہو اور ان کی خدمت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کرے۔ مشائخ ان مریدوں کی خدمت سرانجام دیتے ہیں اور وہ اسے ان پر صدقہ سمجھتے ہیں اس کی ان سے کوئی قیمت نہیں لیتے۔ اس راہ میں ان کے لیے حضور ﷺ کا یہ ارشاد مشعل ہدایت بنتا ہے۔

ما تصدق متصدق بصلفة الفضل من علم یشہ فی الناس

ترجمہ: کسی صدقہ کرنے والے نے اس سے بہتر کوئی صدقہ نہیں کیا کہ وہ لوگوں کو علم کا فیض پہنچائے۔

جو کام اللہ کی خوشنودی کے لیے کئے جاتے ہیں قرآن کریم کہتا ہے کہ انہیں نفس کی آلودگی سے پاک رکھا جائے۔

انما نطمعکم لوجه اللہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا

(پ: ۲۹، الدھر: ۹)

ترجمہ: ہم تمہیں خاص اللہ کی رضا کے لیے یہ خوراک دے رہے ہیں ہم تم سے کوئی ہدیہ یا شکرگزاری نہیں چاہتے۔

(۶) شیخ صرف ملاقات کے لیے اپنے کسی مرید پر اپنے پورے سفر کا بوجھ نہ ڈالے، مرید اپنی اصلاح کے لیے خود آستانہ شیخ پر حاضری دے اور وہاں کچھ دن رہے۔ وہ شیخ کو اپنے ہاں آنے کی صرف اسی صورت میں دعوت دے کہ اس نے اپنے ہم مسلک لوگوں کا اپنے ہاں ایک حلقہ بنایا ہو، جن کی اصلاح و تربیت کے لیے وہ شیخ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہا ہے، صرف ملاقات کے لیے وہ یہ بوجھ نہ اٹھائے۔ ایک مرید حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں آیا کہ اپنا سارا مال آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے فرمایا:-

تم سارا مال صرف نہ کرو اپنے گزارہ کے لیے کچھ اس میں سے روک لو باقی صرف کرو اور جو مال اپنے گزارہ کے لیے روکو اس میں اپنا گزارہ کر لو اور حلال مال کی طلب کرو اور تمہارے پاس جو کچھ ہے اس کو تمام خرچ نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا نفس پھر اس کی طلب کرے۔

(عوارف المعارف مترجم ص: ۵۷۸)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:-

جب مرید پیر کے حضور حاضر ہو تو پیر کے لیے لازم ہے کہ مرید کو محض خدا کے لیے قبول کر لے نہ کہ اپنے نفس کے لیے، اسے چاہیے کہ مرید کو پند و نصیحت کرے اس پر مہربانی کی نظر رکھے۔ اپنے آرام کے لیے پیر کو مرید کی کوئی چیز قبول نہ کرنی چاہیے، اس کے پاس مال ہو تو اس سے فائدہ نہ

اٹھائے نہ ہی مرید کی خدمت سے فائدہ اٹھائے۔ (غدیۃ الطالبین ۶۴۳)

میردوں کے اس کردار پر نظر رکھی جائے کہ وہ اپنے مریدوں پر کس کس طرح اور کن کن چیزوں سے مالی بوجھ ڈالتے ہیں کیا وہ خود اس طرح یا کلون اموال الناس بالباطل (پ ۱۰، التوبہ ۳۴) کے عذاب میں گھرے ہوئے تو نہیں۔

پیر ہمیشہ قطعیت کی ادا میں رہتا دکھائی دے

اسلام میں قطعی درجے میں پیشوا برحق ہونا صرف اور صرف نبوت کی شان ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب پر ہر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے انبیاء اور رسل کے۔ غیر نبی اپنے علم میں امام ابراہیم الخلیفیؑ (۹۶ھ) اور حسن بصریؑ (۱۱۰ھ) کے درجے تک کیوں نہ پہنچ جائے اور شیخ طریقت حضرت جنید بغدادیؑ (۱)، ابو بکر شبلیؑ (۲) اور ابو الحسن خرقاویؑ (۳) کی شان کیوں نہ پالے وہ اس قطعیت میں نہیں آ پاتا جو صرف انبیاء کرام اور رسل عظام علیہم السلام کی شان ہے۔

صحابہ کرامؓ میں سے بھی کوئی اس درجہ قطعیت میں نہیں جانا جاتا تھا۔ جو پیر اپنے آپ کو درجہ قطعیت سے کچھ بھی اوپر لے جائے مرید کو چاہیے کہ اسی وقت اس کی ارادت سے کنارہ کشی ہو وہ شریعت میں کہیں بھی مرتد نہیں سمجھا جاتا۔ یہ صرف پیغمبر کی شان ہے کہ جو اس کی ارادت سے نکلے اسی وقت اسے مرتد شمار کیا جائے، بشرطیکہ اس کے حواس صحیح ہوں۔ سو ضروری ہے کہ پیر اپنے مریدوں پر اپنی پیشوائی اور قیادت کا اس طرح نقش نہ بٹھائے کہ وہ اسے درجہ قطعیت میں اپنا پیشوا سمجھنے لگیں اور اس کی بات سمجھ میں آئے یا نہ آئے ہر صورت میں اسے حق پر جانیں۔ اس قطعی درجے کے پیشوا صرف انبیاء و مرسل ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”وما كان الله ليطالعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من

رسله من يشاء فامنوا بالله ورسله“ (پ ۴، آل عمران ۱۷۹)

ترجمہ: ”اور اللہ کی شان نہیں کہ تم عام لوگوں کو وہ اپنے غیب کی کوئی قطعی اطلاع دے، ہاں لیکن اللہ جن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے

چاہے۔ سو تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔“

ساتویں صدی میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی (۶۳۹ھ) اپنے مکاشفات میں اور ان کے بیرو خاص علامہ عبدالوہاب الشعرانی (۹۷۳ھ) ان کی بیرو میں کچھ ایسے نکتے دکھائی دیئے کہ ان کے ہاں بیروں کی بیرو اس درجہ میں قطعی گمان ہونے لگی جو صرف انبیاء کی شان ہے۔

ابن عربی تو پھر بھی ویسے رہے اپنے مکاشفات کو انہوں نے دوسرے مشائخ پر لازم نہ کیا لیکن دسویں صدی میں علامہ شعرانی کچھ اس طرح اڑے کہ ان مقامات کو قواعد تصوف ٹھہرایا اور ایک مستقل کتاب ”الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیۃ“ لکھ دی جس کا عام اثر یہ ہوا کہ تصوف اپنے اس جوہر سے خالی ہو گیا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اور حضرت بھران بھیر شیخ عبدالقادر جیلانی کی میراث تھی۔

دسویں صدی کے اس غلو کے خلاف گیارہویں صدی کے مجدد امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی (۱۰۲۳ھ) اٹھے اور اپنے فاروقی جلال سے بیروں کی اس بیرو کو آپ نے ناجائز بتلایا۔ بعض اونچے درجے کے اولیاء کرام نے ابن عربی کو عالم برزخ میں بیشک مقبولین میں دیکھا اور ان پر لگے الزامات کے جوابات بھی دیئے۔ ”التمہیۃ الطربی فی تنزیہ ابن عربی“ لکھی۔ لیکن پھر بھی ان کی کتابوں کو نہ پڑھنے کا مشورہ دیا، اور علامہ شعرانی کی اس کتاب کو تو چودھویں صدی کے مجدد حضرت تھانوی نے بھی کوئی رعایت نہ دی۔

مجدد الف ثانی حضرت امام ربانی شیخ احمد سرہندی نے بھی شیخ اکبر ابن عربی کی کتاب ”فصوص الحکم“ نہ پڑھنے کا مشورہ دیا اور پورے جلال فاروقی سے فرمایا: ”ہمیں نفس نہیں، کتاب و سنت کی نص چاہیے۔“ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ نے علامہ شعرانی شافعی کی مذکورہ کتاب میں تاویل کی کوئی راہ نہیں دی اور اسے ہر صورت میں چھوڑنے کا حکم دیا۔

دسویں صدی میں بیروں کا اپنے مریدوں کو اپنا بندہ بنانے کا شوق کس طرح قطعی بھرائے میں آگیا تھا اسے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

نامناسب نہ ہو گا کہ ہمارے قارئین بھی اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں:
ہم یہاں اس کتاب کی عربی عبارات نہیں دے رہے، اس کے اردو ترجمہ سے

انہیں ان اقتباسات سے پیش کر رہے ہیں۔ اس میں اگر کوئی ایسی بات ہو جو علامہ شعرانی نے نہ کہی ہو اور وہ مترجم کا اپنا اضافہ ہو تو اسے علامہ شعرانی کے ذمہ نہ لگایا جائے۔ آپ اس کتاب کے اردو ترجمے کی یہ عبارات ملاحظہ کریں اور پھر یہ فیصلہ خود کریں کہ کیا ان عبارات میں پیروں کو قطعی درجے میں پیشوا بنانے کا سبق تو نہیں دیا جا رہا؟

(۱) ”مرید اپنے دل میں یقین رکھے کہ مرشد وہ آنکھ ہے جس سے اللہ تعالیٰ میری طرف رحمت سے دیکھتا ہے۔ شیخ کی رضا سے اللہ تعالیٰ راضی اور شیخ کی ناراضگی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔“

اس قطعی درجے میں تو صرف نبوت ہو سکتی ہے کہ اس کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت سمجھا جائے۔ قرآن کریم میں ہے:

”من يطع الرسول فقد اطاع الله“

یہ عقیدہ تو کسی صحابی کے بارے میں بھی اختیار نہیں کیا جا سکتا کہ مجھے اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ کوئی کتنا ہی بڑا امام کیوں نہ ہو اور کتنا ہی بڑا شیخ طریقت کیوں نہ ہو اسے قطعی درجے سے ذرہ بھر بھی اونچا نہیں سمجھا جا سکتا۔ قطعی درجے میں لائق پیروی ہونا صرف نبوت کی شان ہے۔ قرآن کریم میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۷۹ میں اس پر نص وارد ہے جس کے مقابل کوئی فص لائق قبول نہیں رہی۔

اس کتاب کا ایک اور قاعدہ ملاحظہ ہو:

(۲) ”مرید کا اپنے شیخ کی محبت کو لازم پکڑنا بعض اوقات مکہ مکرمہ کے نقلی سفر سے بھی افضل ہوتا ہے۔ شیخ مرید کو بیت اللہ کے مالک تک پہنچاتا ہے جو کہ بیت اللہ سے افضل ہے۔“

اس تعبیر میں کعبہ کی بے ادبی لہنی ہے اور اسے اللہ کے بالقابل لایا جا رہا ہے۔ حالانکہ کعبہ مکرمہ پر ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات پڑتی ہیں، اس کی تجلیات کو اس سے کبھی بھی جدا نہیں کیا جا سکتا۔ زائرین جب طواف کعبہ پورا کرنے کے بعد باب کعبہ سے لپٹے ہوتے ہیں تو کیا ان کا کبھی یہ عقیدہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیر کی مجلس ہمارے استلام کعبہ سے بھی اونچا درجہ رکھتی ہے۔ کوئی مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی اس تصور کو اپنے ہاں جگہ نہیں دے سکتا۔

(۳) پھر اس کتاب الانوار القدسیہ میں شیخ کی اطاعت کو اس قطعی درجے میں

لانے کی اس طرح بھی تعلیم دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

”اپنے شیخ کی اس طرح اطاعت کرے جیسے فرشتے اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔“

لا یعصون اللہ ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون (پ، التحریم ۶)
ترجمہ: ”وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بات کے خلاف نہیں چلتے اور جو کچھ انہیں کہا جائے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔“
پھر یہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”جس طرح سالک پر شرک سے بچنا لازم ہے، اسی طرح شیخ کی موجودگی میں غیر کی طرف میلان کی بھی ممانعت ہے۔ جس طرح انسان کے دو معبود نہیں، عورت کے لیے بیک وقت دو شوہر نہیں، اسی طرح مرید کے لیے دو شیخ طریقت نہیں۔ جو سالک ایک وقت میں کئی مشائخ سے واسطہ رکھے گا کبھی کامیاب نہ ہوگا۔“

غور کیجیے کہ امام ابوحنیفہ کا مقلد اگر کسی مسئلے میں ان کی بات پر نہ چلے، امام ابو یوسف اور امام محمد کے فتوے پر چلے اسے تو نہیں کہا جاتا کہ وہ امام صاحب کے مقلدین سے نکل گیا۔ کیا یہ بات اس دور کے سالکین نہ جانتے تھے کہ قادری سلسلے کے عظیم بزرگ شیخ انشیر حضرت مولانا احمد علی کارو حانی رشتہ بیک وقت حضرت امر وہی اور حضرت دینوری دونوں سے تھا۔

اب اس بات پر بھی پوری نظر ہونی چاہیے کہ دسویں صدی میں علامہ شعرانی (۹۷۳ھ) نے شیخ اکبر محمد بن الدین ابن عربی (۶۳۹ھ) کے مکاشفات کے زیر اثر مقام ولایت کو مقام نبوت کے بھی کچھ آگے دیکھنے کی کوشش کی۔ گیارہویں صدی امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی (۱۰۳۳ھ) نے اس کی کھلے طور پر تردید کی۔ علامہ شعرانی نے اپنے ان خیالات میں جو پہلے صوفیہ کرام سے استناد کیا ہے یہ بات سرے سے ہی غلط ہے۔ آپ اپنے مکتوب نمبر ۲۶۶ میں لکھتے ہیں:

”عمل صوفیہ درحل و حرمت سند نیست ہمیں بس است

کہ ما ایشان را معذور داریم و ملامت نہ کنیم و امر ایشان

را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم۔ این جا قول امام ابوحنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ معتبر است نہ کہ عمل ابو بکر شبلی و ابو حسن نوری۔“

ترجمہ: ”اہل تصوف کا عمل جائز اور ناجائز کے تعین میں ہرگز سند نہیں۔ انہیں بس اتنی رعایت دی جائے کہ ہم انہیں کسی عذر کے باعث معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ ان کا معاملہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کریں۔ حلال و حرام کے تعین میں (فقہاء سے سند لینی چاہیے) یہاں امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال لائیں، نہ کہ حضرت ابو بکر شبلی اور ابو حسن نوری کے۔“

اس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے صرف علامہ شعرانی کی ہی تردید نہیں کی بلکہ علامہ شعرانی کے ذہنی مرشد شیخ اکبر محمد بن الدین ابن عربی صاحب کی ”فصوص الحکم“ کا ذکر کر کے ان کی بھی تردید کر رہے ہیں۔ انہیں صرف اتنی رعایت دی ہے کہ ہم انہیں ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ رب العزت کے سپرد کر دیں۔

(۴) اکابر علماء دیوبند نے بھی اپنے ہاں علامہ شعرانی کے ان قواعد کی کھلے بندوں تردید کی۔ امام الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کئی (۱۳۱۷ھ) جو تقریباً تمام اکابر علماء دیوبند کے شیخ و مرشد ہیں انہوں نے بھی اپنے وقت میں جام شریعت کو ذرا چھلکنے نہ دیا۔ چودھویں صدی کے مجدد اور حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ ارشد حضرت تھانوی صاحبؒ، حاجی صاحبؒ کے اس ملفوظ کو اپنے پورے حلقہ کے لیے ایک اصولی نقطہ نظر اٹھاتے ہیں۔ جس کی پشت پر دیوبندی مشرب کے سب مشائخ طریقت چاہے وہ چشتی صابری ہوں یا نقشبندی ایک ہی صدا لگاتے سنے گئے ہیں۔ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا:

”سب سن لیس! میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا، خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ خدا مقصود ہے شیخ مقصود نہیں۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ حاضر کر دیا، اگر اس سے زیادہ کی طلب ہو تو میری طرف سے عام

اجازت ہے جہاں سے چاہیں مقصود حاصل کریں اور اگر کسی دوسرے
شیخ سے بیعت کی ضرورت ہے تو بیعت کی بھی اجازت ہے۔“

(اشرف السوانح، ص: ۳۱۲)

امام الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کٹی کے ”اپنا بندہ نہ بنانے اور خدا کا بندہ
بنانے“ کے یہ الفاظ کیا علامہ شعرانی کی کتاب قواعد صوفیہ کے بیانات کی پوری غمازی نہیں کر
رہے؟ اور کون سا حضرت، حاجی صاحب سے پہلے گزرا ہے جس نے اس جلی پیرائے میں
مریدوں کو اپنا بندہ بنانے کے ایسے جال بنے ہوں؟ پھر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے
ان الفاظ میں کہ پیروں کے عمل کو اپنے لیے سند نہ بناؤ، یہاں فقہاء سے فیصلے درکار ہیں، کیا
دسویں صدی کے یہ حالات اس بات کی خبر نہیں دیتے کہ اس دور میں کس طرح مریدین کو اپنا
بندہ بنانے کی یہ راہیں کھولی جا چکی تھیں۔ یہ سوائے اس کے کہ علامہ شعرانی کی اس کتاب
”الانوار القدیہ“ کی کھلی تردید ہو اور کیا سمجھ جا سکتا ہے؟

ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ علامہ شعرانی الشافعی (۹۷۳ھ) نے فقہ شافعی سے کچھ
رعایت لے کر یہ جو راہ کھولی، فقہ حنفی کے علمبرداروں نے وہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی
(۱۰۳۳ھ) ہوں یا پھر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کٹی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)
ہوں یا پھر مجدد صدی چہارم حضرت مولانا اشرف علی تھانوی () تمام فاروقی جلال کے حاملین
اور وارثین نے کھل کر علامہ شعرانی الشافعی کے ان خیالات کی تردید فرمائی ہے۔

سواب کسی حنفی کو زبیا نہیں کہ وہ امام سلسلہ نقشبندیہ حضرت مجدد الف ثانی یا امام
الطائفہ (حضرات علماء دیوبند) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کٹی کے ان فیصلوں کے بعد
مریدوں کو اپنا بندہ بنائے۔ تمام نقشبندیوں اور دیوبندیوں کو چاہیے کہ لوگوں کو اللہ کا بندہ
بنائیں۔ علامہ شعرانی کی اس کتاب سے اپنا بندہ بنانے کے آداب نہ سکھائیں۔ علامہ شعرانی
نے دسویں صدی میں یہ باتیں کہیں اور حضرت مجدد الف ثانی نے جو گیارہویں صدی میں
ہوئے اس قسم کے پیروں کی کھل کر تردید کی سو کسی نقشبندی کو نہ چاہیے کہ وہ علامہ شعرانی کے رد
میں حضرت مجدد الف ثانی کی اس قسم کے پیروں کے خلاف شکایات کو نظر انداز کرے۔

پیروں کا قطعیت سے نکلنے کا ایک عمل

علامہ شعرانی نے مریدوں کو جس قسمی درجے میں اپنے پیشوا ہونے کا سبق دیا ہے انہوں نے پھر اپنے آپ کو اس غلط سبق سے نکلنے کی بھی ایک راہ بتلائی، وہ یہ کہ وہ اپنے پیروں کو اس درجے میں نہ سمجھیں کہ وہ ہر ضرورت اور حاجت سے مستثنیٰ ہیں، یہ صرف خدا کی شان ہے کہ وہ ہر حاجت سے پاک اور بے نیاز ہے۔ ہم پیر اس درجے میں نہیں کہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہ ہو اور اس کے اہل و عیال دینی و دنیوی زندگی میں مریدوں کے حاجت مند نہ ہوں۔

اس کے لیے علامہ شعرانی کی اس کتاب الانوار القدسیہ کی ایک یہ دفعہ بھی ملاحظہ ہو:

(۴۴) ”مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی اولاد اور عیال کی ضروریات کو

ہر چیز پر مقدم رکھے۔ اگر اپنا تمام مال بھی خرچ کرنا پڑے تو یہ گمان کرے کہ میں نے شیخ کے سکھائے ہوئے ایک ادب کا بھی حق ادا نہیں

کیا۔ سید ابو العباس سرسی نے اپنے شیخ حضرت سید محمد حنفی پر تیس ہزار دینار خرچ کیے۔ لوگوں نے ملامت کی تو انہوں نے کہا کہ اگر میں

ساری دنیا کے خزانے بھی ایسے شیخ پر نچھاور کر دوں تو بھی وہ اس ایک ادب کی قیمت نہیں رکھتے جس کو میں نے اپنے شیخ سے سیکھا۔“

کیا کوئی سنجیدہ شخص اس راہ عمل کو پیروں کا اپنے مریدوں کو عقیدہ قطعیت سے

ہٹانے اور انہیں اپنی ضروریات اور حاجات کا احساس دلانے کا ایک سبق کہہ سکتا ہے؟ نہیں! یہ ہرگز طریقت کا کوئی مخلصانہ سبق نہیں۔ کوئی راہ طریقت کا مسافر پیرانہ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اس سبق کو نہیں بھول سکتا:

”جب مرید پیر کے حضور حاضر ہو تو پیر کے لیے لازم ہے کہ مرید کو محض خدا کے لیے قبول کرے نہ کہ اپنے نفس کے لیے۔

اسے چاہیے کہ مرید کو پند و نصیحت کرے، اس پر مہربانی کی نظر رکھے۔

اپنے آرام کے لیے پیر کو مرید کی کوئی چیز قبول نہ کرنی چاہیے۔ اس کے

پاس مال ہو تو اس سے فائدہ نہ اٹھائے، نہ ہی مرید کی خدمت سے فائدہ

اٹھائے۔“ (غنیۃ الطالبین، ص: ۶۴۳)

کیا کوئی طالب علم یہاں یہ سوچے بغیر رہ سکتا ہے کہ جب رسالت کا درجہ ولایت سے بہت اونچا ہے تو جب پیر کے بتلانے ایک ادب کی قیمت اپنا تمام مال اس پر لگا کر بھی پوری نہ ہوگی تو ذات رسالت سے اس نے جو ہدایات پائیں اور جو اسباق پورے کیے ان کا مالی بوجھ افراد امت پر کیا ہوگا؟ پھر یہ کیوں ہوا کہ ہر پیغمبر اپنے حلقہ دعوت میں بھی صدایوں لگاتا رہا:

”لا اسالکم علیہ اجرأ“

ترجمہ: کہ میں تم سے اپنے اس سبق ہدایت کا کوئی اجر نہیں مانگتا۔
پیغمبر تو اپنے سبق کا کوئی اجر نہ مانگے اور پیر اتنا بڑا اجر مانگے، تو کیا ان دونوں میں کوئی راہ تطبیق ہو سکتی ہے؟ مریدوں کا یہ کہنا کہ انوار قدسیہ کی یہ دفعہ کسی عمل کے لیے محض مرید بن کر اپنے پیروؤں کو عقیدہ قطعیت سے نکالنے کی ایک تجویز ہے، اسے کسی طرح تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

یہ اپنے مریدوں کو درجہ نطقیت سے نکالنے کی برین واشنگ کے بعد ان کے مال کو اپنے لیے نکالنے کی ایک نہایت تاریک راہ ہے۔ پھر اس پر ہمارا تعجب اور بھی بڑھ جاتا ہے کہ ایسے پیروں کے حلقہ ارادت میں پھر مختلف حلقے لگتے ہیں۔ کبھی یہ حضرت تاجر برادری کی ایک مینٹگ میں بیٹھے سنے جا چکے ہیں، کبھی ڈاکٹروں کے ساتھ، کبھی وکلاء کے ساتھ علیحدہ علیحدہ نشستیں ہوتی ہیں۔ کسی غریب مخلص مرید کی کیا مجال کہ دولت کی اس ریل پیل میں اپنے لیے صف میں کوئی جگہ پاسکے۔

آنحضرت ﷺ نے تو سب مسلمانوں کو ایک امت بتایا تھا۔ نمازوں میں سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی انصار سے علیحدہ نشست نہ کی تھی، نہ ہی کبھی مہاجرین کا علیحدہ کیمپ لگایا تھا نہ یہ کہ کبھی بدوؤں کے ساتھ یا بیعت رضوان والوں کے ساتھ یا فتح مکہ کے وقت مکہ داخل ہونے والے صحابہ سے کبھی علیحدہ علیحدہ نشستیں کیں۔ یہ پیران کرام کس راہ طریقت میں ایک امت میں یہ مختلف کلاسز لگا رہے ہیں۔

اپنے منقاروں سے حلقہ بن رہے ہیں جال کا

طائروں پر اسحر ہے صیاد کے اقبال کا

پیروں کی عقیدہ قطعیت سے نکلنے کی اس توجیہ سے شاید کوئی بھی اتفاق نہ کرے کہ یہ پیروں کو حاجت مندانه محتاج ہونے کے مقام پر لانے کے لیے اور اپنے آپ کو ان کے قطعی

درجے کے پیشوا ہونے کے عقیدہ سے نکلنے کی محض ایک کاغذی تجویز ہے، ایسا ہرگز نہیں۔ اپنے آپ کو درجہ قطعیت میں رکھنے کی یہی ظلمت کچھ کم نہ تھی کہ یہ مرید کے مال پر اپنا حق رکھنے کی دفعہ اس سے بھی بڑھ کر ایک اور ظلمت اڑھا دی یہ فاسد علی الفاسد۔ کتاب الانوار القدسیہ کیا ہے؟ ظلمات بعضها فوق بعض اندھیرے ہی اندھیرے ہیں، جو ایک دوسرے پر چڑھے جاتے ہیں۔

(۷) شیخ طریقت کو چاہیے کہ وہ اپنے سب مریدوں کے لیے اللہ کے حضور ان کی مغفرت چاہے، ان پر اپنی خدا جیسی قطعی پیشوائی کا دم نہ مارے۔

تا آنکہ ان پر ہمیشہ یہ احساس اترے کہ مغفرت اللہ کے ہاتھ میں ہے، ان پیروں کے ہاتھ میں نہیں۔ نہ یہ وہ آنکھ ہیں جن سے اللہ ان مریدوں پر نظر کرتا ہے۔ الانوار القدسیہ کی یہ دفعہ ۱۹ کسی طرح صحیح نہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ میری طرف رحمت سے دیکھتا ہے (مرید اپنے دل میں یقین رکھیے کہ مرشد وہ آنکھ ہے) یعنی شیخ کی رضا سے اللہ تعالیٰ راضی اور شیخ کی ناراضگی سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

شیخ اپنے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے لیے اللہ کے حضور ان کی مغفرت مانگے۔ حضور اکرم ﷺ کے پاس جب مومن خواتین بیعت کے لیے آئیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ ان کی بیعت قبول کیجیے اور ان کے لیے گناہوں کی مغفرت چاہیں اور ان کی بخشش کی دعا کریں اور اپنی صفت ذکر فرمائی کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(دیکھئے پ ۲۸، الممتحہ ۱۲)

لِبا يِعْمَنُ وَاسْتَغْفِرُ لَهُنَّ اللَّهُ

ترجمہ: آپ ان سے بیعت لیں اور ان کی مغفرت چاہیں۔

(۸) شیخ اپنے ہاتھ سے عورتوں سے بیعت نہ لے

حضور اکرم ﷺ کبھی عورتوں سے معاف نہ کرتے تھے۔ بے شک شیخ روحانی باپ ہے لیکن شرعاً اس سے پردہ ضروری ہے۔ جسمانی معالج پر قیاس کر کے پیر سے بے پردہ ہونے کا جواز نہیں نکالا جاسکتا۔ ہم مفتی احمد یار صاحب گجراتی کے اس بیان سے اتفاق نہیں کر سکتے

کہ جب عورتیں حضورؐ کے پاس بیعت کے لیے آئی تھیں تو انہوں نے اپنے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ مفتی احمد یار صاحب کا یہ بیان درست نہیں ہے:-

یہ مومنہ عورتیں حضورؐ کے ہاتھ پر اس کی بیعت کرتی تھیں کہ ہم آئندہ گناہوں سے بچیں گی، یہ ہی مشائخ کی صحبت کا منشاء ہے۔

(نور العرفان ص: ۸۸۰)

صحیح نہیں وہ حضورؐ کے ہاتھ پر ہرگز بیعت نہ کرتی تھیں۔ پیر کے ہاتھ کسی طرف سے مرید عورتوں کے ہاتھوں کو چھونہ پائیں۔
حضرت ام المومنینؓ کہتی ہیں:-

ما مست یدہ ید امرأۃ قط فی المبايعۃ ما یبايعهن الا بقوله

بایعتک علی ذلک (صحیح بخاری جلد: ۲، ص: ۷۲۶)

ترجمہ: آنحضرتؐ کے ہاتھ نے بیعت لیتے کبھی کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔ آپ ان الفاظ سے بیعت کرتے تھے کہ میں نے تجھے ان امور پر بیعت کر لیا ہے۔

وما مست ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید امرأۃ قط.

(صحیح بخاری جلد: ۲، ص: ۱۰۷۱ کتاب الاحکام)

ترجمہ: آنحضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی (غیر محرم) عورت کو نہیں چھوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا۔

انی لا اصالھ النساء (سنن نسائی ج: ۲، ص: ۱۸۳)

ترجمہ: میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔

(۹) پیر کی ذمہ داری ہے کہ اپنی بیعت سے مرید کی تربیت کرے اگر مرید میں کوئی

خلل یا فتور آئے تو اپنے دل میں اس کی طرف سے توبہ کرے۔ پیر کے ذمہ یہ بھی ہے کہ اپنے مرید کے اسرار کی نگہبانی کرتا رہے مرید کے جس حال کا اسے علم ہو گیا اسے دوسروں پر ظاہر نہ کرے کیوں کہ اسرار امانت ہوتے ہیں (ایضاً)

(۱۰) اگر ہر اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے غصہ سے مغلوب ہو جائے اور اس کا تدارک اس کے بس میں نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو ولایت کے منصب سے معزول کر دے۔ مریدوں سے الگ ہو کر اپنے نفس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو اپنے آپ کو ریاضت میں ڈالے، نفس کے ساتھ جہاد کرے، خود کوئی پیر تلاش کر کے اس کی قربت میں جائے اس سے ادب سیکھے یہاں تک کہ اس کا مزاج اعتدال پر آجائے اور اس کا اخلاق درست ہو جائے۔ اگر شیخ واقعی ان بلاؤں میں گرفتار ہوگا اور مریدان طریقت سے قطع تعلق نہ کرے گا تو یہ اچھی بات نہیں۔

(۱۱) اہل تصوف کی شطیحات سلوک و احسان کے ضابطے نہ بنیں۔

بعض آئمہ تصوف پر کبھی ایسے حالات بھی گزرے ہیں کہ وہ اپنے مقام کو چھپانہ پائے اور ایک جلال میں ان کی زبان سے نکلا:

”قلمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی“

ترجمہ: میرا یہ قدم (اس دور کے) ہر ولی کی گردن پر ہے۔

یہ خود ستائی نہیں ایک غلبہ حال کا اظہار ہے۔ اس پر کسی مبصر کا یہ کہنا شطیحات میں سے ہے:

”حضرت غوثؒ اس وقت مرتبہ الوہیت پر تھے اور حضرت شیخ معین

الدین چشتیؒ مرتبہ عبدیت یعنی نزول میں تھے اور نزول کا عروج سے

افضل ہونا مسلم ہے۔“

(اکابر کا سلوک و احسان، ص: ۸۰، مرتبہ صوفی محمد اقبال ہوشیار پوری، خلیفہ حضرت

شیخ الحدیث ثم مرید و خلیفہ علوی مالکی، مقیم مدینہ منورہ)

نوٹ: شیخ علوی مالکی جن سے صوفی اقبال صاحب پھر جا مرید ہوئے اور ان سے

خلافت پائی ان کے اپنے عقائد معلوم کرنے ہوں تو ڈاکٹر عبدالواحد صاحب مفتی جامعہ مدنیہ

لاہور کے مختصر رسالہ کو ملاحظہ فرمائیں۔ یا حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ خلیفہ حضرت شیخ

الحدیث سے دریافت فرمائیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا یہ مذکورہ جملہ تو آپ نے بارہا سنا ہوگا اور اس کی نئی تشریحات بھی آپ نے پڑھی ہوں گی۔ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں لیکن ہر بندۂ مؤمن کا دل اس نئی اصطلاح تصوف سے کہ اسے الوہیت کا نام دیا گیا اور اس کے مقابل لفظ عبدیت ظہرایا گیا، یقیناً تڑپ اٹھے گا۔

کیا یہ دونوں اصطلاحات شریعت کی معروف اصطلاح کے مقابل نہیں سمجھی جا رہیں؟ پھر ہم کس طرح یہ کہہ سکیں گے کہ طریقت شریعت کے مقابل کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔ اس غلو نے آج کئی نادانوں کو سلوک و احسان سے مطلقاً دور کر دیا ہے۔ احسان کی دونوں منزلیں عبدیت کی ہی دو منزلیں تھیں، یہ الوہیت کا مقام کیسے سلوک و احسان کا نام پا گیا؟ اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

شاہ منصور ایک دفعہ ذاتِ خداوندی میں ایسے کھو گئے کہ اپنی عبدیت کو ہی بھول گئے یہاں تک کہ اس راہ کے شیخین نے جب شریعت کا پیمانہ اچھلتے دیکھا تو ان پر سزائے موت کا حکم دیا۔ کیا منصور کے نعرہ ”انا الحق“ پر حضرت جنید بغدادیؒ کا فتویٰ کفر اسی قبیل سے تھا یہ نہیں کہ وہ شاہ منصور کے اس فنا فی اللہ کے مقام سے ناواقف تھے۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ وہ ولی تھے اور یہ بھی فرمایا کہ آپ معذور تھے، بے ہوش ہو گئے تھے۔ ان پر فتویٰ کفر کا دینا بے جا ہے۔ ان کے باب میں سکوت چاہیے اور اس پر یہ بھی فرمایا۔ اُس وقت دفعہ فتنہ کے واسطے قتل کرنا ضروری تھا۔“ (فتاویٰ رشیدیہ کامل مبوب، ص: ۹۵)

عیب باشد عشق کہ مستور نیست

کشتہ جرم زہاں مغفور نیست

آنکہ منصور است بردارش کنید

ایں انا الحق گوئے خود منصور نیست

پیر صاحبان اس قسم کی باتوں سے کبھی اپنے مریدوں کو اپنے خدا کے ساتھ شریک ہونے کا تصور نہ دیں۔ اگر کسی تاریخی سطح کے بزرگ سے کوئی ایسی بات کسی دلیل سے ملے تو

اے شطیحات میں سے جانیں۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی نے جو یہ لکھا ہے صحیح نہیں:
 ”جس طرح سالک پر شرک سے بچنا لازم ہے۔ اسی طرح شیخ کی
 موجودگی میں غیر کی طرف میلان کی بھی ممانعت ہے۔ جس طرح
 انسان کے لیے دو معبود نہیں۔ عورت کے لیے بیک وقت دو خاوند
 نہیں۔ اسی طرح مرید کے لیے دو شیخ طریقت نہیں۔“
 ”مرید اپنے دل میں یقین رکھے کہ مرشد وہ آنکھ ہے جس سے اللہ
 میری طرف رحمت سے دیکھتا ہے۔“

اہل حق کو ایسی شطیحات سے اپنے مریدین کو بچانا چاہیے۔ ایسی باتیں مریدوں کے
 سامنے لانے سے ہر مومن کے ذہن میں یہ سوال ابھرے گا کہ بندہ تو خدا تک پہنچنے کے لیے
 کوئی وسیلہ اختیار کرے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن خدا اپنے بندے کو اپنے قریب کرنے
 کے لیے اس کے پیر کی آنکھ کو اپنا ذریعہ بنائے، اسے اس کی کیا ضرورت ہے؟ خدا تو متواتر نفل
 پڑھنے والوں کو بھی کبھی اس طرح قبول کر لیتا ہے کہ وہاں کسی پیر کا یا اس کی آنکھ کا کوئی وسیلہ
 نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں:

”لا يزال عبدی يتقرب الی بالنوافل حتی احبته فاذا احبته
 كنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یدہ الذی
 یبطش بہا و رجلہ الذی یمشی بہا“ (صحیح بخاری، جلد ۲، ص ۹۶۳)
 ترجمہ: میرا بندہ قرب نوافل سے میرے یہاں تک قریب آ جاتا ہے کہ
 میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں جب میں اسے اپنا محبوب بنا لوں تو میں
 اس کا وہ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ بن
 جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ تو فرمایا کہ میں اپنے اس مقرب بندے کی آنکھ بن جاتا
 ہوں۔ لیکن یہ کسی آیت یا حدیث میں نہیں ملتا کہ وہ میری آنکھ بن جاتا ہے جس کے ذریعے
 میں اس کے مریدوں کو دیکھتا ہوں۔ اس میں اللہ کے اس مقرب بندے کی یہ حالت بتائی گئی

ہے کہ اس کی اپنی پسند کوئی نہیں رہتی بلکہ وہ ہر چیز کو اللہ کی رضا اور عدم رضا کی عینک سے دیکھتا ہے۔ اور اس کا جو قدم بھی اٹھتا ہے۔ وہ اللہ کی مرضیات میں اٹھتا ہے، اس کی اپنی کوئی پسند یا ناپسند باقی نہیں رہی۔

ایک اور بڑے اونچے درجے کے بزرگ حضرت خواجہ احمد جام جو مستجاب الدعوات مشہور تھے، ایک عورت ان کی خدمت میں اپنے بچے کو لے کر آئی جو ناپسند تھا، اور حضرت سے کہا کہ اس کے منہ پر ہاتھ پھیر دیں اس کی آنکھیں اچھی ہو جائیں گی، آپ وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ یہ کام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا میں اس قابل نہیں ہوں اور چلنے لگے۔ انہیں الہام ہوا، تو کون؟ عیسیٰ کون؟ اور موسیٰ کون؟ پیچھے لوٹ اور اس کے منہ پر ہاتھ پھیر۔ نہ تم اچھا کر سکتے ہو نہ عیسیٰ علیہ السلام، ”مامی کنیم“ ہم کرتے ہیں۔ آپ یہ سن کر واپس لوٹے اور ”مامی کنیم، مامی کنیم“ پڑھتے جاتے تھے اور جا کر اس بچے کے منہ پر ہاتھ پھیر دیا اور اس کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔

برکتہ العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا جتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے بواسطہ حضرت تھانوی نقل کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

”الحق لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ حضرت خواجہ احمد جام ”مامی کنیم“ خود کہہ رہے تھے، حالانکہ یہ ان کا قول نہ تھا بلکہ حق تعالیٰ کا تھا۔ آپ نے اس کی تشریح میں فرمایا:

”جب کوئی کسی گویئے سے عمدہ شعر سنتا ہے تو اس کو اپنی زبان سے بار بار دہراتا ہے اور مزے لیتا ہے۔ اسی طرح وہ بزرگ خواجہ احمد جام اس الہام کی لذت سے حق تعالیٰ کا ارشاد ”مامی کنیم“ بار بار دہراتے تھے۔ ہم اہل السنۃ کے ہاں الہام اور کشف پیشک حق ہے لیکن یہ شرعاً حجت نہیں اور کسی کے الہام یا کشف سے متفق نہ ہونا یہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس قسم کے واقعات سنو تو انہیں موضوع بحث نہ بناؤ، شیطیات میں سے سمجھو انہیں ظاہر شریعت کے مقابلے میں نہ لاؤ، نہ ان بزرگوں کو ملامت کرو۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں: ”ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرو۔“

حضرت خواجہ باقی باللہ (۱۰۱۲ھ) سے کوئی نقشبندی نا آشنا نہ ہوگا۔ آپ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے شیخ طریقت ہیں۔ ایک دفعہ آپ کے ہاں کچھ مہمان آگئے، آپ کے گھر کے قریب ایک بھاریے (نانبائی) کی دکان تھی، اس نے جو یہ چند نورانی چہرے دیکھے تو ان کی میزبانی کے لیے حضرت خواجہ باقی باللہ کے ہاں وہ ایک بڑا خان لگا کر جس میں مختلف قسم کے اچھے اچھے کھانے تھے، حاضر کر دیا۔ حضور اس وقت خوشی سے جموم گئے اور بے اختیار اس کے لیے آپ کی زبان مبارک نکلا۔ ”ماگ کیا مانگتا ہے“ اس نے فوراً عرض کی کہ مجھے اپنے جیسا بنا دو اور بار بار یہی کہا۔ اب اسے برکتہ احصر حضرت شیخ الحدیث سے سنے، آپ فرماتے ہیں:

”اس کو اپنے حجرے میں بلایا اور اندر سے زنجیر لگالی۔ آدھ گھنٹے بعد جب حجرہ کھول دیا تو دونوں باہر تشریف لائے، دونوں کی صورت تک ایک ہو گئی۔ دونوں میں فرق صرف اتنا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ صاحب تو جیسے حجرہ میں گئے تھے ویسے ہی باہر آئے۔ لیکن وہ نانبائی سکر کی حالت میں تھے (جیسے کوئی نشہ میں ہوتا ہے) اور کچھ دیر بعد اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔“

اس قسم کے واقعات پشک حق ہیں لیکن شطیحات کے قبیل سے ہیں۔ یہ کوئی سلوک و احسان کے مقامات نہیں۔ سلوک و احسان کے دونوں مقامات میں عبادت کرنے کے دو پیرائے ہیں جن میں بندہ کبھی مقام عبدیت سے نہیں نکلتا۔ اس کی طریقت کی اڑان کتنی اونچی کیوں نہ ہو، وہ رہتا بندہ ہی ہے۔ ایسے واقعات کبھی کبھی ظہور میں آتے ہیں، انہیں یکجا جمع کر کے ایک ضابطے کی شکل دینا یہ قطعاً درست نہیں۔ نہ انہیں سلوک و احسان کا نام دیا جاسکتا ہے۔

شرعی پہلو سے انہیں کرامات تو کہا جاسکتا ہے، لیکن انہیں سلوک و احسان کے مقامات نہیں کہا جاسکتا۔ اسلام کی پہلی تاریخ کی تیرہ صدیوں میں کسی پہلے بزرگ کی کوئی ایسی تحریر نہیں ملتی جس میں انہیں سلوک و احسان کے مقامات کہا گیا ہو۔

اپنی تو اصلاح نہ ہوئی ہو اور پیر بن کر مریدوں کو ساتھ لگائے رکھنا یہ کسی کو زیبا نہیں یہ ایک کھلا دھوکہ ہے۔ اعاذنا اللہ منها۔

یہ بات ذہن میں ہمیشہ رہے کہ دسویں صدی کے عبدالوہاب شعرانی (۹۷۳ھ) کو شیخ محی الدین ابن عربی (۶۳۹ھ) کے ہم عصر نہ تھے لیکن وہ ابن عربی کے علوم میں اتنے گہرے چلے گئے ہیں کہ وہ انہی کے شاگرد شمار ہوتے ہیں اور اس پر ان کی کتاب الیواقیت والجوہر ایک کھلی شہادت ہے اس نکتہ نظر سے گیارہویں صدی کے مجدد امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندی نے دسویں صدی کے ان پیروں کی کھلے طور پر تردید کی ہے اور ان کا یہ جملہ ہمیشہ قارئین کے ذہن میں رہنا چاہیے کہ ہمیں نص کی ضرورت نہیں نص کی ضرورت ہے۔

نص سے کیا مراد ہے؟ (فصوص الحکم، شیخ اکبر محی الدین کی تالیف اسی کو علامہ شعرانی اپنے الفاظ میں الیواقیت والجوہر میں اپنائے ہوئے ہیں سو حضرت مجدد الف ثانی کا یہ جملہ صرف شیخ اکبر کی تردید میں ہی نہیں علامہ شعرانی کے شطحیات کی بھی تردید کرتا ہے۔ حضرت امام ربانی کے یہ الفاظ کہ ہم کو نص کی ضرورت نہیں نص کی ضرورت ہے۔ نص سے ان کی کیا مراد ہے؟ کتاب و سنت..... اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کے (۱۰۳۳ھ) کے الفاظ ہدیہ قارئین ہیں۔

اولیائے کرام کی حیات برزخی

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعدا

حیات برزخی مخصوص فی القرآن کیا صرف شہداء سے خاص ہے یا بعض طبعی وفات پانے والوں کو بھی شہداء کے ساتھ اس رزق برزخی کی بشارت دی گئی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شہیدوں کی اس برزخی حیات کا نشان بتلایا ہے؟ قرآن کریم نے بعض طبعی وفات پانے والے الہی مقربین کو بھی اسی حیات شہداء میں بواسطہ رزق شریک بتلایا ہے، ان کے زندہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ انہیں برزخ میں رزق دیا جاتا ہے۔

ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله امواتا بل احياء عند

ربهم يبرزقون (پ: ۳، آل عمران: ۱۶۹)

قرآن پاک میں یہ رزق دیا جانے کی بشارت شہداء کے ساتھ بعض طبعی وفات پانے والوں کو بھی دی گئی ہے سو اس یقین سے چارہ نہیں کہ یہ حیات فی البرزخ شہداء کرام کی طرح انبیاء کرام اور بعض اولیاء کرام کو بھی حاصل ہے قرآن کہتا ہے:-

والذين هاجروا في سبيل الله ثم قتلوا اوماتوا ليرزقنهم الله

رزقاً حسناً (پ: ۱۷، الحج: ۵۸)

ترجمہ: اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں یا پھر گئے یا مر گئے

البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاص۔

حیات شہداء میں بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاں روزی خاص دیئے جانے کو ان کی حیات پر بطور دلیل پیش کیا ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ کچھ ان حضرات کو بھی ذکر فرمایا جو قتل نہیں گئے طبعی موت سے یہاں سے گئے۔ یہ اولیاء کرام ہیں اور یہ آیت ان

کی حیات برزخی پر ایک مکمل شہادت ہے۔

سوعالم برزخ میں حیات شہداء کے ساتھ ہمیں حیات اولیاء کے بھی کئی شواہد ملتے ہیں۔ اولیاء کرام کی حیات برزخی انبیاء کرام کی حیات برزخی کا سایہ ہے۔ البتہ انبیاء کرام کے دنیوی ابدان انکی قبروں میں محفوظ ہوتے ہیں اور اولیاء کے لیے اس تحفظ کی ضمانت نہیں دی گئی، تاہم کئی صحابہ کرام کے بھی ابدان ان کی قبروں میں محفوظ پائے گئے اسی طرح بعض اولیاء کرام کے ابدان بھی محفوظ دیکھے گئے۔ اور ان کی مٹی ہوا کی لہروں کو خوشبودتی رہی۔

حیات برزخی کب شروع ہوتی ہے

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ میت کی حیات برزخی قبر میں دفن ہونے پر شروع ہو جاتی ہے۔ یہ ضروری نہیں موت سے جونہی حیات دنیوی ختم ہوئی معا آگے حیات برزخی شروع ہوگئی۔ گو اسے ابھی دفن نہ کیا گیا ہو۔ قبر میں بھی اسے حیات برزخی حاصل ہوتی ہے گو یہ اسی جسم میں جسے دفنایا گیا ہے عود کرے اور یہ حیات برزخی اس وقت تک رہے گی جب تک تجھ تانیہ نہیں ہوتا اور مردے قبروں سے اٹھائے نہیں جاتے۔

سو صحیح یہ ہے کہ میت کو حیات برزخی دفن ہونے سے پہلے مل جاتی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ نے ایک وعظ میں ایک قصہ اس طرح بیان فرمایا:

سلطان الاولیاء کا ایک قصہ

سلطان نظام الدین اولیاء کی حکایت ہے کہ جب آپ کا جنازہ لے چلے تو آپ کے ایک مرید شدت غم کی حالت میں یہ پڑھنے لگے۔

سرد سیمینا بھمرا سے روی

سخت بے مہری کہ بے ما میروی

ترجمہ: اے محبوب آپ جنگل میں جا رہے ہیں، آپ سخت بے مہر ہیں کہ بغیر ہمارے جا رہے ہیں۔

اے تماشا گاہ عالم روئے تو

تو کجا بہر تماشا میروی

ترجمہ: اے محبوب آپ کا رخ انور جہاں کی تماشا گاہ ہے آپ کس کو دیکھنے کہیں اور جگہ جا رہے ہیں۔

کتاب میں لکھا ہے کہ آپ کا ہاتھ کنن سے باہر نکل آیا، اس کے بعد انہیں اشعار پڑھنے سے روک دیا گیا پھر ہاتھ اسی طرح کنن میں برآمد ہو گیا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے ایسے شخص کے اطمینان کا۔

(وعظ روح الصیام ص: ۵۳)

مزارات اولیاء پر تقویت نسبت کا فیض

روحانی نسبت رکھنے والوں کو اولیاء اللہ کے مزارات پر تقویت نسبت ملتی ہے۔ محدثین جن کا ذوق علمی صرف روایت ہوتا ہے وہ اسے پا نہیں سکتے لیکن محققین کے لیے کسی حقیقت کا انکار بہت مشکل ہوتا ہے۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب سے پوچھا کہ کیا ان مزارات سے روحانی فیض ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا:

اما المحدثون فلا اراهم يجوزونه و لكن اجيز انا لكونه ثابتاً
عند ارباب الحقائق غير انه ينبغي لمن كان اهلاً له واما من
كان منغمساً في الظلمات فلا خير له فيه

(فیض الباری جلد: ۳، ص: ۳۳۳)

ترجمہ: محدثین تو اسے جائز نہیں ٹھہراتے لیکن میں اسے جائز سمجھتا ہوں کیونکہ یہ اہل حقائق کے ہاں ثابت ہے ہاں اس میں وہی آئے جو اس کا اہل ہو لیکن جو گناہوں کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہو اسے اس میں کوئی اچھائی نہ ملے گی۔

مترجمین الہمی کی اس جگہ سے جہاں وہ دفن ہوئے کوئی خاص نسبت نہ ہوتی تو وہاں سے کسی کو روحانی فیض نہ ملتا۔

حضرت سید احمد شہید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر

ایک دن حضرت سید احمد شہید حضرت خواجہ خواجگان قطب الاقطاب بختیار کاکی کے مرقد منور کی طرف تشریف لے گئے اور ان کی مرقد مبارک پر مراتب ہو کر بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں ان کی روح پر فتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئی اور آنجناب یعنی حضرت قطب

الاقلاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ کی کہ اس توجہ کے سبب سے ابتداء حصول نسبت چشتیہ کا ثابت ہو گیا۔ پھر اس واقعہ سے ایک مدت گزرنے کے بعد مسجد اکبر آبادی واقع شہر دہلی میں آپ اپنے مستفیدوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کاتب الحروف (یعنی حضرت شاہ اسطیعی شہید) بھی اس محفل ہدایت منزل کے آستان جوہر کی سلک میں مندرج تھا اور سب حاضرین مجلس مراقبہ کے گریبان میں سر ڈالے ہوئے تھے۔ اور آپ تمام مستفیدوں پر توجہ فرما رہے تھے۔ اس مجلس کے اختتام کے بعد کاتب الحروف کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ آج حق جل و علاء نے محض اپنی عنایت سے بلا واسطہ کسی کے نسبت چشتیہ کا اختتام ہمیں ارزانی کیا ہے۔ بعد ازاں طریقہ کی تعلیم اور تلقین میں بازوئے ہمت کھولا اور اشغال کی تجدید فرمائی۔ (صراط مستقیم ص: ۳۳۲)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوئی ہر کسی کو فیض لینے کا اہل نہیں کہتے تھے

حضرت مولانا گنگوئی سے کسی نے پوچھا کہ حضرت قبر سے فیض ہوتا ہے؟ حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ فیض لینے والا کون ہے۔ کہا کہ خلا ”میں“ فرمایا کہ نہیں ہوتا۔ اس پر مولانا شاہ وحی اللہ صاحب الہ آبادی خلیفہ اعلیٰ حکیم الامت حضرت تھانوی فرماتے ہیں:-
میں کہتا ہوں کہ اگر وہ کہہ دیتا کہ خلا آپ (یعنی حضرت گنگوئی) تو حضرت فرما دیجئے کہ ہاں ہوتا ہے۔ (تالیفات مطبوعہ دارالافتاء جلد: ۱، صفحہ: ۲۹۱)
اہل قور سے فائدہ ہوتا ہے کبھی مستغنیس کے قصد سے اور کبھی بغیر اس کے قصد کے جیسے آفتاب سے بلا قصد بھی فائدہ ہوتا ہے۔

(الکلام الحسن صفحہ: ۱۲۰ مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن)

بعض حرارات سے اہل اللہ نے انس و جذب اور سکون و خشک کے اثرات بھی محسوس کیے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۱۵۲ھ) کے حرار کا جذب اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

جب میں دہلی میں وارد ہوا تو آپ کی قبر کی زیارت کو گیا اور موضع قبر کو

انس و شہنشاہ کا موجب پایا (ابجد العلوم ص: ۹۰۱)
مولانا محمد ابراہیم میرسیالکوٹی نے اسے تاریخ الحدیث ص ۴۳۱ میں یہ حدیث عقیدت نقل کیا ہے۔

اولیاء کرام کی حیات فی القبر کے یہ وہ شواہد ہیں جن کا کوئی انصاف پسند عالم انکار نہیں کر سکتا۔

برزخی زندگی میں کلام فرمانا

برزخی زندگی میں انسان کا دنیا کا ساتھ دینا و تمیہ تو نہیں ہوتا لیکن ارادہ الہی سے کئی دنیا کے سے حالات اس پر وارد ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک یہاں کے لوگوں کی آواز سننا ہے اور دوسری بات یہ کہ وہ کبھی اس دنیا کے لوگوں سے ہم کلام بھی ہو جاتے ہیں۔

حضرت زید بن حارثہ کا کلام فرمانا

صحابی رسول حضرت زید بن حارثہ حضرت عثمان کے عہد میں فوت ہوئے۔ ان کا جنازہ رکھا تھا اور لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے، حضرت عثمان کا انتظار تھا، جنازے سے آواز آئی ”السلام علیکم، انصتوا انصتوا“ خاموش! خاموش۔ پھر حضرت زید نے حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بارے میں حق کی شہادت دی۔ یہ ان حضرات کے برحق ہونے کی ایک برزخی آواز تھی۔ معلوم ہوتا ہے حضرت زید عالم برزخ میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے اعزاز و اکرام کو دیکھ کر اس کی شہادت دے رہے تھے۔ آپ نے حضرت عثمان کے بارے میں بھی شہادت کی خبر دی۔

یہ عالم برزخ میں پہنچے ایک نئے مسافر کی روحانی آواز تھی جس کو اس جہاں والوں نے سنا۔

حافظ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں:

شهد ابوہ احداً و شہد ہو بحدراً و ذکر البخاری و غیرہ انہ

الذی تکلم بعد الموت (اصابہ جلد: ۱، ص: ۵۶۵)

اور حاشیہ تہذیب میں حضرت نعمان بن بشیر سے یہ روایت اس طرح ملتی ہے:-

لما توفی زید بن حارثہ انظر بہ خروج عثمان فقلت

اصلى ركعتين فكشف الثوب عن وجهه فقال السلام عليكم السلام عليكم واهل البيت يتكلمون فقلت وانا فى الصلوة سبحان الله سبحان الله فقال انتصروا انتصروا محمد رسول الله كان ذلك فى الكتاب الاول صدق صدق صدق ابوبكر الصديق ضعيف فى جسده قوى فى امر الله كان ذلك فى الكتاب الاول صدق صدق صدق عمر بن الخطاب قوى فى جسده قوى فى امر الله كان ذلك فى الكتاب الاول صدق صدق صدق عثمان ابن عفان

(تہذیب ج: ۳، ص: ۴۰)

حضرت ثابت بنانی کا قبر میں نماز پڑھنا

(۲) حنفیہ ابو نعیم (۳۳۰ھ) لکھتے ہیں:-

عن جبير قال والله الذى لا اله الا هو لقد ادخلت ثابتاً البنانى فى لحده و معى حميد الطويل فلما سويتا عليه اللبن سقطت لبنة فاذا هو فى قبره يصلى

(حلیۃ الاولیاء جلد ۱، وشوق وطن ص ۲۳ حضرت تھانویؒ)

ترجمہ: جبیر سے مروی ہے آپ کہتے ہیں بخدا جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں میں نے خود ثابت بنانی کو قبر میں اتارا میرے ساتھ حمید الطویل بھی تھے۔ جب ہم نے ان پر اینٹیں لگائیں تو ایک اینٹ گر پڑی ہم نے قبر میں دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔

حضرت ثابت البنانیؒ حضرت انس کے شاگرد ہیں اور حدیث صحیح الانبیاء احمیاء

فی قبورہم یصلون کے راوی ہیں۔ ان کے کسی لفظ سے جبیر اور حمید کو پتہ چلا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں بیٹھے ہوئے پایا۔ دنیا میں ان کی دعا تھی کہ اے اللہ انبیاء کے سوا بھی اگر تو کسی کو حیات فی القبر دے تو مجھے بھی یہ عزت عطا فرما۔ جبیر اور حمید کہتے ہیں ہم نے ان کو قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ایک صحابی کو قبر میں سورت ملک پڑھتے پایا گیا

(۳) آنحضرت کے صحابہؓ میں سے کوئی بغیر جانے کہ یہ قبر ہے اس پر بیٹھ گیا۔ اس نے قبر سے انسان کی آواز سنی جو سورہ ملک پڑھ رہا تھا۔ اس نے سورہ ملک پوری پڑھی اس نے آکر اس واقعہ کی حضورؐ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا بے شک سورہ ملک بخیر ہے جو اسے عذابِ قبر سے بچا رہی ہے۔ (اخرجہ الترمذی عن ابن عباسؓ)

حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ قبریں خالی گڑھے ہیں ان میں دفن ہونے والے کا اس قبر سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

(۴) حافظ محمود بلگرامی اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے۔ وفات کے بعد ان کی قبر سے ہر شب جبکہ قرآن پڑھنے کی آواز آتی تھی اور اسے اہل اللہ دور دور سے آکر سنتے تھے، عامی اسے سن نہ پاتے۔

(اخبار الاصفیاء ماخوذ از ماثر الکرام)

(۵) ایک بزرگ کہتے ہیں میں ایک شخص کے لیے قبر کھود رہا تھا، میں لحد بنا رہا تھا کہ ساتھ کی قبر سے ایک اینٹ گر پڑی۔

فاذا الشیخ جالس فی القبر علیہ ثیاب بیض تققع و فی حجرہ مصحف و هو یقرأ فیہ لرفع رأسه وقال لی القامت القیامة رحمک للہ؟ قلت لا قال رد اللبنة الی موضعها عاذاک اللہ تعالیٰ فرددتها

(احکام القرآن ج: ۳، ص: ۷۸، اللکھنؤ ایچاس الرازی، طبیح ادارۃ القرآن دارالعلوم الاسلامیہ کراچی)

ترجمہ: کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بزرگ قبر میں بیٹھے ہیں۔ ان کے کپڑے سفید ہیں اور وہ بہت اٹھ رہے ہیں اور اس بزرگ کی گود میں قرآن شریف ہے اور وہ اسے دیکھ کر پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے سر اٹھایا اور مجھے کہا کیا قیامت واقع ہوگئی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر اینٹ کو اپنی جگہ رکھ دو اللہ تمہاری حفاظت فرمائے پھر میں نے اینٹ کو اس کی جگہ لوٹا دیا۔

(۶) امام بخاریؒ دلائل النبوة میں ابن میناء سے نقل کرتے ہیں:-

قال دخلت الجبانة فصليت ركعتين خفيفتين ثم اضطلجت الى قبر فوالله اني لنبهان اذ سمعت قائلاً في القبر يقول قم فقد اذيتي انكم لتعملون ولكن لا تعلمون ونحن نعلم ولا نعمل تالله لان اكون صليت مثل ركعتيك احب الي من الدنيا وما فيها (احكام القرآن ج: ۳، ص: ۱۷۹)

ترجمہ: میں ایک دیرانے میں جا نکلا۔ وہاں میں نے دو مختصر رکعتیں پڑھیں اور ایک قبر سے ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ بخدا میں ابھی جاگ ہی رہا تھا کہ میں نے قبر سے کسی کو کہتے سنا یہاں سے اٹھ جاؤ۔ تو نے اس طرح مجھے تکلیف دی ہے۔ بے شک تم عمل کرتے ہو لیکن اس کی قدر جانتے نہیں اور ہم قدر جانتے ہیں لیکن عمل نہیں کر سکتے۔ خدا کی قسم! میں تیری دو رکعتوں جیسی دو رکعتیں پڑھ لیتا تو یہ مجھے دنیا و ما فیہا سے زیادہ عزیز تھا۔

(۷) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: شیخ محمد ترک کے گھر کے قریب دو شہیدوں کی قبریں تھیں۔ اور وہ دونوں حافظ قرآن تھے۔ آپ نے ان کی قبروں سے تلاوت قرآن کی آواز سنی۔ دونوں کا پڑھنا اس طرح تھا جیسے ایک دوسرے کے ساتھ دور کرتے ہوں۔

(اخبار الاخبار)

(۸) امام بخاریؒ اپنی تاریخ میں عبد اللہ بن عبید اللہ الانصاری سے روایت کرتے

ہیں۔ انہوں نے کہا: میں ان لوگوں میں تھا جنہوں نے ثابت بن قیس بن شماس کو قبر میں اتارا، آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ آپ کہتے ہیں:-

فلما ادخلناه قبره سمعناه يقول (۱) محمد رسول الله (۲)

ابوبکر الصديق (۳) عمر الشهيد (۴) عثمان امين رحيم فنظرونا

اليه فاذا هو ميت (احكام القرآن ج: ۳، ص: ۱۸۱ طبع کراچی)

ترجمہ: جب ہم نے انہیں قبر میں اتارا تو ہم نے انہیں چار باتیں کہتے سنا۔ (یہ عالم مدخ کی شہادتیں ہیں جو اس دنیا کے لوگ سن رہے ہیں)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں، ابو بکر صدیقؓ ہیں، عمر شہیدؓ ہیں اور عثمان کے سپرد
 کتابت کی جائیں گی۔ اور وہ مسلمانوں پر بہت رحم دل واقع ہوں گے۔ ہم
 نے غور سے ان کی طرف دیکھا وہ بحالت میت یہ کلام فرما رہے تھے۔
 رئیس الحدیث ملا علی قاری کہتے ہیں:

قال ابن ملک فیہ دلیل ان بعض الاموات یصلو منہ ما
 یصلو عن الاحیاء (مرقات جلد ۴، ص: ۳۶۷)
 ترجمہ: اس میں دلیل ملتی ہے کہ بعض اموات سے کبھی زعدوں کے
 عمل بھی صادر ہوتے ہیں۔

ہاں ہمہ ان کا شمار برزخ کے لوگوں میں ہوتا ہے اور وہ اس دنیا کے زعدوں میں
 شمار نہیں کیے جاسکتے۔

(۹) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے حزار پر قوالی ہو رہی تھی۔
 کسی عارف نے حزار پر مراقبہ کیا کہ کیا حضرت اس عمل سے راضی
 ہیں؟ حضرت نے فرمایا:

ایں بد بختاں وقت مارا پریشان کردہ اند

(ماخوذ از تلخوگات مولانا احمد رضا خاں حصہ اول)

ترجمہ: ان بد بخت قوالی کرنے والوں نے ہمارے اوقات عبادت میں
 انتشار ڈال رکھا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اکرام کے ابدان مبارکہ جو دفن ہیں ان میں حیات
 برزخی موجود ہے جس سے وہ نیک اعمال کی برکات محسوس کرتے ہیں اور بدعات سے انہیں
 شدید پریشانی ہوتی ہے۔

(۱۰) شیخ عزالدین عمر کہتے ہیں: میں ۵۵۵ھ میں سید احمد رقاویؒ کے
 ساتھ سفر حج میں تھا، حج کے بعد آپ مدینہ منورہ پہنچے اور روضہ انور پر
 سلام کے لیے حاضر ہوئے۔ آپ نے اس طرح سلام عرض کیا: السلام
 علیکم یا جدی (نانا جان، آپ پر سلام ہو) حضورؐ نے جواب میں فرمایا:
 وعلیک السلام یا ولدی (میرے بیٹے تجھ پر سلام لوئے) اس پر

حضرت سید احمد رقاؒ پر وجد کی حالت طاری ہوگئی۔

(شرف مختتم للعلامة السیوطی ص ۱۸۶)

یہ آواز شیخ عزالدین کوفوق الاسباب آری تھی۔ اس میں قبر مبارک کی اوپر کی مٹی اور دیوار کی کثافت حاصل نہ تھی اور یہ باعلام الہی تھا کہ عزالدین اسے سن رہے تھے۔ یہ دس شہادتیں ہم نے مختلف ادوار کی مختلف حوالوں سے آپ کے سامنے رکھ دی ہیں۔ ان کی قدر مشترک تو اتر کو پہنچتی ہے کچھ روایات باعتبار اسناد کزور بھی ہوں تو قدر مشترک میں ان سے بھی وزن آجاتا ہے۔

حضور کی امت میں حیات برزخی اس طرح بھی دیکھی گئی ہے

شیخ ابو یعقوب سنویؒ کہتے ہیں میرے پاس ایک شخص آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ وہ کل تلہر کے وقت مرے گا۔ اگلے دن میں نے دیکھا کہ وہ شخص مسجد حرام میں آیا ہے، اس نے طواف کیا اور کچھ قاصلے پر جا کر اس نے جان دے دی۔

میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا۔ جب میں نے اسے قبر میں رکھا تو

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ (فضائل صدقات ج: ۲، ص: ۴۷۸)

اس کی آنکھیں تو کھلیں لیکن یہ نہیں کہ اس کی نبض بھی چلی ہو اور اس کے جسم کو نشوونما بھی ملا ہو۔ نہیں۔ عالم برزخ کی زندگی ان تمام دنیوی لوازم کے ساتھ نہیں ہوتی۔ لیکن ان کی یہ برزخی حیات اس جسم میں ہوتی ہے جو اس دنیا میں تھا، لیکن اس حیات کا قیام تغذیہ و دھمیہ سے نہیں ہوتا۔ رہا یہ سوال کہ اسے اپنی موت کے وقت کی کیسے اطلاع ہوگی؟ جواب: اعلام الہی سے۔ اور اولیاء اللہ کو الہام ہونا برحق ہے۔ گو شریعت میں اسے سند نہیں مانا جاتا لیکن اس کا واقع ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔

بعضی حیات برزخی قبر سے باہر بھی دیکھی گئی

ہم نے مختلف ادوار کے دس واقعات آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ ان کی رو سے بدن میت میں کسی نہ کسی درجے میں برزخی زندگی موجود پائی گئی لیکن بعض ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ میت کو اس جسد عنصری کے علاوہ ایک بدن مثالی ملا اور اس کی روح اس مثالی بدن میں بھی (حیات برزخی سے) ایک درجہ حیات میں اتری اور لوگوں نے بعد وفات اس شخص کو اپنے جسد مثالی سے کہیں باہر چلنے پھرتے دیکھا اور اسے اس کا پہلا بدن گمان کیا۔ مگر ان کا یہ گمان درست نہ تھا تاہم اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ حیات برزخی کا پھیلاؤ بہت

وسیع ہے۔ یہ اپنے اصلی بدن پر سایہ ڈالتے ہوئے جسد مثالی تک اثر انداز ہوتی ہے۔ عالم برزخ کے مسافر اس جسد مثالی کے واسطے سے اس جہاں میں رہتے حج اور عمرہ کے حظ (روحانی) سے بھی محظوظ ہوتے ہیں۔ اسے حیات فی القبر اس جہت سے کہا جاتا ہے کہ ان کا یہ چلنا پھرنا اس دور میں ہے جو ان کا قبر کا دور ہے گو وہ باہر کسی بدن مثالی سے ہو۔

(۱) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ ایک دفعہ آپ حضرت مرزا محمد زاہد ہردویؒ کے درس سے فارغ ہو کر واپس آرہے تھے۔ راستے میں ایک غیر آبادی گلی پڑتی تھی۔ آپ اس میں سے گزرتے ہوئے حضرت سعدیؒ کے شعر پڑھ رہے تھے:

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز سر عشق ہرچہ بخوانی بطلات است
سعدی بشوی لوح دل از نقش غیر حق
علمی کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

آخری مصرع آپ کو یاد نہ آ رہا تھا۔ پہلے مصرعے کو بار بار دہراتے مگر انکا مصرعہ سبقت نہ کرتا۔ اچانک پیچھے سے ایک درویش نکلا اور کہا: علمی کہ راہ حق نہ نماید جہالت است (یعنی وہ علم جو حق کی راہ نہ دکھائے علم نہیں جہالت ہے) حضرت شاہ عبدالرحیمؒ فرماتے ہیں میں نے اس درویش کا نام پوچھا، انہوں نے کہا:

”سعدی ہمیں فقیر است“

(فتاویٰ رضویہ ج: ۷، ص: ۱۱۰ بالفاظ مختلفہ)

اس فقیر کا یہاں آنا اپنے طور پر نہ تھا یہ سب خدا کی طرف سے ہی ہو سکتا ہے جس نے اپنے بندوں کو کبھی اس طرح مثالی طور پر ظاہر ہونے کا موقع دے رکھا ہے معراج کی رات بیت المقدس میں انبیاء کرام بھی صف باندھے دیکھے گئے۔

(۲) شیخ محمد فاضل (۱۳۰۲ھ) سورت کے ایک بزرگ گزرے ہیں۔ آپ نے عرفہ کے دن وفات پائی۔ آخری وقت فرمایا: میں حج کے لیے جا رہا ہوں۔ سورت کے باشندے حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے مولانا کو حج کے دن عرفات میں دیکھا ہے، یہ ان کا وفات کے دن عرفات پہنچنا جسد مثالی سے تھا اور یہ حقیقت

میں خدا کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے نہ کہ یہ کسی مخلوق کی اپنی قوت ہے بہر حال آپ کی یہ حکایت اس طرح لکھی ہے:

دیکھے از خوارق آنجناب یوم حج بود گفتہ کہ برائے حج سے روم چون بعضے
از ساکنان سورت از حج قارغ شدہ آمدند گفتند کہ مولوی صاحب را
عرفات بروز حج دیدہ ام (حقیقت سورت ص: ۹۳ فارسی)

مثالی جسد کیا صرف جسد میت کا بدل ہے یا کسی زندہ انسان کو بھی جسد مثالی مل سکتا ہے۔ واقعہ مذکورہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بدن میت کو جسد مثالی میں ظاہر کیا، لیکن ایسے واقعات بھی ہیں کہ ایک زندہ انسان بھی جسد مثالی میں کئی جگہوں پر دیکھا گیا۔ شیخ عطاء اللہ اسکندری کے ایک شاگرد حج پر گئے تو انہوں نے شیخ کو مطاف میں پایا۔ حالانکہ آپ اس سال حج پر نہ گئے تھے۔ پھر آگے انہیں مقام ابراہیم پر بھی دیکھا، صفا و مردہ میں بھی دیکھا اور عرفہ میں بھی حج کے دن دیکھا۔

جب حج سے واپس ہوئے اور شیخ سے حج کے حالات عرض کئے تو انہوں نے پوچھا وہاں کن کن سے ملاقات ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا آپ کو بھی وہاں دیکھا تھا۔ اس پر آپ مسکرا دیئے۔ (اکمال الشیم)

ہو سکتا ہے کہ انہیں طی مسافت کی کرامت حاصل ہو اور زمین ان کے لیے پیٹ دی گئی ہو اور وہ بہ نفس نفیس وہاں پہنچے ہوں تاہم یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں وہ کسی دوسرے مثالی بدن میں دکھائی دیئے ہوں۔

(۳) محدث جلیل حضرت علامہ ابن ہام اسکندریؒ ایک دفعہ انہی شیخ عطاء اللہ اسکندری کے حزار پر گئے اور سورہ ہود پڑھی۔ جب اس آیت پر پہنچے، فمنہم شقی و سعید (بعض ان لوگوں میں بد بخت ہیں اور بعض نیک بخت) تو امد سے آواز آئی، لیس فینا شقی (ہم میں کوئی بد بخت نہیں) علامہ ابن ہام نے وصیت کی کہ مجھے بھی شیخ کی قبر کے قریب دفن کیا جائے۔ ان بابرکت ہستیوں میں کوئی بد نصیب نہ رہے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ حضرت شیخ کو اپنی قبر میں حیات برزخی حاصل تھی، اور ان کا اس دنیا میں کلام اس دنیا والے بھی اگر وہ کوئی روحانی نسبت رکھتے ہیں سن سکتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں اللہ والوں کے جسد دفن ہوتے ہیں ان کی برکات دور دور تک پہنچتی ہیں ورنہ علامہ

ابن امام جیسے محقق کبھی یہ وصیت نہ کرتے۔

۔ شہیدانِ محبت کو کبھی مرتے نہیں دیکھا
حیاتِ جاوداں ملتی تو ہے لیکن فنا ہو کر
یہ چند واقعات ہم نے گزارش کئے ہیں جن میں قدر مشترک کے طور پر اہل قبور کی
زندوں سے ہم کلامی کا پتہ چلتا ہے۔ تذکرہ حضرت شاہ عبدالرحیم مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی
امروہی کے آخر میں ایک ضمیمہ بعنوان ”اہل قبور کی زندوں سے ہم کلامی“ مولفہ حضرت مولانا محمد
منصور نعمانی منسلک ہے۔ حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری نے بھی فتاویٰ رحیمیہ کی جلد ہفتم
میں اس قسم کے مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

اللہ کی مشیت سے جس طرح مردے زندہ لوگوں کی بات سن سکتے ہیں
اسی طرح اللہ کی مشیت سے مردوں کی بات زندہ لوگ بھی سن سکتے ہیں
اور یہ سننا زیادہ تر خواب (نیند) میں ہوتا ہے اور گاہے بیداری کی
حالت میں بھی ہو جاتا ہے۔ اور دونوں قسم کے صحیح واقعات مستند کتابوں
سے ملتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج: ۷، ص: ۱۰۸)

طی الارض کا ایک واقعہ حضرت تھانویؒ کے الفاظ میں

(۴) حضرت مولانا احمد حسن صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت
حاجی صاحب سے کہا کہ حضرت میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک ایسا راستہ ہے
کہ اگر انسان ظہر کی نماز پڑھ کر چلے تو مدینہ منورہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مغرب کی نماز مکہ معظمہ
میں واپس آ کر پڑھ سکتا ہے۔ حضرت نے فرمایا مجھے تو معلوم نہیں چونکہ میں بہت بے تکلف تھا
عرض کیا کہ جب آپ کو یہ معلوم نہیں تو یہاں مکہ معظمہ میں رہنے کی کیا ضرورت تھی یہ کہہ کر چلا آیا۔

چند روز کے بعد حضرت حاجی صاحب نے مجھے فرمایا کہ آؤ ذرا سیر
کریں میرا ہاتھ اپنے ہاتھ مبارک میں لے کر باہر چلے ایک پہاڑ پر
چڑھے اور اس سے اترتے ہی معاملہ مدینہ منورہ پہنچ گئے وہاں نماز پڑھ کر
تیسری نماز مکہ معظمہ میں لوٹ کر پڑھی میں نے اپنے جی میں خیال کیا
کہ اب تو راستہ معلوم ہو ہی گیا ہے ہمیشہ جایا کریں گے۔ حاجی
صاحب کی کیا ضرورت ہے جب موافق اپنے خیال کے اس راستے

سے جانا چاہا تو اس پہاڑ پر چڑھائی نہ جاسکا۔ (کرامات امدادیہ)
 ملی الارض (زمین کا لپیٹ دیا جانا) بھی ایک کرامت ہے معراج کی رات مکہ سے
 لے کر بیت اللہ تک حضورؐ کے لیے زمین لپیٹ دی گئی تھی۔ مولانا احمد حسن صاحب کو اس
 صورت عمل کا علم تجربات کی رو سے ہوا انہیں بدعات نہیں کا جاسکتا۔

فوت شدگان خواب میں زندوں کی رہنمائی میں

جو لوگ اس دنیا سے رخت سفر باندھ گئے اور اب وہ قبروں میں اقامت گزریں ہیں
 کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ خواب میں آکر کسی چیز کی نشاندہی کر گئے اور صبح ان کی بتائی بات
 ویسے ہی نکلی جیسے خواب میں دیکھی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جہان سے جانے والوں
 کو اس جہان سے ایک گونہ رابطہ موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے، وہ اس جہان والوں کی باتیں
 بھی کرتے ہیں اور کبھی ان سے باتیں بھی کرتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ وہ مرحومین ان موجودین کو باختیار خود دکھائی نہیں دیتے۔ باذن الہی وہ
 ان کے خواب میں آتے ہیں۔ لیکن ہم یہ نہیں سمجھ سکتے کہ اللہ رب العزت نے ان زندوں کو
 بشارت دینے کے لیے ان مرحومین کو ہی کیوں اختیار کیا؟ کیا اس سے شرک پھیلنے کا احتمال نہ
 تھا کہ دیکھو مردوں کے رابطے اب بھی زندوں سے قائم ہیں۔

ان کے مدد کرنے سے ان سے مدد مانگنے کی راہ نہیں کھلتی

ان مرحومین کا خواب میں آکر کسی بات کا پتہ دینا اور بات ہے اور ہم خود ان
 مرحومین سے کچھ مانگیں یہ اذہر بات ہے ہمیں یہی حکم دیا گیا کہ مدد مانگو تو اللہ سے مانگو یہاں ہم
 جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں وہ تحت الاسباب ہے۔ اللہ تعالیٰ خود کسی فرشتے کو بھیج کر یا
 کسی روح مقرب کی زیارت سے ہماری مدد کر دے تو یہ مدد اللہ کی طرف سے ہی سمجھی جائے گی
 نہ کہ ان ارواح یا فرشتوں کی طرف سے۔ ہاں اللہ رب العزت نے جب خود اس سلسلے کو جواز
 بخشا تو یہ اعتقاد رکھنا کہ مردے بعض اوقات زندوں سے کلام بھی کرتے ہیں اور ان کی رہنمائی
 بھی کرتے ہیں اس میں ہمیں ہرگز کوئی خطرہ شرک نہیں۔ اس میں اس بات کا جواز نہیں ہے کہ
 یہاں کے زندوں کو اپنی مدد کے لیے مرحومین کو آواز دینا بھی جائز ہے۔ (معاذ اللہ) جب ہمیں
 یہ تعلیم دی گئی کہ تم نے (فوق الاسباب) جو مانگنا ہے وہ خدا سے ہی مانگو تو اب اس کے بعد
 کہاں کوئی خطرہ شرک رہ جاتا ہے۔

(۱) حافظ ابن قیم بیان کرتے ہیں: صعب بن جسامہ اور عوف بن مالک منہ بولے بھائی تھے۔ صعب نے کسی یہودی سے دس دینار قرض لیے مگر چھ مہینے کے بعد وہ انہیں استعمال کرے اس کی وفات ہو گئی اس نے وہ دینار گھر میں ایک سینک میں رکھے تھے۔ عوف نے صعب کو خواب میں دیکھا۔ صعب نے اسے کہا میں نے فلاں یہودی سے دس دینار قرض لیے تھے اور وہ میرے ہاں قرن میں رکھے ہوئے ہیں۔ وہ اس یہودی کو دے دیئے جائیں۔ صبح عوف صعب کے گھر آیا اور گھر والوں سے قرن اتروا لیا اور اس میں ان دیناروں کو تلاش کیا۔ انہیں واقعی اس میں دس دینار کی ایک تھیلی ملی۔ یہودی نے وہ دینار دیکھتے ہی پہچان لیے کہ یہ بھیہ وہی دینار ہیں جو میں نے اسے دیئے تھے۔

(کتاب الروح ص: ۱۹)

(۲) حضرت ثابت بن قیس اس جنگ میں شہید ہوئے جو میلہ کذاب کے خلاف حضرت خالد بن ولیدؓ کی زیر کمان لڑی گئی تھی۔ ثابت بن قیس کے بدن پر ایک نہایت قیمتی زرہ تھی جسے حضرت ثابت کی شہادت کے بعد کسی مسلمان نے اتارا اور اسے کہیں چھپا کر رکھ دیا۔ حضرت ثابت لشکر کے ایک مجاہد کو خواب میں دکھائی دیئے اور فرمایا: ایک شخص نے میری زرہ لے لی ہے اور اس کا خیمہ بالکل آخری کنارہ پر ہے اس نے زرہ کو ایک بڑی ہانڈی کے نیچے چھپا رکھا ہے تم خالد بن ولید سے کہو کہ کسی شخص کو بھیج کر میری وہ زرہ منگوا لیں اور جب تم مدینہ پہنچو تو خلیفہ رسول حضرت ابو بکر سے کہنا کہ شام پر اتنا قرض ہے اسے ادا کر دیا جائے۔ میں اپنے فلاں فلاں غلاموں کو آزاد کر چکا ہوں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے وہ زرہ پالی اور اسے مدینہ منورہ لے آئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کے کہنے کے مطابق ان کی وصیت کو نافذ

کیا۔ (کتاب الروح ص ۲۱ ملخصاً)

اس وصیت میں اپنے کسی حق کو چھوڑنے کا بیان ہے کسی حق کو لینے کا نہیں۔ کسی سے

اپنا حق لینے کے لیے شرعی ثبوت درکار ہے نہ کہ کوئی خواب یا مکاشفہ۔

(۳) حضرت ابن نافع نے ابولواس مرحوم کو خواب میں دیکھا بڑے اچھے لباس میں

ہیں۔ محمد بن نافع نے آپ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کیسے معاملہ ہوا۔

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے
حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم
سز کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

انہوں نے کہا میں نے اپنی وفات سے پہلے چند شعر لکھے تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا۔ وہ اشعار میرے نکیہ کے نیچے رکھے ہوئے ہیں۔ محمد بن نافع کہتے ہیں صبح ہوتے ہی میں ان کے گھر پہنچا اور اپنا خواب سنایا۔ ایک نکیہ کے نیچے واقعی مجھے وہ شعر ملے:-

يا رب ان عظمت ذنوبى كثرة
فلقد علمت بان عفوك اعظم

ان كان لا يرجوك الا محسن

فمن الذى يدعو و يرجو المجرم

(۴) جلیل القدر تابعی حضرت ابو قلابہ ایک سفر میں تھے کہ ایک جگہ کسی

قبر کے سہارے لیٹ گئے۔ خواب میں دیکھتے ہیں صاحب قبر شکایت

کر رہے ہیں کہ تو نے مجھے تکلیف دی۔ قبر پر سر رکھ کر نہ سونا چاہیے۔

(ضمیرہ مولانا نعمانی ص: ۱۶۱)

یہ تو حضرت ابو قلابہ کو معلوم تھا کہ وہ قبر پر سر رکھ کر سوئے ہیں اس قبر والے کو کیسے

اطلاع ہوئی۔ اور قبر سے سہارا لینے والا تو مٹی سے سہارا لیتا ہے اور وہ مٹی باہر سے صاحب قبر کو

نہیں چھو رہی پھر اسے تکلیف کیونکر پہنچی۔ ہم کہتے ہیں ان احوال برزخیہ کا ہم احاطہ نہیں

پاسکتے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو قبر پر چڑھے دیکھا تو فرمایا:

انزل عن القبر لا تؤذ صاحب القبر ولا يؤذک

(رواہ الطحاوی فی شرح معانی الآثار ج ۱، ص: ۲۳۸)

ترجمہ: قبر سے اتر آؤ، قبر والے کو اذیت نہ دے اور نہ وہ تجھے اذیت دے۔

حضرت ابو قلابہ سے قبر والے نے جو کہا صحیح کہا تاہم اس میں کسی شک کو راہ نہیں کہ

یہاں سے جانے والوں نے یہاں کے معاملات میں بارہا زندہ انسانوں کی رہنمائی کی ہے۔

لیکن یہ سب کچھ اپنی طرف سے نہیں مشیت ہاری تعالیٰ سے وجود میں آتا رہا ہے۔ یہ صاحب قبر کی حیات برزخی ہے جس کے سبب اس نے قبر پر بیٹھنے والے سے اذیت محسوس کی اور یہ مردوں کے زعموں سے ایک گونہ تعلق کا ایک کھلا ثبوت ہے (۱) مولانا محمد ازہر مدیر الخیر ملتان اس مضمون پر حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

حاشیہ: اس جہاں سے رخصت ہونے والوں نے زعمہ انسانوں کی بعض مواقع پر جو رہنمائی کی ہے وہ تاریخ کے مستند حوالوں سے ثابت ہے۔ اور یہ کسی دور کے ساتھ خاص نہیں۔ دور حاضر میں بھی اس طرح کے نشانات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ راقم (محمد ازہر) کی اہلیہ حفصہ مرحومہ (بنت سردار محمد اجمل خان لغاری) جو ایک پارسا خاتون تھیں، 1995 میں زچگی کی حالت میں رحلت کر کے دوچہ شہادت پر فائز ہوئیں ان کے جوتے وہیں ہسپتال میں رہ گئے تھے انہوں نے خواب میں آکر بتایا کہ وہ ہسپتال میں فلاں جگہ ہیں وہاں سے اٹھو لو۔ خواب کے مطابق ہسپتال جا کر دیکھا تو جوتے موجود تھے حالانکہ ان جوتوں کا علم نہ مجھے تھا نہ بچی کو حتیٰ کہ ہسپتال والے بھی بے خبر تھے کہ یہ جوتے کسی مریض کے ہیں یا موتی کے ہیں۔ (ازہر)

خفقانِ خاک احساس لذت بھی رکھتے ہیں

حکیم الامہ حضرت تھانویؒ ایصالِ ثواب کی بحث میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔ مردہ کے پاس جب قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کو لذت آتی ہے۔ علامہ جلال الدین السیوطی نے شرح الصدور میں ایسی حکایتیں لکھی ہیں ایک حکایت یہ لکھی ہے کہ خواب میں ایک عورت نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم قبر پر آتے ہی قرآن شریف نہ پڑھا کرو توڑی دیر بیٹھ کر قرآن شریف شروع کیا کرو تا کہ میں پہلے تمہیں دیکھ لوں۔ کیونکہ جب تم قرآن شریف شروع کر دیتے ہو تو اس کے انوار میں تم چھپ جاتے ہو میں تم کو دیکھ نہیں سکتی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوستوں کے قبر پر آنے سے مردہ کو لذت اور سرور ہوتا ہے۔ (وعظ الذکر ص ۱۴)

قال محمد بن واسع الموتیٰ یعلمون ہزوارہم یوم الجمعة و یوماً قبلہ و یوماً بعدہ (ارشاد الساری الی مناسک الملا علی قاری ص ۳۳۳)
ترجمہ: فوت شدگان جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کے دن اپنی قبروں پر آنے

دالوں کو پہچانتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عام مومنین کو بھی قبروں میں ایک حیات برزخی حاصل ہے گو ان کے بدن محفوظ نہ رہیں۔ ان کی خاک کے ذروں میں بھی یہ ادراک حیات ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر پر آنے والے کا نہ صرف احساس کرتے ہیں بلکہ انہیں پہچانتے بھی ہیں اور قریب سے تلاوت کرنے والے کی تلاوت سے انہیں فائدہ بھی ہوتا ہے۔ اس لطیف تعلق کا انکار کسی طرح درست نہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت جہاں بھی ایصالِ ثواب کی نیت سے کی جائے اس کا ثواب مرحومین کو پہنچتا ہے گو وہ کتنی دور تلاوت کر رہا ہو۔ و اقربہ الحافظ ابن تیمیہ

روشن دل لوگ جب کالمین کی قبروں پر حاضری دیتے ہیں تو ان کی روحانی نسبت بہت قوی ہو جاتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے مزار پر بڑا فیض ہوتا ہے۔ اور وہ فیض تقویتِ نسبت کا ہے۔ (حسن العزیز حصہ ۴، ص: ۱۰۷)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لوگوں کو قبور اولیاء پر جانے سے منع کیا کرتے تھے۔ کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا وجہ یہ ہے کہ وہاں جا کر ان کی نسبت محسوس ہوگی اور اس کے سامنے شیخ موجودین کی نسبت ضعیف معلوم ہوگی، پھر ان سے استفادہ نہ ہو سکے گا۔ (ایضاً ص ۱۳۶)

بے شک اہل قبور سے تقویتِ نسبت حاصل ہوتی ہے لیکن تعلیم و اصلاح کا سلسلہ اللہ تعالیٰ نے زندوں کے ذریعے قائم کیا ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:۔
باقی رہا نفعِ تعلیم و اصلاح تو علم ہوتا ہے بتانے سے اور اصلاح ہوتی ہے محبت سے اور حالات کے دیکھنے سے، سو یہ زندہ ہی سے ہو سکتا ہے
نہ کہ مردہ سے۔ (ایضاً ص ۳۳۵)

رہا انسانوں کی دنیوی ضرورتوں کا پورا ہونا تو اسے اللہ تعالیٰ نے یہاں اسباب سے وابستہ فرمایا ہے۔ وہ چاہے تو ان کے لیے کچھ باطنی اسباب پیدا فرمادے۔ لیکن بندے کو زیبا نہیں کہ وہ ظاہر سے رخ پھیر کر دنیوی کاموں کے لیے اہل باطن کی قبروں پر حاضری دے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں دنیا میں شرک کا آغاز قبر پرستی سے ہی ہوا تھا۔
(رد المحتار جلد اول، ص)
حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ میت کو قبر میں رکھنے کے
بعد اس قدر حیات اس میں ڈالی جاتی ہے کہ وہ آرام یا تکلیف کو محسوس کر سکے۔

فی الشامی جلد ۳ ص ۱۳۳ ولا یرد تعلیب المیت فی قبرہ
لانہ توضع فیہ الحیاء عند الماتۃ بقلو ما یحس بالالم و
البنیۃ لیست بشرط عند اهل السنۃ بل تجعل الحیاء فی
تلک الاجزاء المتفرقۃ الی لا یدرکھا البصر

ترجمہ: میت کے عذاب کا انکار نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہل اسلام
کے ہاں میت میں اس قدر حیات ضرور ڈالی جاتی ہے کہ وہ تکلیف
محسوس کر سکے اور عذاب قبر کے لیے جسم کا یکجا ہونا اہل سنت کے ہاں۔
کوئی شرط نہیں بلکہ حیات انہی اجزاء متفرقہ میں بھی ڈالی جاتی ہے۔
جنہیں نظر نہ پاسکے۔ (کفایت المفتی جلد: ۱، ص: ۱۹۶)

حضرت مفتی صاحب کا یہ ارشاد عام اموات کے بارے میں ہے کہ ان میں ایک
کو نہ حیات ضرور رکھی جاتی ہے جس سے ان پر عذاب قبر ہوتا ہے۔ یہ حیات اگر ریزہ ریزہ
ہوئے بدن کے اجزائے متفرقہ میں ہو تو یہ عام مشاہدے میں نہیں آسکتی۔ رہے اولیاء کرام اور
ان سے اوپر شہداء کرام اور پھر انبیاء علیہم السلام تو ان کی قبر کی حیات ان سے ممتاز ہے۔
حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

ہاں انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ نے ایک مخصوص اور ممتاز حیات عطا
فرمائی ہے۔ جو شہداء کی حیات سے ممتاز ہے اور شہداء کو ایک حیات عطا
ہوئی ہے جو اولیاء کی حیات سے امتیاز رکھتی ہے۔ مگر یہ زعم گمیاں دنیا کی
زعمی سے علیحدہ ہیں کیونکہ دنیا کی زعمی کے لوازم ان میں پائے نہیں
جاتے۔ (کفایت المفتی: ج ۱، ص ۷۷)

دنیا کی زعمی کے لوازم میں یہاں کی مادی خوراک اور بول و براز کے تقاضے اور
بھر وقت گزرنے پر جسم کا ڈھلنا اور ڈھیلا ہونا، نظر کا کمزور ہو جانا، دانتوں کا ٹوٹنا اور پیاروں کا

دروہ یہ وہاں کی برزخی زندگی میں نہیں۔ گوان کی زندگی ان کے انہی ابدان میں ہوتی ہے جو قبر میں رکھے گئے۔ حضرت مفتی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت رسالت پناہ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح کا مجالس میلاد میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقہ سے۔

اگر مفارقت کے بعد مانا جائے تو آپ کا قبر مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ موجب تعظیم۔ (کفایت المفتی جلد اس ۱۶۰)

انبیاء کی حیات فی القبر اپنے درجہ کی ہے اور اولیاء کی اپنے درجہ کی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے عارف باللہ حضرت حاجی امداد اللہ کی وفات کا جو مادہ تاریخ لکھا یہ تھا:

حمی دخل الجنة

(آپ ابھی زندہ ہیں اور جنت میں داخل ہو چکے ہیں)۔

حضرت حاجی صاحب کی وفات ۱۳۱۷ھ میں ہوئی اور یہ اس مادہ تاریخ کے ہی

اعداد ہیں۔

عالم برزخ میں روح کا دنیوی بدن سے تعلق حیات

روح اعلیٰ علیین سے دنیوی بدن غضری پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے اسے سمجھنے کے لیے قبر کے اندر کے حالات کو تو منظر عام پر نہیں لایا جاسکتا لیکن ہمیں اولیاء کرام کی حیات برزخی کے ان کے دنیوی بدن میں اترنے کی ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ برزخی حیات کا یہ حامل بدن کئی دن تک اسی حالت میں دکھایا جاتا رہا جیسا کہ ابھی روح نے اس سے پرواز کیا ہو۔ بارہویں صدی کے عارف باللہ میر عبدالجلیل بکرامی کے نام نامی سے کون واقف نہیں آپ میر غلام علی آزاد بکرامی مصنف ماثر اکرام کے نانا تھے آپ کا انتقال دہلی میں ۲۳ ربیع الاول ۱۱۳۸ھ کو ہوا آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو بکرام میں دفن کیا جائے۔ آپ کے نواسہ پیر غلام علی آزاد بکرامی لکھتے ہیں:-

آپ کی ایک کرامت یہ بھی تھی کہ باوجود اس کے کہ تابوت کو دہلی سے بکرام لے جانے میں چودہ دن لگے اور گرمی کا موسم تھا مگر آپ کا جسم مبارک بالکل صحیح و سالم تھا کسی عضو میں کوئی بھی تغیر نہیں ہوا تھا جسد

مطہر تازہ ریت کی طرح تابت سے چارپائی پر رکھا گیا آپ کے ہم
درس استاذ محققین میر طفیل صاحب بگرامی نے اپنے ہاتھوں آپ کو قبر
میں اتارا۔ (ماثر الکرام دفتر اول ص ۲۶۶)

مرحوم کی حیات برزخی اسی وقت سے شروع تھی جو نبی آپ نے اس دنیا سے رخت
سفر باعدھا تھا لیکن آپ کی روح پُر توح (اعلیٰ علیین سے یا جہاں بھی وہ ہو، اندیہ قبور پر ہو یا فضا
کی کسی لہر میں) آپ کے دنیوی جسد عنصری سے برابر حیات کا تعلق قائم کئے رہی ورنہ چودہ دن
تک بدن بالکل صحیح سالم کیسے رہا۔ یاد رہے کہ اس وقت ریفریج ریٹرجم کی کوئی چیز نہ تھی جو بدن
کی گرمی کے کسی اثر کو روک لے۔ سوائے اس کے نہیں کہ برگزیدہ اولیاء کرام کے لیے عالم
برزخ میں اس حیات کا اقرار کیا جائے جو بدن عنصری سے تعلق قائم کئے ہو یہ شان اصل میں تو
انبیاء کی ہے کہ ان کے ابدان پر عناصر (مٹی ہو یا ہوا) اثر نہیں کرتے لیکن ان کی نسبت سے اللہ
تعالیٰ بعض اولیاء کرام میں یہ جلوہ دکھا دے تو اللہ تعالیٰ کے اس دست کرم کو کوئی روک نہیں سکتا۔

مشہور الہمدیٹ عالم (باصلاح جدید) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے بھی
حضرت مولانا عبدالخلیل بگرامی کی نسبت ان کے چودہ دنوں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے۔

(دیکھئے تاریخ الہمدیٹ ص: ۴۵۲، طبع مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور)

حضور ﷺ کے دن میں تین دن کی تاخیر محض اس لیے کر لی گئی تھی کہ آپ کے بدن
اطہر پر عناصر ربوہ کے کسی طور پر اثر انداز ہونے کا کوئی خطرہ نہ تھا آپ اس وقت اس برزخی
حیات میں تھے جو برابر آپ کے بدن اطہر پر اپنا اثر قائم کئے ہوئے تھی آج بھی وہ بدن عنصری
اسی طرح نرم ہے جس طرح دن کے وقت تھا اور روح القدس اس سے وہ تعلق حیات قائم کئے
ہوئے ہے کہ آپ نماز بھی پڑھتے ہیں اور زائرین کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں گویہ نمازیں
اور جواب سلام ایک برزخی پردے میں ہوں جن کو نہ ہر آنکھ دیکھ سکے نہ ہر کان سن سکے ہاں
اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے سے یہ پردہ اٹھا دے تو وہ اس ایمان پر در منظر کو ان آنکھوں سے بھی
دیکھ لیتا ہے جیسا کہ حضور نے حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

شیر انوالہ لاہور کے شیخ اٹھنیئر مولانا احمد علی کی قبر کی مٹی سے جو کئی دن خوشبو آتی رہی
وہ اس لیے تھی کہ بدن دلی اس مٹی سے پیوست تھا یہ بدن دلی کے آثار حیات میں سے ہے جو
عالم برزخ میں واقعی ایک برزخی حیات رکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں علم لدنی کی خبر

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى!

قرآن کریم نے سورہ آل عمران میں آنحضرتؐ کے چار فرانس رسالت بیان کئے ہیں (۱) قرآن کریم کی تلاوت (اس کا پڑھنا اور سنتا) (۲) اپنے فیضِ محبت اور توجہ سے صحابہؓ کے دلوں کو پاک کرنا (ان کا تزکیہ باطن) (۳) انہیں قرآن کی تعلیم دینا اور (۴) حکمت سکھانا۔

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم
يتلو عليهم اياته ويزكيهم و يعلمهم الكتاب والحكمة وان

كانوا من قبل لفي ضلال مبين (پ ۴، آل عمران ۱۶۳)

لیکن قرآن کریم نے سورہ البقرہ میں ایک اور علم کی بھی خبر دی ہے جو منکھوۃ نبوت سے بطریق انکاس کا طین امت کو ملتا ہے اسے اس کے مرتبہ عالیہ کی وجہ سے ما کے عموم میں لپیٹ دیا ہے یہ اس کی عظمت شان کا پتہ دیتا ہے۔ جیسے فلاوحی الی عبدہ ما اوحی میں ما عظمت شان پر دلالت کرتا ہے۔

كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم اياتنا ويزكيكم
و يعلمكم الكتاب والحكمة و يعلمكم ما لم تكونوا
تعلمون (پ ۲، البقرہ ۱۵۱)

ترجمہ: جیسا کہ بھیجا ہے ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے (۱) وہ پڑھتا ہے تم پر ہماری آیتیں (۲) اور پاک کرتا ہے تم کو اور (۳) سکھاتا ہے تمہیں کتاب (قرآن کریم) اور (۴) اس کے اسرار (حکمت) اور (۵) سکھاتا ہے تمہیں جو تم نہ جانتے تھے۔

اس آیت کے آخری حصہ میں **یَعْلَمُکُمُ الْکِتَابُ وَ الْحِکْمَةُ** کے بعد **یَعْلَمُکُم** پھر سے لایا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ **یَعْلَمُکُمُ الْکِتَابُ وَ الْحِکْمَةُ** کی تفسیر نہیں ایک اور علم ہے جو حضور اکرم ﷺ حدیث و فقہ کے سوا صحابہؓ کے دلوں پر اتارتے تھے یہ وہ فیضِ باطنی ہے جو آپ **یَعْلَمُکُمُ الْکِتَابُ (تعلیمِ حدیث) وَ الْحِکْمَةُ (فقہ و استنباط)** کے علاوہ صحابہؓ کے دلوں میں اتارتے تھے یہ وہ نورِ باطن ہے جو صحابہؓ کو بطریق القاء ملتا تھا۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۳۲۵ھ) یہاں لفظ **یَعْلَمُکُم** کو دوبارہ لانے کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں:-

تکرار فعل (یعلم) علیٰ ان التعلیم من جنس آخر و لعل المراد به العلم اللدنی الماخوذ من بطون القرآن و من مشکوٰۃ صلیب النبی ﷺ الذی لا سبیل الیٰ ذرکہ الا الانعکاس (تفسیر مظہری جلد: ۱ ص:)

ترجمہ: فعل **یَعْلَمُکُم** کا تکرار اس لیے ہے کہ یہاں **(یَعْلَمُکُمُ مَا لِم تَکُونُوا تَعْلَمُونَ)** میں کوئی اور طرح کی تعلیم مراد ہے غالباً اس سے مراد وہ علم لدنی جو قرآن کے لفظوں اور حضور پاک ﷺ کے روشن سینہ سے چلا اس تک پہنچنے کا ذریعہ وہ انعکاس ہے جو صحابہؓ کے دلوں پر اتارتا تھا۔

حضور اکرم ﷺ کا روشن سینہ صحابہؓ کے قلوب پر عکس لگن ہوتا تھا اور وہ اس انعکاس سے علم لدنی پالیتے تھے اس علم لدنی کی عکس پذیری کے لیے صحابہؓ کو کثرتِ ذکر کی تعلیم دی گئی۔ چنانچہ سورہ البقرہ کی اس آیت ۱۵۱ کے آگے آیت ۱۵۲ یہ ہے۔

لَاذْکُرُونِیْ اذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْنَ ۝ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَلَا تَقُولُوْا لِمَنْ یَقْتُلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِن لَّا تَشْعُرُوْنَ (۱۵۳)

ترجمہ: سوا ب تم میرا ذکر کرو میں یاد رکھوں گا تمہیں اور احسان مانو میرا اور میری ناشکری نہ کرنا۔ اے ایمان والو! مدد لو صبر اور نماز سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اور نہ کہو ان کو جو مارے

گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں وہ تو زندہ ہیں لیکن تم کو خبر نہیں۔
حضرت شیخ الہندؒ (۱۳۳۹ھ) اس کی اس طرح تفسیر کرتے ہیں۔

جب ہماری طرف سے تم پر اتمام نعت کمر ہو چکا (یعلمکم کے تکرار سے تمہیں
علماً اور عملاً کامل کیا) تو اب تم کو لازم ہے کہ ہم کو زبان سے، دل سے، ذکر سے، فکر سے
ہر طرح سے یاد کرو اور اطاعت کرو ہم تم کو یاد کریں گے یعنی نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں تم پر ہوتی
رہیں گی۔ اور ہماری نعمتوں کا شکر خوب ادا کرتے رہو اور ہماری ناشکری اور معصیت سے بچتے
رہو چونکہ ذکر اور شکر اور ترک کفران جو پہلے مذکور ہوئے تمام طاعات اور منہیات شرعیہ کو محیط
نہیں جن کا انجام دینا دشوار امر ہے اس کی سہولت کے لیے یہ طریقہ بتلایا کہ صبر اور صلوة سے
مدد لو کہ ان کی مدد سے تمام امور تم پر سہل کر دیئے جائیں گے اور اس آیت میں یہ اشارہ
بھی ہے کہ حیا میں محنت اٹھاؤ کہ اس میں صبر اعلیٰ درجہ کا ہے۔ جس نے اللہ کے لیے جان دی
وہ اس جہاں میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر نہیں اور اسکی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب
صبر کا نتیجہ ہے۔

سب سے پہلے ذکر پر زور دیا گیا اس سے دلوں میں وہ پاکیزگی آجاتی ہے کہ مشکوٰۃ
نبوت کے انوار بلا واسطہ یا وسائط ان پر اترنے لگتے ہیں اور یہ وہ علم لدنی ہے جس میں
حضور ﷺ نے فرائض رسالت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اسرار الہیہ کا بھی پتہ دیا ہے۔
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حضرت کے اس علم لدنی کا پتہ دیا ہے جسے
حضرت موسیٰ علیہ السلام اولاً سمجھ نہ پائے تھے۔

لوجوداً عبداً من عبادنا اتیناہ رحمة من عندنا و علمناہ من
لدننا علماً (پ ۱۵، الکہف ۶۵)

ترجمہ: پس موسیٰ اور ان کے ساتھی نے پایا ایک بندہ ہمارے بندوں
میں سے جس کو دی تھی ہم نے اپنے ہاں سے رحمت اور سکھایا تھا
اسے ہم نے اپنے پاس سے علم لدنی۔

علم تکوین کی یہ جزئیات اور دقائق کو نبیہ کے اسرار حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اس
طرح نہ کھلے تھے جس طرح وہ اس علم لدنی میں پائے گئے۔
یہ قرآن پاک میں علم لدنی کی صریح لفظوں میں خبر دی گئی ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس علم کے حصول کی راہ کا اس طرح پتہ دیتے ہیں۔
ولما كان طريق تحصيل تلك المعارف منحصرأ في
اللقاء والانعكاس وكان كثرة الذكر والمرآة يفيد القلب
وللنفس صلاحية الانعكاس من مشكوة صدر النبي ﷺ بلا
واسطة او بوسائط عقب الله سبحانه بقوله فاذكروني.

(تفسیر مظہری جلد ص)

ترجمہ: جب ان معارف کے حاصل کرنے کا طریقہ بس یہی ہے کہ
ایک طرف سے القاء ہو اور دوسری طرف سے انعکاس (مرشد اور
مرید کے مابین یہ ربط قائم ہو) اور کثرت ذکر اور مراقبات دل کو قوت
دیتے ہیں (اس کے زنگ کو دھو ڈالتے ہیں) اور نفوس میں مشکوۃ
نبوت سے ان انوار کی عکس پذیری (اس فیضان کو قبول کرنا) وہ
بلا واسطہ ہو یا اس کے آگے کئی اور وسائل ہوں، کی صلاحیت موجود تھی
تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد حکم دیا کہ مجھے کثرت سے یاد کرو میں بھی
تمہیں یاد رکھوں گا۔ صرف یہی نہیں اللہ رب العزت نے جہاں بھی
ذکر کا حکم دیا علمکم مالکم تکونوا تعلمون میں اس کی طرف
اشارہ فرمایا۔ معاموشین ذکر فرمایا۔

فاذا أنتم فاذكروا الله كما علمكم مالكم تكونوا تعلمون

(پ ۲، البقرہ ۲۳۹)

ترجمہ: سو جب تم امن پاؤ تو اللہ کا ذکر کرو جیسا کہ اس نے تمہیں وہ
کچھ سکھایا جو تم نہ جانتے تھے۔

اس علم کے جاننے میں جو مشکوۃ نبوت سے بصورت القاء اور ظروف امت میں
بطریق انعکاس اترتا آیا ہے اور اللہ رب العزت کے ذکر میں ایک مناسبت ہے۔ دلوں کا
زنگ ہے جو انوار نبوت کو ان میں اترنے نہیں دیتا اور دلوں کے زنگ دھونے کا طریقہ قرآن
کریم میں ذکر ہی بتایا گیا ہے، جتنا بھی ہو سکے۔

جب عشق سکھاتا ہے آداب سحرگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

علم لدنی علم شرائع سے ماوراء ایک طلاء اسرار ہے
نامناسب نہ ہوگا کہ پہلے علم اسرار کی چند کڑیاں آپ کے سامنے رکھی جائیں اس
سے علم لدنی کی لطیف پہچان ہو سکتی ہے۔

خواب اور ظاہر اس کے مطابق ہونے والے واقعات میں بہت لطیف رابطہ ہے
اجنبائی لطیف دماغ ہی اس ربط پر قابو پاسکتے ہیں۔ یہ نہ علم احکام ہے، نہ علم تذکیر، نہ یہ موضوع
رسالت ہے کہ اسے آگے لے جایا جائے، نہ یہ کوئی باب تاریخ ہے کہ اسے یاد رکھنا مطلوب ہو
یہ وہ خاص علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اطلاع علی الاسرار کے طور پر دیتا ہے یہ وحی نبوت
سے الگ ایک وادی اسرار ہے جس میں صرف علم لدنی والے ہی داخلہ پاتے ہیں اللہ نے
حضرت یوسفؑ کو وحی نبوت کے طور پر جو علم دیا وہ آپ کو بہ بجز ایہ اجزاء دیا گیا اور تعبیر روڈیا کا علم
آپ کو علم لدنی کے طور پر مرحمت ہوا۔

وکلنک یجییک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث.....

ان ربک علیم حکیم (پ ۱۲، یوسف ۶)

ترجمہ: اور اسی طرح تجھ کو برگزیدہ کرے گا تیرا رب اور تجھے تاویل
احادیث کا علم دے گا (کہ باتیں کس طرح ٹھکانوں پر لگائی جاتی
ہیں) بے شک تیرا رب خبردار ہے حکمت والا۔

جس طرح آپ کو سلطنت بطور خاص انعام کے دی گئی تعبیر خواب آپ کو علم لدنی
کے طور پر عطا ہوا حضرت یوسف ان دونوں انعامات الہیہ کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:-

رب قد ایتنی من الملک وعلمتنی من تاویل الاحادیث

(یوسف: ۱۰۱)

ترجمہ: اے میرے رب! تو نے دی مجھے کچھ حکومت اور سکھایا مجھے وہ

علم جس میں باتیں کس طرح ٹھکانوں پر لگائی جاتی ہیں۔

حضرت خاتم النبیینؑ کو علم لدنی مکاشفات کی راہ سے دیا گیا! ایک دفعہ اللہ تعالیٰ نے

اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے دو کندھوں کے مابین رکھا۔ ہاتھ رکھتے ہی آپ پر آسمانوں کے دروازے کھل گئے ملاء اعلیٰ آپ کے سامنے کھل گیا آپ فرماتے ہیں:-

فوضع يده بين كفتي حتى وجدت بردها بين لديني لعلمت
ما بين السموات ومالي الارض (جامع ترمذی ج: ۳، ص: ۱۵۵)
ترجمہ: پس اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے دو کندھوں کے مابین رکھا میں
نے اس کی ٹھنڈک اپنے سینہ میں پائی اسی وقت میں نے آسمانوں اور
زمین کے اندر کی باتیں جان لیں۔

یہ علم شراخ کا نہیں اس کا تعلق خدا کے نظام نگوین سے ہے یہیں سے یہ مسئلہ استنباط
کیا گیا ہے کہ کشف و الہام شریعت میں حجت نہیں۔ اس سے کئی اسرار تو بے شک کھلتے ہیں
لیکن ان سے قانون ترتیب نہیں پاتا۔

حضور ﷺ نے علم تعبیر میں ایک لطیف اشارہ دیا لیکن ہم ابواب فقہ میں اسے
نہیں لاسکتے۔ حضرت انس بن مالک کہتے ہیں حضور نے فرمایا۔

ترجمہ: خواب میں اسماء سے تعبیر لو اور اس کی کیتھوں سے اشارات لو۔

اس امت کے کئی کا ملین بھی علم لدنی پا گئے

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق جملہ صدیقوں کے پیشوا تھے آپ کو خود حضور اکرم ﷺ سے
تعبیر خواب کی اجازت ملی تھی اور آپ حضور کے سامنے اس علم لدنی کی خبر دیتے تھے۔ حضور نے
بعض کی تصدیق فرمائی اور بعض میں اصلاح کی۔ ایک دفعہ فرمایا:-

اصبت بعضاً واخطأت بعضاً (سنن ابن ماجہ ص ۲۸۸)

۲۔ امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) اس امت میں علم روایہ کے امام تسلیم کئے گئے ہیں
مسلمانوں میں اس فن پر لکھی گئی کتاب ”تعطیر الانام“ انہی کی تعبیرات و نبوض کا علمی خزانہ
ہے۔ آپ اہل بدعت کی روایات لینے سے بہت لرزاں تھے یہی، وہ لوگ ہیں جنہوں نے
اولیاء اللہ کی روحانی پرواز کو سخت کدھر کر رکھا ہے

۳۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) نے جن شیوخ سے سلوک کی منزلیں
طے کیں تذکرہ نگاروں نے ان میں حضرت خضر کا ذکر بھی کیا ہے، آپ پر حضرت خضر کے علم

لدنی کی جھلک اتری تھی اور آپ پر خدا کے نظامِ بگومین کے بہت اسرار کھلے تھے، انہوں نے کئی لوگوں نے نادانی میں آپ میں کئی خدائی طاقتوں کا تصرف دیکھا اور وہ شرک و زندقہ کا شکار ہوئے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سے علم لدنی کی ایک بڑی عطا سے نوازا تھا۔

۴۔ شیخ اکبر محمد الدین ابن عربی (۱۲۳۸ھ) بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جن پر اس امت میں علم لدنی کا دروازہ عجیب شان سے کھلا تھا۔ فتوحات مکیہ آپ کی وہ روحی فتوحات ہیں جو آپ نے کشف والہام کی راہ سے پائیں علماء نے آپ کی کئی باتوں سے سخت اختلاف بھی کیا ہے لیکن ان میں ایسے بھی ہیں جنہوں نے آپ کو عالم برزخ میں مقبولین کی صف میں دیکھا ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے التہیہ الطربی میں آپ کی طرف سے پوری صفائی پیش کی ہے اور آپ کو اہل اللہ میں شمار کیا ہے۔

۵۔ شاہ شمس تبریز (۷۰۰ھ) بھی علم لدنی کی بڑی نعمت پائے ہوئے تھے مولانا روم (۶۷۲ھ) جیسے جلیل القدر عالم آپ کے حلقہ ارادت میں تھے آپ کا یہ شعر اہل علم سے کبھی مخفی نہیں رہا۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم

تا غلام شمس تبریزی نہ شد

۶۔ شیخ ابوالحسن الشاذلی (۶۵۶ھ) شاذلہ افریقہ کی ایک بستی کا نام ہے آپ وہاں کے رہنے والے تھے حزب التحریر آپ کا ترتیب یافتہ وظیفہ ہے بہت سے کالمین اس کے ساحل پر آئے لیکن کم ایسے خوش نصیب ہوئے جو اسے عبور کر پائے۔ شیخ نقی الدین ابن دقتی العید کہتے ہیں میں نے ابوالحسن شاذلی سے بڑھ کر کسی کو عارف باللہ نہیں دیکھا۔

۷۔ شیخ ابراہیم دسوقی (۶۷۶ھ) آپ پرندوں اور جانوروں کی بولیوں پر بہت دسترس رکھتے تھے آپ نے شریعت کے ظاہر کے مقابل ایک علم خفی کا پتہ دیا ہے جسے کئی دوسرے بزرگوں نے علم لدنی کا نام دیا ہے، آپ ایک جگہ فرماتے ہیں:-

الشریعة اصل والحقیقة فرع فالشریعة جامعة لكل علم

مشروع والحقیقة جامعة لكل علم خفی

(لؤلؤ الاوار جلد: ۱، ص: ۱۳۳)

ترجمہ: شریعت ایک جڑ ہے اور حقیقت اس کا پھیلاؤ ہے سو شریعت ہر

علم کی جو چل نکلے جامع ہے اور حقیقت ہر علم خفی کو بھی شامل ہے۔

یہاں علم مشروع اور علم خفی دو لفظ ایک دوسرے کے متقابل ہیں

۸۔ حضرت علی الخواص برسی (ھ) بالکل امی تھے آپ شیخ عبدالوہاب شعرانی

(۵۹۷۳ھ) کے شیخ ہیں۔ علامہ شعرانی نے ایواقت والجواہر اور الجواہر والدرر میں ان کے بعض

اقوال نقل کیے ان سے ان کے گہرے علم کا پتہ چلتا ہے ان کے ہاں عالم وہی ہے جو نقل اور

اصلاً علم نہ پائے اس پر اللہ کی طرف سے علم کے انوار اترے ہوں، اسے آپ خضریٰ مقام

کہتے تھے، یہی لوگ علم لدنی کے حامل ہوئے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

لا یسمی عندنا عالماً الا من کان علمه غیر مستفاد من نقل

او صدر بان یکون خضری القام (لوائح الانوار جلد ۲، ص ۱۳۷)

ترجمہ: ہمارے ہاں وہ شخص جو صرف روایات یا یادداشتوں سے علم پائے

اس درجے کا عالم نہیں کہلاتا کہ اسے خضریٰ المقام مانا جائے اس راہ کا

عالم وہی ہے جس پر کچھ علم لدنی کا بھی فیض اترتا ہو۔

۹۔ مولانا عبدالرحمن جامی (۵۸۹۸ھ)

ولایت میں آپ کی پرواز بہت اونچی تھی تذکرہ نگار کی حیثیت سے آپ نے نجات

الانس میں بہت سے اولیاء کرام کی سوانح جمع کی ہیں نحو و ادب میں ان کا یہ مقام ہے کہ آج

بھی کوئی شخص عالم کہلانے کا حقدار نہیں سمجھا جاتا اگر اس نے شرح جامی کسی فاضل استاذ سے نہ

پڑھی ہو۔ گیارہویں صدی کے علماء میں جن پر اسرار شریعت عجیب پیرائے میں کھلے ان میں

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) ہوئے اور بارہویں صدی کے اس صف کے علماء

میں سید عبدالعزیز دہانغ (ھ) شیخ احمد بن مبارک سلجماسی، شیخ عبدالغنی النابلسی (۱۱۴۳ھ)

تیرہویں صدی کے علم لدنی سے نوازے جانے والے ایسے بزرگوں میں حضرت سید احمد شہید

(۱۲۳۶ھ)، حاجی امداد اللہ مہاجرکی (۱۳۱۷ھ)، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

(۱۲۹۷ھ) اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی (۱۳۰۳ھ) بے شک اپنے اپنے وقت میں اس بحر

ذخار کے گہرے شادور تھے۔

ہم یہاں اس علم پر بحث نہیں کر رہے علم لدنی اور علم شراعی میں عموم خصوص من وجہ

ہے، ہم یہاں صرف ان بعض اہل مکافہ کا پتہ دے رہے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس راہ سے بھی علم سے خوب نوازا تھا۔

حکیم الامتہ حضرت مولانا تھانوی کا ارشاد ملاحظہ ہو
فرمایا علوم دو قسم ہیں علوم معاملہ اور علوم مکافہ۔

علوم معاملہ جیسے تہذیب الاخلاق اور اصلاح اعمال۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے اصل مقصود یہی علوم ہیں اور علوم مکافہ جیسے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود وغیرہ نہ یہ اصل ہیں اور نہ انبیاء کی بعثت ان کے لیے ہوتی ہے ان کے لیے تو یہی غنیمت ہے کہ نصوص کے خلاف نہ ہوں ان کی تدوین محض اس لیے ہوئی کہ ایسے واردات بعض کو پیش آئے۔

(آثار خیر مولفہ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری)

اللہ سے معاملہ ہو یا بندوں سے دین و شریعت کی حدیں علوم معاملہ سے ملتی ہیں۔ علوم مکافہ کی دنیا دوسری ہے گو نجات کا مدار ان پر نہیں وہ علم شرائع پر ہے مگر اللہ رب العزت نے بسا اوقات اپنے بندوں کو علوم مکافہ کے عجیب و غریب جلوے بھی دکھائے ہیں علم لدنی کی راہوں میں چلنے والوں کا پتہ خود قرآن پاک نے بھی دیا ہے اور کتب حدیث میں بھی ایسے کئی مکاشفات ملتے ہیں سو کسی پڑھ لکھے مسلمان سے ان کا انکار ممکن نہیں۔

اللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

اصطلاحات تصوف

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

الفاظ اپنی اصل میں لغات پر مبنی ہوتے ہیں۔ لغات اہل زبان کے استعمال اور محاورات کا نام ہے لیکن یہی الفاظ مختلف فنون کے دائرہ میں آ کر کثرت استعمال سے ایک خاص معنی پر بند ہو جاتے ہیں ان سے اصطلاحات بنتی ہیں اسی سے ہر موضوع میں کچھ اصطلاحات قائم ہوئیں۔ یہی حال تصوف کا ہے، تصوف کے اپنے گہرے حقائق ہیں اور انکی دریافت اس سے بھی زیادہ گہری ہے تاہم کسی معنی پر الفاظ کے ذریعہ ہی پہنچا جاسکتا ہے اور یہ معنی ان الفاظ کو وہ فن مہیا کرتا ہے جس میں گفتگو ہو رہی ہو۔ ہم یہاں اس سلسلہ کے صرف چالیس لفظوں سے بحث کریں گے اور انکا وہ مفہوم واضح کریں گے جو اس فن نے انہیں دیا ہے انکے مطالعہ سے مطالعہ کرنے والے کے ذہن میں کچھ دوسری اصطلاحات از خود واضح ہوتی جائیں گی اور ان الفاظ کے جان لینے سے دل میں روح تصوف اترے گی، یہ اللہ تعالیٰ کا رنگ ہے اور اس سے زیادہ حسین رنگ اور کس کا ہو سکتا ہے۔ جو اس میں آگئے وہ خدا کی رنگ میں رنگے گئے۔

جب رنگ بے رنگ ہر رنگ میں ہے

(۱) امارت اور غربت:

دنیا میں جس کے پاس دولت ہو اسے امیر کہا جاتا ہے اور جس کے پاس درہم و دینار نہیں وہ فقیر اور غریب سمجھا جاتا ہے، مگر تصوف کی زبان میں امیر و غریب کی پہچان اور طریقے سے ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ (۱۶۲ھ) کے پاس ایک شخص ایک جبہ بطور ہدیہ لے کر آیا حضرت نے فرمایا ان کنت غنیا قبلتها وان کنت فقیرا لم قبلها (البدایہ ج ۱۰، ص ۱۳۸) اگر تو امیر ہے تو میں تیرا ہدیہ قبول کرتا ہوں اور اگر تو غریب ہے تو تو اسکا زیادہ

مستحق ہے۔ اس نے کہا، حضرت میں امیر ہوں، آپ نے پوچھا تیرے پاس کتنی دولت ہے اس نے کہا دو ہزار۔ آپ نے پوچھا کیا تو چاہتا ہے کہ تیرے یہ دو ہزار چار ہزار ہو جائیں اس نے سمجھا کہ فقیر پر قولیت کا وقت اترا ہوا ہے ہاں کہہ دو۔ اس نے ہاں کہا اس پر آپ نے فرمایا میں تیرا ہدیہ نہیں لیتا کیونکہ تو فقیر ہے امیر تب ہوتا کہ ضرورت پورا ہونے پر تمہیں مزید دولت کی خواہش نہ ہوتی۔ اس سے امیر و غریب کے وہ معنی سامنے آئے جو محض لغت نہ کھول سکی تھی یہ معنی اس راہ کے محققین نے کھول دیا۔

(۲) تواضع و انکساری:

اسکے لغوی معنی عاجزی کرنا ہے اب جو شخص دوسروں کے سامنے نرمی سے پیش آئے۔ ملائم زبان سے بات کرے لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑا متواضع ہے منکر المواج ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ (۱۳۶۲ھ) فرماتے ہیں:-

صاحبو! تواضع یہ نہیں ہے..... تواضع حقیقت میں یہ ہے کہ آدمی اپنے دل میں اپنے نفس کو سب سے کم سمجھے، ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہیں ہاں ایسے تو بہت ہیں کہ زبان سے اپنے کو برا کہتے ہیں لیکن دل میں اپنے کو برا نہیں سمجھتے۔ اسکی پہچان یہ ہے کہ جب وہ اپنے کو برا بتلا دیں اور کہیں کہ میں تو بہت بڑا نالائق ہوں اگر کوئی کہہ دے کہ ہاں صاحب آپ بڑے نالائق ہیں پھر دیکھئے کہ انکی کیا حالت ہوتی ہے سن کر تھلا ہی تو جائیں گے، وضع داری سے چاہے چپ رہیں مگر دل میں تو یہ آئے گا کہ اسکو کھا جائیں ہاں اگر دل میں ذرا برانہ مانیں تو واقعی انکے اندر تواضع ہے (وعظ حیوة طیبہ ص: ۴)

یہ اندر کی حقیقت انہی محققین کی کاوش سے بدلتی ہے پھر تواضع و انکسار میں اور جھوٹ میں ایک کھلا فرق ہے۔ بزرگ تواضع و انکسار میں بھی جھوٹ نہیں بولتے۔

تواضع قدر مشترک کے اظہار اور اپنے امتیاز سے صرف نظر کا نام ہے۔ انصاف انسانی بشر انسانی کما تنسون میں قدر مشترک کا اظہار ہے مگر یہ جھوٹ نہیں۔ بغیر تواضع بھی حق ہی کہتے ہیں۔ خلاف حق بات ان کی زبان سے نکلی ہی نہیں۔

(۳) نسبت:

جب کوئی سالک کسی مجلس میں اللہ کی باتوں میں کھوجائے یہ تلاوت کی صورت میں

ہو یا مدارس کی صورت میں تو اس احتمال بالذکر سے اسکے دل میں ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے بہت سے ذاکرین ایک جگہ جمع ہوں تو ذکر میں دلچسپی، دلوں میں نشاط، ہمت کا بڑھنا اور سستی کا دور ہونا میسر آتا ہے اور ذکر کرنے والے کو اس میں لطف محسوس ہوتا ہے، یہ خدا کی طرف سے قبولیت کی ایک علامت ہے جب اسے اس میں رسوخ حاصل ہو جائے تو بدوں اس ذکر کے اسے سکون نہیں ملتا جس کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے وہ صاحب نسبت ہو گیا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں:-

مشاہدہ شاہد ہے کہ احتمال بالذکر سے قلب میں ایک کیفیت غریبہ
لذیذہ پیدا ہو جاتی ہے اور مواعظت سے اس میں رسوخ حاصل ہو جاتا
ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اسکو نسبت کہتے ہیں حدیث میں اسے سیکنہ
سے تعبیر فرمایا ہے۔ (المکلف ص: ۲۷۴)

دنوی وراثت نسب سے ملتی ہے اور دینی وراثت نسبت سے۔ آنحضرت ﷺ نے
دین ملنے کے لیے بھی وراثت کی تعبیر اختیار فرمائی آپ نے فرمایا
ان العلماء ورتة الانبياء (رواہ ابو داؤد)
حضرت تھانوی فرماتے ہیں:

اہل طریقت میں مشہور ہے کہ نسبت باطنی رسول اللہ ﷺ سے متوارث
چلی آتی ہے اس حدیث سے اس طرح اسکا اثبات ہوتا ہے کہ دوسری
حدیثوں سے علم کا مصداق حقیقی علم فی القلب ثابت ہے اور اسی کو
موروث عن الانبیاء فرمایا۔ (المکلف، ص: ۳۳۶)

جب یہ نور دل میں داخل ہوتا ہے تو صاحب نسبت کا سینہ اسلام کے لیے کھل جاتا
ہے اسکی علامات یہ ہیں (۱) اس دھوکے کے گھر (یعنی دنیا) سے دوری (۲) اور ہمیشہ رہنے
والے گھر (یعنی آخرت) کی طرف توجہ اور (۳) موت کے لیے اسکے آنے سے پہلے تیاری۔
حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

لمن یرد اللہ ان یرہدیہ یشرح صدرہ للاسلام

(پ: ۸، الاعراف: ۱۲۶)

ترجمہ: سو جس کو اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت کرے تو کھول دیتا ہے اس

کے سینہ کو اسلام قبول کرنے کے واسطے۔
اور اس ہدایت الہی کی تفسیر اسی نور ہاٹن سے فرمائی جو اللہ کی یاد سے دل میں اترتا ہے آپ نے فرمایا:-

ان النور اذا دخل الصدر الفسخ فقبل يا رسول الله هل
لتلك من علم يعرف به قال نعم التجالبي من دار الغرور
والانابة الى دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزوله
(رواه البيهقي، مشکوٰۃ ص: ۴۳۸)

حضرت تھانوی اس نسبت ہاٹنی پر لکھتے ہیں:-

اس نسبت ہاٹنی کا نام نور اور شرح صدر بھی ہے اور علامت اسکی حدیث
میں منصوص ہے ایسی علامتیں تلاش پیر میں معین ہوتی ہیں۔ یہ صفات
شرط ہیں علت تامہ نہیں۔ (الکشف ص ۴۱۴)

جس شخص کو رہبر کامل تک رسائی ہوگئی اور اسے ذکر میں یہ رسوخ مل گیا تو وہ
صاحب نسبت ہو گیا۔ جب اس نور کی ابتداء آنحضرت ﷺ سے ہے اور جس کو بھی یہ دولت
ملی حضور ﷺ سے ورثہ ملی تو صاحب نسبت وہی ہوگا جس نے ورثہ یہ دولت پائی ہو۔ خود
بنے رہنا یہ نسبت نہیں پاتے

اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر
مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

(۴) وحدۃ الوجود:

سالک کی نظر میں وجود حقیقی صرف ایک خدا کا ہے، وہی ایک ذات ازلی ہے، باقی
جو کچھ ہے وہ حادث ہے، یہ حادث وجود نہ ہونے کے برابر ہے اور سالک جب اسکے نہ ہونے
کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ نئی کمال کا دعویٰ کرتا ہے جیسے کہا جائے لافسی الا علی یا لا سیف الا
ذو الفقار اسکا یہ مطلب نہیں کہ حضرت علی کے سوا اب تک کوئی بہادر نہیں ہوا اور ذوالفقار کے
سوا اب تک کوئی کوار نہیں چلی۔

اللہ تعالیٰ اپنے وجود میں یکتا ہے کوئی اسکے برابر ہوا اسکے قریب بھی نہیں کل من
علیہا فان ویقنی وجہ ربک ذو الجلال والا کرام وجود کامل حقیقی ایک ہی ہے باقی جو

ہیں اسکی قدرت کے سائے ہیں، ناقص کو کامل کے سامنے لاشعنی اور کالعدم کہہ دینا کوئی عیب نہیں۔ محققین اہل تصوف کے ہاں حق تعالیٰ کے سامنے کسی کا وجود نہیں اس اعتبار سے وہ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں وہ اتحاد وجود کے قائل نہیں کہ خدا اور اسکی مخلوق میں وحدت ہے رزاق اور مرزوق میں وحدت ہے اگر انہیں ہر مخلوق میں خدا کی قدرت کا جلوہ نظر آتا ہے وہ مخلوق کو اپنی ذات میں کچھ نہیں سمجھتے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انکے ہاں خدا اور اسکی مخلوق ذاتاً متحد ہو گئے ہیں (معاذ اللہ)۔

وحدۃ الوجود کی یہ تشریح اگر عقیدے تک محدود ہو تو اسے عقیدہ توحید کہتے ہیں اور جب یہ کسی سالک کا حال بن جائے کہ وہ وجود حقیقی کے سوا ہر چیز کے وجود کو نہ ہونے کے برابر سمجھے تو وہ اللہ کی ذات میں گم ہو کر مقام فنا میں آ گیا اپنے آپ کو مٹا گیا اور ہر چیز اسکی نظر میں کالعدم ہو گئی، یہ مقام فنا ہے۔

جب اس فانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرب میں جگہ دی تو یہ مقام فنا پر آنے والا سالک مقام بقا پاتا گیا۔ یہ حقائق وجود کی بحث نہیں وحدت شہود کی بحث ہے کہ نظر آنے والے کو وجود حقیقی ہی دکھائی دے اور باقی ہر چیز نہ ہونے کے درجے میں اسے فانی نظر آئے۔ اہل علم کے ہاں ہر مخلوق کے وجود حقیقی کی نفی شروع سے چلی آ رہی ہے جب سے تصوف کی محنت شروع ہوئی ہر سالک نے اللہ تعالیٰ کو یکتا پایا اور اس نے وحدۃ الوجود کی آواز لگائی اس میں اور جاہل صوفیوں کے اس قول میں کہ ہر چیز خدا ہے بڑا کھلا فرق ہے یہ دوسری بات کفر صریح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

(۵) وحدۃ الشہود:

یہ اصطلاح اپنی لفظی دلالت میں بالکل واضح ہے اسکا معنی ہے مشہود کا ایک ہونا کہ واقع میں تو موجودات متعدد ہیں مگر سالک کو مقام فنا میں آ کر ایک کا ہی مشاہدہ ہوتا ہے اور باقی سب کالعدم دکھائی دیتے ہیں سالک کو جب نظر کامل میسر ہوئی تو اب اسکے شہود میں ایک ہی حقیقی وجود ہے۔ لفظ وحدۃ الوجود کی دلالت اس معنی پر جو ہم نے عرض کئے مجازی ہے اور وحدۃ الشہود کی دلالت ہمارے اس معنی پر حقیقی ہے سو جب جہت حکم بدل گئی تو ان میں کوئی تعارض نہ رہا۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ بیان فرماتے ہیں:-

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں حقیقی نہیں صرف لفظی اختلاف ہے مگر

چونکہ وحدۃ الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لیے بعض محققین نے اسکا عنوان بدل دیا۔ (المکلف ص ۱۱۴)
 حضرت شیخ سعدی نے وحدۃ الوجود کا نقشہ کن لفظوں میں کھینچا ہے اسے دیکھئے:-

مگر دیدہ باشی کہ درباغِ وراغ
 بتابد بعب کرکے چوں چراغ
 یکے گلکش اے کرکک شبِ فروز
 چہ بودت کہ بیرون نیائی بروز
 نہ بینی کہ آں کرکک خاکِ زاد
 جواب از سر روشنائی چہ داد
 کہ من روز و شب جز بہ صحرانیم
 ولے پیش خورشید پیدا نیم

ترجمہ: شاید آپ نے باغ اور صحرا میں دیکھا ہو کہ ایک کیڑا رات کو چراغ کی طرح چمکتا ہے کسی نے اسے کہا کہ رات کو روشن ہونے والے کیڑے تجھے کیا ہوا کہ دن کے وقت تو باہر نہیں آتا۔

تو نہیں دیکھا کہ اس خاک کے کیڑے نے روشن دماغی سے کیا جناب دیا میں تو دن رات صحرا میں ہی ہوتا ہوں مگر سورج کے سامنے میں ظاہر نہیں ہوتا۔

اسکا یہ مطلب نہیں کہ سورج سامنے ہو تو میں ہوتا ہی نہیں مطلب یہ ہے کہ سورج

کے سامنے میرا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔

(۵) ہمت: ارادہ عبادت کی انتہائی حالت

ارادہ عبادت کی انتہائی حالت کو صوفیہ کرام کی اصطلاح میں ہمت کہتے ہیں

مومن نے جب عبادت میں اپنی ہمت اللہ تعالیٰ پر جمالی تو وہ ذوق عبادت پا گیا اب اسے

یہ ہمت اسی پر لگائی رکھنی چاہیے کسی اور طرف نہ پھیرے۔ از خود پھر جائے یا کسی دوسری

طرف دھیان چلا جائے یہ صرف ہمت نہیں، وہ خود اپنی توجہ کسی دوسری طرف پھیرے یہ

صرف ہمت ہے۔

انسان جب تک عبادت میں نہ ہو اپنی توجہ کسی بھی طرف پھیر سکتا ہے یہ جب نہیں

لیکن عبادت میں وہ اول سے آخر تک اپنی توجہ مقصود حقیقی پر ہی جمائے کسی اور طرف نہ پھیرے عبادت میں صرف ہمت کسی اور طرف جائز نہیں یہ کیفیت اونچے درجے کے مؤمنین کو نماز میں ہمہ وقت حاصل رہتی ہے۔

شیخ الاسلام علامہ ہروی منازل السائرین کی تیسری جلد کے شروع میں لکھتے ہیں:

باب الہمة الہمة ما یملک الانبعاث للمقصود صرفاً
ترجمہ: ہمت (بندہ مومن کا) وہ ارادہ ہے جو اسے خلعت مقصود پر
لگائے رکھے۔

ارادہ کی ابتداء ہم ہے (ولقد ہمت بہ وہم بہا) لیکن انتہا ہم ہے۔ حافظ
ابن قیم جوزی (۷۵۲ھ) مدارج السالکین میں لکھتے ہیں:-

الہمة فعلة من الہم وهو مبدا الارادة ولكن خصوها بنهاية
الارادة فالہم مبداها والہمة نہایتها

نماز میں حضور قلب ہمت سے ہی میسر آتا ہے جب دل ہمت کے تابع ہوگا تو
انسان کا ادھر دھیان ہی نہ جائے گا جو کسی اور چیز کا مبداء ہو۔ حضرت امام غزالی (۵۰۵ھ)
فرماتے ہیں۔

ان حضور القلب سببه الہمة فان قلبک تابع لہمتک فلا
یحضر فیما یہمک (احیاء العلوم ج ۱، ص ۱۶۶)

اور پھر لکھتے ہیں:

فلاحیلة ولا علاج لاحضار القلب الا بعرف الہمة الی
الصلوة (ایضاً)

اس سے پتہ چلا کہ صرف ہمت یہ ہے کہ دل اپنے مقصود حقیقی سے ایک لمحہ کیلئے بھی
غائب نہ ہونے پائے۔ اس پر محنت کرنے سے حقیقی نماز میسر آتی ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد
الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۱۰۳۳ھ) مرزا بدیع الزمان کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

وحيث طلبت الہمة من کمال الالتفات لبشری لک ترجع
سالما وغانما لکن لاہد من ان تراعی شرطاً واحداً وهو
توحيد قلبه التوجه فان جعل قلبه التوحيد متعددة اللقاء

السالك نفسه الى الصفرقة (المجتبات من المكتوبات ص ۳۲)
 ترجمہ: اور جب تو کیفیت ہمت کو پوری توجہ سے طلب کرے تو تجھے
 بشارت ہو کہ تو سالم اور کامران اس مہم سے واپس لوٹے گا لیکن اس میں
 ایک ضروری شرط ہے اور وہ قبلہ توجہ کا ایک ہونا ہے (کہ توجہ صرف ایک ہی
 طرف ہو) توجہ اگر کئی پر رہے سالک نے اپنی جان کو تفرقہ میں ڈال دیا
 (جس سے توجہ کسی مقصود پر نہ جم سکے گی حالانکہ وہی ہمت کا تقاضا تھا)۔
 حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

الهمة عبارة عن اجتماع الخاطر و تاكد العزيمة بصورة
 التمني والطلب بحيث لا يخطر في القلب خاطر سوى هذا
 المراد كطلب العطشان الماء

ترجمہ: ہمت کے معنی اپنے دل کو طلب اور آرزو کے ساتھ ایک مقصد
 پر ٹھہرانا اور اس پر عزم کو اس طرح جمانا ہے کہ دل میں اس خاص مقصد
 کے سوا اور کسی بات کی طرف دھیان نہ رہے جیسے پیاسے کو پیاس کے
 وقت بس پانی ہی کی طلب ہوتی ہے۔

پیاسا پیاس کی حالت میں کتنے ہی حالات سے کیوں نہ گذرے اسکی ہمت پانی ہی
 پر جمی رہتی ہے اور اسکی توجہ اس میں لگی ہوتی ہے۔ اہل حق کے نزدیک مومن کی ہمت نماز میں
 صرف اللہ تعالیٰ پر جمی ڈبئی چاہیے اور وہ پوری پوری طلب و آرزو سے اس قبلہ مقصود پر اپنا
 دھیان جمائے رکھے۔ خیالات کتنے ہی کیوں نہ گذریں وہ دھیان جمانے کی حالت صرف خدا
 سے متعلق ہونی چاہیے، مومن کیلئے دل کسی اور طرف پھیرنا خواہ وہ انبیاء ہوں یا فرشتے اسکے
 ارادہ ہمت کے خلاف ہونا چاہیے۔ صرف ہمت سے مراد دل کو مقصود سے پھیر لینا ہے اور ہمت
 سے مراد اسے مقصود پر جمانا ہے۔

اہل بدعت نماز میں اللہ سے توجہ پھیرتے ہیں اور بزرگوں پر نظر جمانے ہیں۔ اس کا
 پتہ اس سے ملتا ہے کہ وہ دن رات حضرت مولانا شاہ اسمعیل شہیدؒ پر اعتراض کرتے ہیں کہ
 انہوں نے نماز میں صرف ہمت نہ کرنے کی کیوں تلقین کی ہے۔ جس شخص کے متعلق پتہ چل

جائے کہ وہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے صرف ہمت کرتا ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی۔
(۷) تصور شیخ:

سالک برکت محبت شیخ کی تلاش میں تصور شیخ تک جا پہنچے ان کیفیات کو معلوم کرنے کیلئے ان جزئیات پر نظر رکھیں۔

(۱) جس طرح مجاہدات اور ریاضات سے کسی کیفیت کا ورود ہوتا ہے اسی طرح شیخ کی محبت اور خطاب سے بھی ہو جاتا ہے گو اسکو شل اثر ریاضت کے رسوخ اور بقا نہیں ہوتا چنانچہ حضرت حظلہؓ کا یہ فرمانا کہ خدمت مبارک سے علیحدہ ہو کر ہم تعلقات میں جلا ہو جاتے ہیں اس سے ناشی ہے۔ (الکشف ص ۲۶۵)

یعنی حضور ﷺ کی موجودگی میں جو اثرات ہمارے دل پر ہوتے ہیں وہ عدم موجودگی میں نہیں ہوتے۔

(۲) صحابہ کا حضور ﷺ کی باتوں کو نقل کرتے ہوئے آپ کا تصور باندھنا صرف آپ کی محبت کیلئے ہی نہ تھا اس میں آپ کی اس بات کا پورا ادراک بھی مطلوب دکھائی دیتا ہے، اے تصور شیخ کا فیض کہہ دیں تو یہ کوئی امر مستجد نہیں۔ حضرت تھانویؒ الکشف میں حدیث ۲۹۱ کے تحت لکھتے ہیں:-

عن ابن مسعود قال کانى انظر الى رسول الله ﷺ يحكى
نبيا من الانبياء ضربه قوم فادموه (مشکوٰۃ ۴۳۶)

ترجمہ: حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں گویا رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں آپ ایک نبی سے حکایت فرماتے تھے جن کو ان کی قوم نے مارا تھا اور خون آلود کر دیا تھا۔

غائب کی طرف شل حاضر کے نظر خیالی کی جاوے وہ اس حدیث سے مراد ثابت ہے البتہ اسکی بعض خصوصیات پر بوجہ غلبہ جہل الہی زمانہ کے کچھ مفاسد مرتب ہوتے دیکھ کر محققین اکثر اس سے منع کرنے لگے ہیں۔ (الکشف ص ۴۱۶)

(۸) رابطہ:

رابطہ ایک خاص شکل کا نام ہے جو تصور شیخ کا ہی ایک خاص پیرا ہے اس میں شیخ کی صورت ذہن میں حاضر کر کے نظر قلب سے اسکو تکلمی باندھ کر اور خیال کو سادہ کر دیکھا جاتا ہے۔ (الکشف ص ۳۱)

لیغرض کانه حاضر ناظر لکن تصورا فقط لا اعتقادا لانه

شُرک ولذا یمنع منه العوام

فائدہ اس کا شغف ہے شیخ کے ساتھ۔ جس سے بے تکلف اس کا اتباع اخلاق و اعمال میں ہونے لگتا ہے چونکہ احوال ثمرات ہیں اعمال کے، اس لیے وہ احوال بھی اس پر وارد ہونے لگتے ہیں۔ (ایضاً)

(نوٹ) یہ رابطہ مجلس کی صورت میں ہوتا ہے اور اسکی وجہ شیخ سے غایت درجے کا تعلق پیدا کرنا ہے یہ شکل رابطہ عبادت میں نہیں عبادت میں توجہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہو سکتی ہے نماز میں اسی کی نیت باندھی جاتی ہے اور جب تک نمازی نماز سے باہر نہ آجائے اسے کسی مخلوق پر وہ کتنے ہی درجے پر کیوں نہ ہو دھیان جمانے کی اجازت نہیں۔ جو چیز نماز سے باہر ہو سکتی ہے وہ نماز میں جائز نہیں۔ اللہ کے حضور یہ نمازی اور اسکا شیخ گو وہ کتنا ہی کامل کیوں نہ ہو سب اللہ کے عاجز بندے ہیں۔

(۹) حال اور مقام:

حال ثمرہ ہے عمل کا۔ سالک میں یہ کیفیت آجائے تو سمجھے کہ اسکا عمل قبولیت پاکیا۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں۔

سالک کے قلب پر جو کیفیت غیب سے نازل ہو اور اس میں اسکا کچھ اختیار نہ ہو اسکو حال کہتے ہیں اور جس مرتبہ سلوک میں اس نے پہنچی واستقامت حاصل کی وہ مقام ہے..... مقام سالک کے تحت ہوتا ہے اور سالک خود حال کے تحت۔ (شریعت و طریقت ص ۱۱۵)

(۱۰) خاطر اور حال:

حال ایک کیفیت ہے اور خاطر کسی شئی کا دل پر وارد ہونا ہے۔ جنت کی بعض نعمتوں کے بارے میں حدیث میں ہے ولا یخطر علی قلب بشر..... یہ اب تک کسی انسان کے

دل پر نہیں اتری۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں۔

قلب پر جو خطاب وارد ہوتا ہے وہ خاطر ہے اسکی چار قسمیں ہیں (۱) ایک اللہ تعالیٰ کی طرف سے (۲) دوسرا فرشتہ کی طرف سے (۳) نفس کی طرف سے (۴) شیطان کی طرف سے۔ اول کو خاطر کہتے ہیں دوسرے کو الہام تیسرے کو ہواء نفس چوتھے کو سواس۔ پہچان یہ ہے کہ اگر نیک بات دل میں آوے اور اسکے خلاف پر عمل کر سکے تو الہام ہے اور اگر خلاف پر عمل نہ کر سکے تو خاطر حق ہے اور اگر بری بات دل میں آئے تو اگر شہوت و غضب و تکبر وغیرہ صفات نفس کی طرف رغبت ہو تو ہوا جس ہے اور اگر کسی گناہ کی طرف میلان ہے تو وہ سواس ہے۔ (ایضاً ص ۳۱۸)

(۱۱) تکوین و تمکین:

حال ایک کیفیت ہے، سالک کے دل پر کئی حالات گذرتے ہیں حالات کی اس تبدیلی کا نام تکوین ہے۔

پھر سالک اگر استقامت سے طاعت اور ذکر میں لگا رہے تو آخر میں وہ تمکین پا جاتا ہے۔ صاحب تکوین صاحب حال ہے اور صاحب تمکین وہ جو منزل پا چکا۔ یہ واصلین کا درجہ ہے۔

آنحضرت ﷺ کے جن صحابہ سے خلافت کا وعدہ کیا گیا انہیں مقام تمکین کی بشارت دی گئی تھی۔

ولم یکن لهم دینهم الذی ارضی لهم (پ ۱۸، النور ۵۵)

ترجمہ: اور عبادے گا انکے لیے دین انکا جو پسند کر دیا انکے لیے۔

حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

تکوین والا پہچانا جاتا ہے اور صاحب تمکین کی حالت عوام جیسی ہو جاتی ہے۔

صاحب تکوین صاحب حال ہے اور صاحب تمکین حقیقت شناس ہے۔ صاحب

تکوین ابھی راہ میں ہے اور صاحب تمکین واصل ہو چکا۔ (ایضاً ص ۳۱۴)

ان حالات کو محققین ہی پہچانتے ہیں۔

(۱۲) حالات:

۱۔ قبض: (۲) بسط (۳) سکر (۴) صحو:

۱۔ قبض:

سالک کے قلب کے حالات کا مختلف ہونا کہ کبھی قبض ہو کبھی بطن، کبھی سکر ہو کبھی صحو اسکو کلوین کہتے ہیں، یہ لوازم سلوک سے ہے معترض نہیں اس سے پریشان نہ ہونا چاہیے۔ (ایضاً ص ۴۱۳)

واردات کا انقطاع جو کسی مصلحت سے ہوتا ہے قبض ہے حدیث سے اسکا اثبات ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ ابتدائے نبوت میں جبکہ وحی میں توقف ہوا اس درجہ مغموم ہوئے کہ غم کے سبب کئی بار اس ارادہ سے تشریف لے گئے کہ پہاڑوں کی بلندی پر سے گر کر جان دے دیں جب کسی پہاڑ کی چوٹی پر اپنے کو گرانے کی غرض سے چڑھتے جبرئیل آپ کو نظر آتے اور فرماتے اے محمد ﷺ مغموم مت ہو آپ اللہ کے رسول ہیں سچ سچ۔ اسی سے آپ کے قلب کو سکون ہو جاتا اور جی ٹھہر جاتا۔ رواہ البخاری (المکلف ۴۲۲)

۲۔ بطن:

قبض کے مقابل بطن کا لفظ ہے واردات کا سلسلہ رک گیا یہ قبض ہے اور واردات ہونے لگیں تو یہ بطن ہے۔ حافظ شیرازی محبوب کے گندھے بالوں کو جعد سے اور کھلے بالوں کو طرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

بہ بونے نافہ بالآخر صبا زان طرہ بکشاند
زتاب جعد مشکیش چہ خون افتاد دردلہا
ترجمہ: باد صبا بالآخر کھلے بالوں سے نافہ کی خوشبو کھول دیتی ہے جب یہ
خوشبو گندھے بالوں میں قید تھی تو دل کس قدر خون بہا رہا تھا۔
حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

صبا سے مراد قبض مرشد ہے جو واسطہ ہے ایصال واردات اور برکات الہیہ کا۔ پس اس میں تعلیم ہے اس مسئلہ کی کہ قبض میں سالک نامید اور دل شکستہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں ہوتی ہیں اور ایک ظاہری مصلحت جو ہر قبض میں مشترک ہے یہ ہے

کہ قبض سے سالک کو ایک خاص افسار اور شکل اور اپنے کو محض بیچ اور ناچیز اور ذلیل اور حقیر سمجھنا اور عجب و پندار کمال کا قطعاً نظر انداز ہونا اور التفات سے اٹھ جانا یہ بلا معابدہ حاصل ہو جاتے ہیں، سو یہ خود کتنی بڑی دولت ہے اسی لیے بعض محققین کا قول ہے کہ قبض ارفع ہے بطن سے۔ سالک قبض میں اپنی رائے پر ہرگز عمل نہ کرے ورنہ بہت سے اس میں صورتہ یا معنی ہلاک ہو چکے ہیں۔ (المکلف ص ۶۱)

حضرت مولانا روم اس مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

چونکہ قبضے آیت اے راہ رو آن صلاح تست آیس دل مشو
چونکہ قبض آمد تو دروے بطن تازہ باش و صحن میلکن بر جبین
اے سالک جب تجھے قبض در پیش ہو تو اس میں تیری ہی بہتری ہے تو مایوس نہ ہو
جب قبض ہو تو اس میں بھی بطن ہی سمجھ۔ خوش رہ اور اپنے ماتھے پر حکم نہ ڈال۔

۳۔ سکر: اور ۴۔ صحو:

حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

وارد غیبی کے ظاہری اور باطنی احکام میں امتیاز کا اٹھ جانا سکر ہے اور
اس امتیاز کا عود کر آنا صحو ہے۔ (المکلف ص ۲۸۱)

یہ موصاد سے ہے سین سے نہیں (سہو کے معنی بھول جانے کے ہیں) صحو صحیح بات پر عود کر آنا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ پر سکر کی حالت:

حضرت عمر کے دل پر وارد ہوا کہ منافق کی نماز جنازہ نہ ہونی چاہیے یہ ان امور میں سے ہے جن میں حضرت عمرؓ نے اپنے رب سے موافقت کی۔ (حکم الہی اترا کہ منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے) تاہم حضرت عمرؓ کے ذہن میں یہ نہ رہا کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں حضورؐ سے یہ بات صورتہ ادب کے خلاف تھی۔ بغض فی اللہ میں آپ پر یہ سکر کی حالت تھی۔ حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے قلب پر بغض فی اللہ کا درود ایسا قوی ہوا کہ ان کو اس طرف التفات نہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے قولا و فعلا کیا معاملہ کر رہا ہوں جو صورتہ ادب سے مستبعد ہے سو

ایسی حالت میں شارع علیہ السلام نے معذور رکھا ہے (آپ نے حضرت عمرؓ پر کوئی مواخذہ نہ فرمایا) پھر جب (حضرت عمرؓ) حالت محو میں آئے تو حدیث میں آیا ہے کہ بعد میں مجھ کو اپنی جرات پر تعجب ہوا اور نادم ہوئے۔

حضرت جبرئیلؑ پر سکر کی حالت:

جب فرعون ڈوبنے لگا اس وقت اسکا کلمہ پڑھنا بوجہ حالت نزع کارآمد نہ تھا تاہم اگر وہ دل سے پڑھ رہا ہوتا تو اسکا زبان سے پڑھنے پر کیا اثر ہو سکتا تھا۔ جس کے دل میں ایمان ہو اور وہ زبان سے نہ بھی کہہ سکے تو اسکے ایمان میں کوئی شک نہ ہونا چاہیے۔ پھر حدیث مندرجہ ذیل میں حضرت جبرئیلؑ کا اسکے گلے کو روکنا اگر بوجہ سکر نہیں تھا تو اور کس وجہ سے ہو سکتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:-

لما اغرق الله فرعون قال امنت انه لا اله الا الله امنت به
بنو اسرائيل فقال جبرئيل يا محمد لو رايتني وانا اخذ من
وحال البحر وادمه في فيه بمخاله ان تلو كه الرحمة

(جامع ترمذی ج ۲، ص ۱۳۸)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کو غرق فرمایا تو وہ کہنے لگا کہ میں ایمان لاتا ہوں اس پر کہ کوئی معبود بحق نہیں بجز اس ذات کے جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں حضرت جبرئیلؑ علیہ السلام نے کہا اے محمدؐ اگر آپ مجھ کو اس وقت دیکھتے تو تعجب فرماتے کہ میں دریا کی کچھڑے کر فرعون کے منہ میں ٹھونستا تھا اس اندیشہ سے کہ اسکو رحمت الہیہ نہ پالیوے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

حضرت جبرئیلؑ کا اس کے منہ میں کچھڑ دینا بسبب غلبہ سکر کے تھا۔ اور سبب اس غلبہ کا غایت درجہ بغض فی اللہ تھا۔ (المکلف ۲۸۲)

حضرت مولانا گنگوہیؒ پر سکر کی حالت:

حضرت مولانا گنگوہیؒ کو اپنے مکتب میں سے اس وجہ کا بغض فی اللہ تھا کہ بحالت سکر فرمایا: سن لو حق وہی ہے جو رشید احمدؒ کی زبان سے نکلتا ہے اور بہ قسم کہتا ہوں

کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت نجات موقوف ہے
میری اتباع پر۔ (تذکرہ الرشید ج ۲، ص ۱۷)

یہ اظہار بمطابق سکر تھا بات درجہ سکر کی نہ تھی اس لیے جب صوحی حالت ہوئی
آپ نے اس پر اظہار افسوس نہ فرمایا۔ سکر کے حالات کبھی امام ربانی مجدد الف ثانی پر وارد
ہوئے تو اسے آپ کے مخالفین نے عیب سمجھا، انہیں ایسا نہ کرنا چاہیے تھا سکر اگر حضرت عمرؓ اور
حضرت جبرئیلؑ میں عیب نہیں تو حضرت امام ربانی کے حق میں یہ عیب کیوں شمار ہو۔ ہم مولانا
احمد رضا خان کے اس بیان سے اتفاق نہیں کر سکتے جو انہوں نے حضرت امام ربانی مجدد الف
ثانی کے بارے میں دیا ہے:-

اب اگر کوئی مجددی ان کے قول سے استدلال کرے اسکو وہ جانے ہم
تو ایسے شیخ کے غلام ہیں جس نے جو بتایا صوحی سے بتایا خدا کے فرمانے
سے کہا تمام جہاں کے شیوخ نے جو ربانی دعوے کیے ظاہر کر دیا کہ
ہمارا سکر ہے۔ (ملفوظات حصہ سوم ص ۷۶)

اس وقت ہمیں ان واقعات کی تنقیح میں نہیں جانا ہے یہاں طلبہ کو صرف سکر اور صوحی
کے حالات سے تعارف کرایا جا رہا ہے یہ حالات حق کی خاطر پیدا ہوئے ہوں تو یہ بغض فی اللہ
کے پہلو سے ایک حالت سکر ہے اور اگر اس میں یہ حال کسی صحیحہ کی یا پریشانی کی وجہ سے ہے تو
چشم نظر رہے کہ اس راہ میں شیطانیات بھی صادر ہوتی ہیں جنہیں اس راہ کے محققین کے سوا کوئی
دوسرا سمجھ نہیں پاتا سوان سے استدلال نہیں کیا جاسکتا نہ یہ کسی مسئلے کا مقیس علیہ ہو سکتی ہیں۔
(۱۳) ح وادلال:

لغت میں ح وادلال کے معنی یہ دئے گئے ہیں۔

داصلان حق یا بزرگوں کا بے اختیاری کی حالت میں کوئی ایسا کلمہ کہتا جو
خلاف شریعت ہو۔ (طلی اردو لغت ص ۹۵۳ طبع لاہور)
حضرت مولانا تھانوی اس کا اصطلاحی معنی یہ لکھتے ہیں:-

بعض بزرگوں سے نظما یا نثر بعض ایسے کلمات منقول ہیں جن کا
ظاہری عنوان موہم گستاخی ہے اگر یہ غلبہ حال میں ہو تو اس کو ح وادلال
وادلال کہتے ہیں۔ (المصنف ۲۸۵)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک اللہ کی نعمت پانے والے کے الفاظ حضور ﷺ سے اس طرح نقل کرتے ہیں۔

لَبِينَا هُوَ كَذَلِك اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةٌ عِنْدَهُ فَاَخَذَ بِعَطَافِهَا ثُمَّ
قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَاَنَا رَبُّكَ اِخْطَا مِنْ
شِدَّةِ الْفَرَحِ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۵۵)

ترجمہ: سو اس حال میں تھا کہ وہ سواری اسکے سامنے کھڑی تھی پس اس نے اسکی مہار پکڑی اور خوشی کی شدت سے کہا اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ (حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ) اس نے یہ خطا کی شدت فرح کے باعث (نہ کہ بد عقیدگی کے باعث)

محدث شہیر حضرت مولانا سید بدر عالم مہاجر مدنی لکھتے ہیں۔
خوشی کی حالت میں انسان کی زبان سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں کہنا یہ چاہیے تھا کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار ہے مگر خوشی میں زبان کی لگنت سے اسکا برعکس نکل گیا۔ اس کلمہ پر سبقت لسانی کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا حالانکہ اسکے کلمہ کفر ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ (ترجمان السنہ ج ۲، ص ۱۲۱)

حضور ﷺ نے اس جملہ کے نقل کرنے کے بعد اس پر تکبیر نہیں فرمائی۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس کا غلط ہونا اتنا واضح تھا کہ محتاج تردید نہیں گو یہ الفاظ اس کی زبان سے جاگنے کے بعد نکلے۔

حضرت مولانا تھانوی اس حال شطح پر لکھتے ہیں۔

بعض اہل حال سے غلبہ حال میں ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں جو شریعت پر منطبق نہیں ہوتے اس حدیث میں اس حال کا معتبر ہونا اور اس پر مؤاخذہ نہ ہونا ثابت ہوتا ہے، اس کے نقل کے بعد اس پر انکار نہیں فرمایا۔ (الکھف ۲۹۵)

یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ اس کی ضرورت نہ تھی اس کا غلط ہونا اعلیٰ بدیہات سے تھا۔ اسی طرح حضرت تھانوی کے ایک مرید کی زبان سے خواب کی حالت میں بے اختیار اشرف

علی رسول اللہ کلا، اس وقت اسے خود بھی پتہ تھا کہ یہ جملہ غلط ہے مگر بے اختیار اس کی زبان پر آ گیا تھا۔ اس قسم کی شطیحات پر ان اہل حال سے مواخذہ نہیں کیا جاتا۔ جب اس نے اپنا یہ خواب حضرت تھانوی کو سنایا تو آپ نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تم جس کی طرف رجوع کیے ہو وہ قبیح سنت ہے۔ یہ نہیں کہا کہ جو کچھ تو نے دیکھا وہ صحیح ہے وہ تو کلمہ کفر تھا اور ظاہر ہے کہ خواب اور اس کی تعبیر میں بہت دور کی مناسبت ہوتی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ بعض اوقات شطیحات میں بھی کچھ اسرار لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور محققین اس کی تہہ تک پہنچتے ہیں تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا ظاہر جلی طور پر غلط ہوتا ہے جیسا کہ جامع ترمذی کی حدیث سے ظاہر ہے۔

شطیحات کی ہی بات نہیں بعض اوقات تعبیرات بھی کئی پہلوؤں کی محفل ہوتی ہیں اور ظاہر معنی پیش نظر نہیں ہوتا۔ حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

اکثر بزرگوں کی تقریر و تحریر میں بعض مضامین خلاف ظاہر پائے جاتے ہیں جس کی توجیہ و مراد سننے کے بعد بالکل صحیح و مطابق واقع کے ثابت ہوتے ہیں، کبھی اس کا سبب غلبہ حال ہوتا ہے، کبھی قصد اخفائے عوام، کبھی تشویق و ترغیب طالب کی، ابہام سے شوق تعیین ہوتا ہے اور بعد شوق جو تعیین ہوتی ہے وہ اوقع فی انفس ہوتی ہے۔ اس حدیث میں اس عادت کا اثبات ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے مصلحت تشویق کیلئے اول ابہام فرمایا جس سے ابہام معنی غیر مقصود کا ہوا حتیٰ کہ واپسی کے بعد لوگوں نے تکذیب بھی کی مگر بعد تفسیر معلوم ہوا کہ کلام صادق ہے پس عادت موہومہ دیکھ کر کسی صاحب کمال یا صاحب حال پر جرح قدح نہ کرے کہ مشر حرمان ہے۔ (المصنف ص ۲۶۳)

(۱۴) انس و ناز:

کبھی یہ لولال انس و ناز کے دائرہ میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں:-
وسط سلوک میں بعض بزرگوں پر غلبہ بسط سے ادلال کا حال وارد ہو جاتا ہے اور وہ اس وقت ناز میں آ کر ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جو دوسرا اگر کہے تو مردود ہو جائے۔ (شریعت و طریقت ص ۹۷)
مولانا روم فرماتے ہیں:-

ناز را روئے بیاید ہجو درد
چوں نداری گرد بد خوئی مگرد
زشت باشد روئے نازیبا و ناز
عیب باشد چشم ناپیدا و باز
پیش یوسف نازش و خوبی مکن
جز نیاز و آہ یعقوبی مکن

ترجمہ: ناز کرنے کے لیے گلاب کے پھول جیسا چہرہ چاہیے، جب تیری یہ صورت نہیں تو کسی کی بد خوئی کے گرد نہ ہو بد صورت کا ناز کرنا اور بری بات ہے، ناپیدا کی آنکھ کھلی ہو تو اور بھی وحشت پیدا ہوتی ہے، یوسف کے سامنے اسکا سا ناز اور حسن نہ دکھا اگر یہ حال نہیں تو سوائے نیاز مندی اور آہ یعقوبی کے کچھ تجھ سے ظاہر نہ ہو۔

حضرت تھانویؒ حدیث ۴۱ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ سے روایت لائے ہیں کہ جب ان کی برات میں قرآن کریم کی آیتیں اتریں اور حضور ﷺ خوشی خوشی حضرت ابوبکر صدیق کے گھر آئے تو حضرت عائشہ کی والدہ نے انہیں کہا قومی الی رسول اللہ (ﷺ) اشوا اور حضور ﷺ کے پاس اظہار شکر کے طور پر جاؤ مگر آپ اس وقت جوش میں تھیں اور آپ امید رکھتی تھیں کہ حضور ﷺ اس سے پہلے آپ کی صفائی بیان کر دیتے آپ نے اسی انداز ادلال میں کہا۔

واللہ لا القوم الیہ ولا احمد الا هو الذی انزل ہوا یعنی
ترجمہ: بخدا میں آپ کے پاس (بطریق ادائے شکر) نہ جاؤ گی اور
میں اس پر سوائے خدا کے کسی کی حمد نہ کروں گی جس نے میری برات
میں آیات اتاریں۔

یہ الفاظ بظاہر ادب رسالت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں مگر حضرت عائشہ صدیقہ کو آپ کی بیوی ہونے کے تعلق سے بھی ایک مقام ناز بھی حاصل تھا اور آپ سے یہ الفاظ اسی ناز میں صادر ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے بھی اس پر نکیر نہ فرمائی۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: حضرت صدیقہ کو آپ کے اس تردد کی اطلاع تھی پس ان کو یہ تعلق تھا کہ انہوں نے آپ کو بھی شبہ رہا پس برات کے نزول سے آپ کو جوش

آگیا اور یہ جواب ان سے صادر ہوا چونکہ حضور ﷺ نے اس پر انکار نہیں فرمایا اس سے اہل طعن و ادلال کا محذور ہونا ثابت ہو گیا۔

(المصنف ص ۲۸۵)

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے وعدہ فرمایا تھا کہ وہ بدر کے موقعہ پر آپ کی مدد فرمائے گا اور آپ کو اس وعدے پر پورا یقین تھا پھر بھی آپ اللہ کے حضور بہت زاری سے پکارنے لگے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر یہ تین سو تیرہ صحابہ مارے گئے تو تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ رہے گا یہ الفاظ اس صورت میں لائق درگزر ہو سکتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک حکم ایہ ناز میں یہ عرض کر رہے ہوں۔ حضرت عمر روایت کرتے ہیں۔

فاستقبل نبی اللہ القبلة ثم مد يديه فجعل يهتف بربه يقول
اللهم انجز لي ما وعدتني اللهم آت ما وعدتني اللهم انك
ان تهلك هذه العصاة من اهل الاسلام لا تعبد في الارض
فما زال يهتف بربه مادا يديه مستقبلا القبلة حتى سقط ردا
ه عن منكبيه فاتاه ابو بكر فاخذ رداه فالتقاه على منكبيه ثم
العزمه من ورائه وقال يا نبى الله كفاك مناشدتك ربك
فانه سينجزك ما وعدك (صحیح مسلم ج ۲، ص ۹۳)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اپنے ہاتھ پھیلائے اور خدا کے حضور پکارنے لگے اے میرے اللہ میرے ساتھ اپنا کیا وعدہ پورا فرما اے اللہ مجھے دے جو تو نے مجھے دینے کا وعدہ کیا اگر تو اہل اسلام کے اس گروہ کو برباد کر دے تو زمین پر تیری عبادت کرنے والا کوئی بندہ نہ ہوگا آپ برابر اپنے ہاتھ پھیلائے اللہ کو پکارتے رہے یہاں تک کہ چادر آپ کے کندھوں سے گر گئی، حضرت ابو بکر آئے اور آپ کی چادر پکڑی اسے آپ کے کندھوں پر ڈالا اور پیچھے سے آپ کو لپٹ گئے اور کہا اے نبی اللہ (ﷺ)! ہماری طرف سے آپ کی اتنی زاری آپ کو کافی ہے۔ اللہ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ اسے پورا کر دے گا۔

حضرت تھانویؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں :-

ادلال کا ترجمہ ناز ہے یہ ایک حال ہے جو بعض محبین کو غلبہ انس و انبساط میں پیش آتا ہے۔ کامل اور غیر کامل میں اتنا تفاوت ہے کہ کامل کا قول و فعل اس حالت میں بھی حدادب سے متجاوز نہیں ہوتا غیر کامل سے کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ (المکشف ص ۳۴۰)

حافظ شیرازی اس لائحہ عمل کے مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں یہ تیرا شوق ہے کہ تیری عبادت ہوتی رہے۔

سایہ معشوق گر افتاد بر عاشق چہ شد
ما ہاد مشتاق بودیم او بما مشتاق بود
ترجمہ: معشوق کا سایہ اگر عاشق پر پڑ جائے تو کیا ہوگا ہم اس کے
مشتاق تھے وہ ہمارا مشتاق ہو رہا۔

(۱۵) جذب:

سالک کبھی جذب کی حالت میں بھی آ جاتا ہے یہ عالم ہالا کی ایک کشش ہے جو اسے سچائی پر براہینتہ کرتی ہے یہ مقام سکر کے بہت قریب ہے۔ سکر کے مقابلے میں حال محو ہے لیکن جب کوئی چیز مقابل ہے ہی نہیں تو اسکے مقابل کوئی چیز لائی جاسکتی ہے تو وہ عقل یا عدل حواس ہے۔ اسکے مقابل جذب ہے یہ اس جذب سے مختلف ہے جو مجذوب میں ہوتا ہے۔

مجذوب وہ ہے جس کی عقل کسی وارد فیہی سے زائل ہو جائے، اب وہ مکلف نہیں رہا۔ انسان اس دنیا میں عقل کی وجہ سے ہی مکلف ہوا ہے عقل جاتی رہے تو اس پر سے تکلیفات شرعیہ اٹھ جاتی ہیں، ہاں اس کے قریب بیٹھیں تو دل عالم آخرت کی طرف کھینچا ہے اور اہل بصیرت اسے پہچانتے ہیں اور اسے مجنون نہیں کہا جاتا وہ مجذوب ہوتا ہے۔

مجنون اور مجذوب میں فرق:

عقل دونوں کی اٹھ چکی مجنون وہ ہے جس کی عقل اخلاق فاسدہ کے غلبہ سے زائل ہوئی اور مجذوب وہ ہے جس کی عقل کسی وارد فیہی کے باعث اٹھ جائے گویا خدا نے اس کو کھینچ لیا اور اپنی پابندیوں سے فارغ کر دیا۔ یہ لوگ صاحب کشف بھی ہوتے ہیں اور وارد فیہی سے

کبھی کچھ واردات بھی ان پر اترتی ہیں کبھی انکا کہا واقعات کے بالکل موافق اترتا ہے ہاں ہمہ جو وہ کہتے ہیں اپنے اختیار سے نہیں کہتے یہ ان پر عالم غیب کی جھلکیاں پڑتی ہیں جو کبھی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یہ لوگ مردان غیب تو ہو سکتے ہیں لیکن کاملین طریقت نہیں۔ طریقت وہ ہے جو شریعت کی ساتھ ساتھ چلے اور یہ لوگ شریعت کی پابندی سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔

مجذوب کی پہچان:

مجذوب دعا نہیں کرتے انہیں بطریق کشف معلوم ہو گیا کہ فلاں معاملہ اس طرح ہوگا اب انکے ہاں دعا کرنا تقدیر کا مقابلہ کرنا ٹھہرے گا سو وہ اس میں نہیں پڑتے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں:-

دعا تو سالک سے کرانی چاہیے کہ انکی دعا کا اثر ہوتا ہے وہ خلاف انکشاف بھی دعا کر سکتے ہیں بخلاف مجذوب کے کہ انکو انکی اجازت نہیں۔ ان کا فصل حجت نہیں۔ (شریعت و طریقت ص ۴۰۴)

اس دنیا میں روحانی ترقی اعمال سے ہے اور مجذوب (بوجہ عقل اٹھ جانے کے) اعمال سے محروم ہو گیا۔ اس کے برعکس شہداء اور انبیاء ہیں جو موت کا پل عبور کرنے کے باوجود اعمال سے محروم نہیں ہوئے اور جن اعمال کی بقاء پر انہوں نے جان دی وہ ان کی وفات کے بعد بھی باقی رہے، موت نے صرف یہ فرق ڈالا کہ اب وہ ان اعمال کے مکلف نہیں۔ حضرت تھانوی لکھتے ہیں:-

مجذوب کی خدمت اگر ہو سکے تو کر دے لیکن توجہ کا ان سے ہرگز طالب نہ ہو اور اگر ان کے حواس میں شبہ ہو تو ان کی دی ہوئی چیز کو بھی نہ لے اگر لے لے تو اس سے لفظ (گری ملی چیز) کا معاملہ کرے۔

(ایضاً ص ۴۰۴)

(۱۶) معذور (از تکلیفات شرعیہ):

شریعت میں وہ شخص معذور ہے جس کی عقل اٹھ چکی اور وہ شریعت کا مکلف نہیں رہا۔ اس کے ساتھ عقل الحواس لوگ بھی کبھی معذور سمجھے جاسکتے ہیں اور اہل سکر سے بھی کبھی درگزر سے کام لیا جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے پاس ایک عورت لائی گئی جس نے زنا کیا تھا، عورت دیوانی تھی مگر اسکا دیوانہ پن تحمل الحواس درجے کا تھا، حضرت علی نے کہا:

يا امير المؤمنين لقد علمت ان رسول الله ﷺ قال رفع القلم عن ثلثة عن الصبي حتى يبلغ وعن النائم حتى يستيقظ وعن المعتوه حتى يبرأ وان هذه معتوه بنى فلان لعل الذى اتاها اتاها وهى فى بلاحها (سنن ابوداؤد ج ۲، ص ۲۳۸)

ترجمہ: اے امیر المؤمنین آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مواخذے کا قلم تین آدمیوں سے اٹھ چکا ہے، بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے، سوئے سے یہاں تک کہ وہ جاگ پڑے اور دیوانے سے یہاں تک کہ وہ تندرست ہو جائے۔ اور یہ عورت تو اس قبیلے میں دیوانی جانی جاتی تھی جو شخص بھی اس کے پاس آیا سو آیا اور وہ تو اپنی مصیبت میں ہوگی۔

حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

عقل کا مغلوب ہو جانا جیسا احوال جسمانیہ سے ہوتا ہے ایسے ہی کبھی احوال نفسانیہ سے بھی ہوتا ہے اور یہ اطباء کے نزدیک بھی ثابت اور مسلم ہے۔ احوال نفسانیہ میں وہ احوال بھی ہیں جن سے سکر کا غلبہ ہوتا ہے اور عقل مغلوب ہو جاتی ہے سو جس طرح مجنون و معتوه شخص شرعاً معذور ہے اسی طرح صاحب سکر اور مغلوب الحال بھی اپنے اقوال و خطیہ اور اپنے افعال ترک واجب یا ارتکاب محرم میں معذور ہے۔ اور یہ سکر بعض اوقات دوسرے کو معلوم نہیں ہوتا جس طرح جنون و عتہ بعض اوقات دوسرے کو محسوس نہیں ہوتا جس سے اشتہاء ہوتا ہے۔ جس طرح حضرت عمرؓ کو اشتہاء ہو گیا تھا جو حضرت علی کے قول سے ذائل ہوا اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص میں قرآن سے معذور ہونے کا احتمال بھی ہو تو اسکی حالت کو معذوری پر حمل کرنا بہتر ہے۔

(۱۷) جذب اور سلوک:

سلوک ساک کا اپنا عمل ہے اس میں اسے نوافل، اوراد و وظائف اور دیگر اعمال تصوف سے گذرنا پڑتا ہے۔ دوسرا طریق جذب کا ہے کہ طالب پر ذکر و فکر کے ذریعہ یا توجہ سے محبت کا غلبہ کیا جائے اس طریق میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف کھنچا چلا آتا ہے اور اسے پورے اعمال تصوف سے گذرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

مشائخ کے ہاں تربیت کے یہ دونوں طریقے تھے ہیں۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں:

تربیت کے دو طریق ہیں ایک جذب اور دوسرا سلوک۔ جذب یہ ہے کہ طالب پر ذکر و فکر کے ذریعہ محبت الہی کا غلبہ کیا جائے اور اعمال زائدہ میں کم لگایا جائے اور طریق محبت کے ذریعہ اسکو مقصود تک پہنچایا جائے۔ دوسرا طریق سلوک یہ ہے کہ تلاوت قرآن مجید اور نوافل وغیرہ میں زیادہ مشغول کیا جائے۔ (شریعت و طریقت ص ۲۲۶)

(۱۸) ارشاد و تکوین:

دنیا میں ہدایت پھیلانا، لوگوں کی اصلاح کرنا، دلوں کی تربیت کرنا، علم کی اشاعت کرنا یہ وہ کام ہیں جو انبیاء اور انکے نائبین کے ذریعہ چلے۔ اور ایک ہے حالات کی اصلاح کرنا، واقعات کا رخ موڑنا، رکاوٹوں کا دور کرنا، انتظام امور دنیویہ اور انکے مناسب حالات کی ترتیب دینا یہ وہ امور ہیں جن کا روحانی ہدایت سے تعلق نہیں دنیوی انتظامات سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امور جن فرشتوں کے سپرد کیے انہیں قرآن نے والممدبرات امرا کے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ اول سلسلے کو ارشاد اور دوسرے کو تکوین کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں حضرت خضر کے کچھ انتظامی نقشوں کا ذکر ہے جو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھائے اس سے پتہ چلتا ہے کہ تکوین کے جو کام اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سپرد کیے کبھی یہ خدمت انسانوں سے بھی لے لی جاتی ہے۔ حضرت خضر عالم تکوین میں قدرت کا ہاتھ تھے۔ اہل ارشاد میں جو اپنے دور میں سب سے اکمل ہو صوفیہ کے ہاں اسے قطب الارشاد کہتے ہیں اور جو اہل خدمت میں سب سے اوپر ہو اسے قطب تکوین کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے کام فرشتوں کے ذمہ لگائے اور وہ انہیں سرانجام دیں اور یہ خدا

سے شرک نہیں تو اگر وہ یہ کام حضرت خضر سے لے لے تو یہ بھی شرک نہیں ہے۔ یہ اہل تکوین واقعات کا رخ موڑنے اور حالات کو ترتیب دینے میں اللہ کے ارادہ سے سرمو تجاوز نہیں کرتے۔ اہل ارشاد کی کرامات اور طرح کی ہوتی ہیں اور اہل تکوین کی اور طرح کی۔ اہل ارشاد خدا کی محبت میں ڈھلے ہوتے ہیں اور اہل ارشاد اطاعت میں نقطہ شبہی پر ہوتے ہیں۔ قرآن و سنت کی روشنی میں ان دونوں سلسلوں (ارشاد و تکوین) کا واقع ہونا کوئی امر مستجد معلوم نہیں ہوتا کہ انہیں بلاوجہ وحمات کے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔

ایک سوال:

یہ اہل تکوین فرشتوں سے مناسبت رکھتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہو وہ انسان اور بعض انتظامی امور اس کے سپرد ہوں۔

الجواب:

یہ اسی طرح ہے کہ ہو جن، مگر اسے فرشتوں میں رہنا نصیب ہو گیا ہو۔ کان من الجن ففسق عن امر ربہ (پ ۱۵، الکہف ۵۰) ظاہر ہے کہ ان دنوں اس کی خوراک وہی ہوتی ہوگی جو فرشتوں کی ہے نہ کہ وہ جسے فانہا زاد اخوانکم من الجن میں جنات کی خوراک کہا گیا ہے۔ فخر المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ والمدہرات امرا کے تحت لکھتے ہیں:-

اور مدہرات امرا سے کالوں اور مکملوں کے دل مراد ہیں کہ بعد پختہ کرنے کے درگاہ الہی میں صفات الہی سے موصوف ہو کر خلق کی دعوت خالق کی طرف کرنے کے واسطے پھر اس طرف رجوع کرتے ہیں۔

(تفسیر عزیزی ص ۳۹ اردو ترجمہ)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکوین کے کارکنوں کو پھر کرامتیں بھی وہ عطا ہوتی ہیں کہ فرشتوں سے ملنے جلتے نظر آتے ہیں، یہ سب اولیاء مستورین میں شمار ہوتے ہیں۔

شیخ علاء الدولہ السمانی اپنی کتاب العروۃ الوثقی میں فرماتے ہیں:

ان لوگوں کو ہوا میں اڑنے اور پانی پر چلنے کی قدرت ہوتی ہے یہ حضرات لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں لیکن اسکے باوجود وہ

آپس میں ملاقاتیں کرتے ہیں۔ بلند آواز سے تلاوت قرآن کرتے ہیں گریہ ووجد میں آتے ہیں لیکن ان کی آواز کوئی شخص سن نہیں سکتا اور نہ ہی کوئی ان کو پہچان سکتا ہے سوائے ایک شخص کے۔ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام ان کے ساتھ رہتے ہیں۔

(ماخوذ از اقتباس الانوار مولفہ ۱۳۰ھ۔ تالیف فارسی شیخ محمد اکرم قدوسی ص ۱۰۹ اردو ترجمہ)

(۱۹) عالم خلق اور عالم امر:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان دونوں جہانوں کا اس طرح ذکر فرمایا ہے۔
الاله الخلق والامر تبارک اللہ رب العالمین

(پ ۸، الاعراف ۵۳)

ترجمہ: معلوم رہے کہ خلق اور امر دونوں اسی کے حکم سے ہیں برکت والی ہے ذات اللہ کی وہ پالنے والا ہے سب جہانوں کا۔

اللہ تعالیٰ نے زمین پر جو چیزیں پیدا کی ہیں وہ مادہ سے ہیں اور سب مادیات میں سے ہیں اور پھر اس نے یہاں کچھ ایسی حقیقتیں بھی پیدا کیں جو مجردات سے ہیں اور مادی نہیں جیسے روح اور لطائف قلبیہ۔ اجسام اور مادیات عالم خلق میں سے ہیں اور ارواح اور ان کے اعمال عالم امر میں سے ہیں یہ مجردات میں سے ہیں۔

(۲۰) عالم مثال:

مادیات کو عالم خلق اور مجردات کو عالم امر کہتے ہیں اور عالم مثال انہی دو عالم کے بین بین ہے یعنی غیر مادی ہونے میں عالم امر کے مشابہ ہے اور مقداری ہونے میں عالم خلق کے مشابہ ہے عالم امر میں مقدرات نہیں اور حدود و خواص مقدار سے ہیں عالم امر غیر محدود ہوا۔

(الکھف)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی اور پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے اور اپنے دست مبارک سے قبلہ کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ مجھے ابھی جب میں نے تم کو نماز پڑھائی شروع کی اس دیوار کی جانب جنت اور دوزخ مثالی صورت

میں دکھائی گئی ہیں میں نے آج تک خیر و شر کو کبھی اس طرح سامنے نہیں دیکھا۔ حضرت تھانویؒ نے اثبات عالم مثال میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ (المکلف ص ۳۸۵)

(۲۱) عالم برزخ:

یہ ایک جہاں ہے جو ہم سے پردے میں ہے برزخ عربی میں پردے کو کہتے ہیں۔ ہم بنی نوع انسان پہلے (۱) عالم ارواح میں تھے جو مجردات میں سے ہے پھر ہم اس دنیا میں آئے (۲) یہ عالم اجسام ہے اور مادیات میں سے ہے۔ ارواح یہاں موجود ہیں مگر وہ اجسام کے تحت ہیں۔ موت کے بعد ہم (۳) عالم برزخ میں جائیں گے وہاں روح کے احکام غالب ہیں اور انکا ایک تعلق مادی اجسام سے بھی رہتا ہے اس کے بعد ہم (۴) عالم آخرت میں ہونگے وہاں ارواح اور اجسام برابر کی سطح پر ہونگے کوئی ایک غالب نہ ہوگا۔

ان چاروں جہانوں میں ایک ترتیب ہے۔ عالم مثال ان میں سے نہیں نہ یہ ان کی ترتیب میں ہے۔ یہ ایک مثالی جہاں ہے جو ان جہانوں کے متوازی ایک روحانی صورت میں چلا جا رہا ہے میت کی جو حیات دیکھنے والوں کو محسوس نہیں ہوتی وہ ایک برزخی حیات ہے جو تسلیم تو کی جاتی ہے مگر محسوس نہیں ہوتی۔ برزخی کا معنی ہے پردہ میں آئی ہوئی۔ پردہ کی چیزوں کو احساس کی راہ سے جاننے کی کوشش ایک حماقت ہے۔

(۲۲) تمثیل:

حضرت جبرئیل امین جب حضرت مریم کے پاس انسانی صورت میں آئے تو یہ انکا ایک تمثیل تھا فتمثل لها بشوا سویدا (پ ۱۶، مریم ۱۶) ان کی فرشتوں کی حقیقت ان سے ختم نہ ہوئی تھی۔ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

کوئی ذات باوجود بقا اپنی حالت و صفت کی کسی دوسری صورت میں ظہور کرے اسکو تمثیل کہتے ہیں اس دوسری صورت کو صورت مثالی کہتے ہیں۔ خواب و مکاشفات میں تو اکثر اشیاء تمثیل ہوتی ہیں اور خرق عادت کے طور پر کبھی بیداری میں بھی تمثیل ہوتا ہے جیسے حضرت جبرئیل علیہ السلام صورت بشریہ میں تمثیل ہو گئے یہ نہ تھا کہ فرشتہ سے آدی بن گئے ورنہ تمثیل نہ ہوتا استحالہ و انقلاب ہوتا۔ قرآن مجید بھی اسکا مثبت ہے

قال الله تعالى فتمثل لها بشرا سويا (المکھف ص ۲۵۹)

اپنی حقیقت و صفت کا باقی رہنا تقاضا کرتا ہے کہ وہ ایک نہیں متعدد صورتوں میں
تمثل کر سکے وجود حقیقی ایک رہے گا مگر وجود مثالی کئی ہو سکتے ہیں علم جو بصیرات میں سے نہیں
دودھ کی صورت میں دیکھا گیا، جیسا جی تیس کی صورت میں جلوہ گر ہوئی اور قرآن کریم نے
حوض کوثر کی صورت میں تمثل کیا جو یہاں اس سے جرحہ نوشی کرتے ہیں وہ آخرت میں اس
حوض سے سیراب ہو گئے۔

(۲۳) تصرف:

مریدوں کے دل کی دنیا بدلنے کے لیے کالمین کبھی تصرف بھی کرتے ہیں حضرت
ابی بن کعب نے مختلف صحابہ سے قرآن کی مختلف قراءات سنیں تو آپ کی دل میں ایک
خوفناک خطرہ گذرا یہ خدا کی رحمت ہے کہ وہ دوسوں پر گرفت نہیں فرماتے۔ حضرت ابی بن
کعب حضور ﷺ کی خدمت میں آئے آپ نے جب دیکھا کہ میرے دل پر کیا گزر رہی ہے
تو آپ نے میرے سینہ پر ایک ضرب لگائی اور اس سے میرے دل کی دنیا بدل گئی یہ
حضور ﷺ نے باذن الہی میرے دل پر تصرف فرمایا اور میرا ایمان بچ گیا۔ آپ فرماتے ہیں:

فلما رای رسول اللہ ﷺ ما قد غشینی ضرب فی صدی

لفضت عرفا وکانما انظر الی اللہ فرقا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۳)

ترجمہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میرے دل پر کیا چیز

چھا رہی ہے تو آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میں پینہ پینہ ہو گیا

اور خوف سے میری یہ حالت ہو گئی کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں۔

حضرت تھانویؒ اس پر لکھتے ہیں:

ہاتھ مارنے سے جو حالت ہوئی یہ وجد ہے اور اس کا غلبہ غایت درجہ کا

استغراق ہے اور غایت درجہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشبیہ دی ہے

نظر الی اللہ سے (خدا کو دیکھنے سے) (المکھف ص ۲۱۳)

مرشد کامل کا یہ تصرف مرید صادق کے دل میں حسی طور پر ظاہر ہوا یہ روحانی تصرف

کی واضح ترین مثال ہے گو عمل حسی تھا۔

(۲۳) نفس (انسان کا جی):

دیکھنے میں انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے روح اور بدن لیکن حقیقت میں یہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے (۱) روح (۲) بدن (۳) جی۔ جب آپ کہتے ہیں کہ میں بیٹھا کھاؤں۔ پہاڑوں کی سیر کروں تو یہ جی ہے جسے نفس کہتے ہیں، طریقت اسی نفس کی اصلاح کے درپے ہوتی ہے۔ شریعت انسان کو زندگی کی تعمیر بتلاتی ہے اور طریقت اس جی کی اصلاح کرتی ہے جو یہاں خواہشات کا منبع ہے یہ جب بھی اکسائے گا کسی برائی پر ہی لائے گا۔ قرآن کریم میں نیکی اور بدکرداری کی نسبت اسی کی طرف کی گئی ہے

ونفس وما سواها فالههنا فجورها وتقواها قد الفلح من زكها
وقد خاب من دسها (پ ۳۰،)

ترجمہ: اور قسم ہے کہ انسان کے جی کی اور اس ذات کی جس نے اسے درست بنایا پھر اسے اسکی بدکرداری اور پرہیزگاری دونوں القاء کئے۔ وہ مراد کو پہنچا جس نے اسے پاک کیا اور نامراد ہوا جس نے اسے گناہوں میں دے دیا۔
نفس کی پہلی حالت نفس امارہ کی ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے:

ان النفس لا تمارة بالسوء الا ما رحم ربي (پ ۱۳، یوسف ۵۳)
ترجمہ: بیشک نفس تو (ہر ایک کا) بری بات ہی بتلاتا ہے بجز اسکے جس پر
میرے رب نے رحم کیا (اس کو نفس کے حملے سے بچالیا)

نفس لوامہ کا بیان:

نفس کی دوسری حالت یہ ہے کہ جب اس سے گناہوں کا صدور ہو تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔ جس نے اپنے نفس کو ملامت کر لیا وہ توبہ کے کنارے آ پہنچا۔
لا القسم بيوم القيمة ولا القسم بالنفس اللوامة (پ ۲۹، القيمة)
ترجمہ: میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور میں قسم کھاتا ہوں ایسے
جی کی جو اپنے اوپر ملامت کرے۔

نفس مطمئنہ کا بیان:

نفس کی تیسری حالت نفس مطمئنہ کی ہے نفس مطمئنہ کی خدا کے ہاں حضوری اس

شان سے ہوتی ہے۔

يا ايها النفس المطمئنة ارجعي الى ربك راضية مرضية
فادخلي في عبادي وادخلي جنتي. (پ ۳۰، الفجر)
ترجمہ: اے نفس مطمئنہ (اطمینان والی روح) اپنے پروردگار کی طرف
چل تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

سو نفس انسانی کے یہ تین درجے ہیں۔ (۱) نفس امارہ (۲) نفس لوامہ (۳)

نفس مطمئنہ۔

(۲۵) ہاتف (غیبی آوازیں)

اللہ تعالیٰ نے اس جہاں میں جہاں اور بہت سے اسرار پیدا کر رکھے ہیں اور انہیں
کبھی کبھی اور کہیں کہیں ظاہر بھی فرمادیتے ہیں وہاں کچھ غیبی آوازیں بھی ہیں جو کبھی کبھی اور
کہیں کہیں سنی بھی گئیں اور سننے والے اسکے سوا کچھ نہ کہہ سکے کہ انہوں نے کسی سمت سے یا گھر
کے کسی گوشے سے یہ آواز سنی ہے۔ اسے عام طور پر ہاتف کی آواز کہا جاتا ہے، یہ کبھی جاگتے
بھی سنی گئی۔ نوم وینظ کی درمیانی کیفیت میں بھی اسے کہیں کہیں سنا گیا ہے۔

حافظ تقی الدین بن عبدالقادر اسمعی الداری (۱۰۰۵ھ) الطبقات السنیہ فی

تراجم الحنفیہ میں آنحضرت ﷺ کو غسل دینے کی بحث میں لکھتے ہیں:

ثم ان الناس سمعوا من باب الحجره لا تغسلوه فانه طاهر
مطهر ثم سمعوا بعد ذلك اغسلوه فان هذا ابليس وانا
الخضر وعزاهم فقال في الله عزاء من كل مصيبة وخلفا من
كل هالك ودركا من كل نائت فبالله فتقوا فان المصاب
من حرم الثواب واختلفوا في غسله هل يكون في ثيابه
او يجرد عنها؟ فوضع الله عليهم النوم فقال قائل لا يدري من
هو اغسلوه في ثيابه فانتبهوا وعلوا ذلك

(الطبقات السنیہ ج ۱، ص ۳۶)

ترجمہ: پھر لوگوں نے باب الحجرہ سے یہ آواز سنی تم آپ کو غسل نہ دو
آپ پاک اور پورے پاک ہیں۔ پھر دوسری آواز سنی کہ تم آپ کو غسل

مبارک دو یہ ایلیس ہے (جو کہہ رہا تھا کہ تم آپ کو غسل نہ دو) اور میں
خضر ہوں اور آپ نے صحابہ سے تعزیت کی اور کہا اللہ کے ہاں ہر
مصیبت کے لیے ایک عزا داری ہے اور ہر ہلاکت کے بعد اس کے
اثرات ہیں اور جو نقصان ہوا اس کے بعد کچھ پانا ہے سو خدا پر اعتماد
کرو۔ مصیبت زدہ وہی ہے جو کچھ اس کے بدلے میں نہ پاسکے۔

پھر صحابہ میں اس پر اختلاف ہوا کہ آپ کو غسل کیسے دیا جائے آپ کے کپڑوں
میں ہی یا انہیں اتارا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ پر ایک اونگھ سی وارد کر دی ایک کہنے والے نے
آوازی، یہ کسی نے نہ جانا کہ وہ کون ہے کہ آپ کو آپ کے کپڑوں میں ہی غسل دو سو صحابہ
اس پر متنبہ ہو گئے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ غیبی آوازیں دونوں قسم کی ہو سکتی ہیں شیطانی بھی اور روحانی
بھی۔ شیطان بھی لوگوں کو اپنی بات خود کہتا ہے اور روحانی بات فرشتے کرتے ہیں یا حضرت
خضر۔ تاہم یہ بات اسلام میں متفق علیہ ہے کہ غیبی آوازیں اسرار الہیہ میں سے ہیں۔ امام
ابوداؤد (۲۷۵ھ) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ کہتی ہیں:-

لما ارادوا غسل النبی ﷺ قالوا واللہ ماندری انجرد
رسول اللہ ﷺ من ثیابہ کما نجرد موتانا ام نفسلہ وعلیہ
ثیابہ فلما اختلفوا القی اللہ علیہم النوم حتی مامنہم رجل
الا وذقنہ لی صدرہ ثم کلمہم مکلم من ناحیة البیت
لا یلدرون من هو ان اغسلوا النبی ﷺ وعلیہ ثیابہ فقاموا الی
رسول اللہ ﷺ فغسلوه وعلیہ قمیصہ یصبون الماء فوق
القمیص ید لکونہ بالقمیص دون ایدیہم (سنن ابی داؤد ج ۲، ص ۹۲)

ترجمہ: جب صحابہ نے حضور ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا انہوں نے
کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ ہم حضور ﷺ کے کپڑے اتاریں جیسا کہ ہم
اپنی متوں کے کپڑے اتارتے ہیں یا ہم آپ کو آپ کے کپڑوں میں
ہی غسل دیں، جب ان میں اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند
طاری کر دی اب ہر ایک اپنی ٹھوڑی سینہ پر جھکائے محو خواب تھا، پھر گھر

کے ایک گوشے سے کسی نے کہا اور وہ نہ جانتے تھے کہ وہ کون ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے کپڑوں میں ہی غسل دو۔ سو صحابہ حضور ﷺ کی طرف بڑھے اور آپ کو کپڑوں میں ہی غسل دیا وہ قمیص کے اوپر پانی ڈالتے رہے اور اپنے ہاتھوں کی بجائے بدن مبارک کو قمیص سے ہی ملتے رہے۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ یہ ہاتھ کی آواز تھی۔ آپؐ کہتے ہیں:- ہاتھ غیبی کا کسی بزرگ سے ہم کلام ہوتا یہ بھی ایک حال محمود ہے حدیث سے اس کا اثبات ہوتا ہے۔ ایسے مضمون پر عمل کرنے کے بارے میں تمام اکابر کا قاطبہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر وہ خلاف شرع نہ ہو تو قابل عمل ہے جیسا کہ یہاں بھی یہی ہوا کہ مع قمیص غسل دینے کی نہی کی کوئی دلیل نہ تھی سو اس پر عمل کر لیا گیا۔ اس کلام سے اختلاف رفع ہو گیا اور اجماع صحابہ خود حجت شرعیہ ہے۔ (الکشف ص ۳۸۹)

یہ اجماع کس بات پر ہوا؟ اس پر کہ یہ غیبی آواز بھی اسرار الہیہ میں سے ہے اور جس طرح الہام لائق عمل ہے اس طرح ہاتھ غیبی کی آواز پر بھی عمل کیا جاسکتا ہے (بشرطیکہ خلاف شریعت نہ ہو) پھر صحابہ اس بات کے درپے نہ ہوئے کہ جانیں کہ یہ آواز دینے والا کون ہے۔ طبقات کی روایت میں تو بیشک اس کی تصریح ہے لیکن ابوداؤد کی روایت میں اس کی وضاحت نہیں۔ صحابہ نے ان روحانی امور کا ہمیشہ اقرار کیا ہے اور کئی اولیاء اللہ کے وقائع حیات میں بھی اس کے عام تذکرے ملے کہ انہوں نے غیبی آوازیں سنیں۔

جب حضرت عمرؓ حضور ﷺ کے ارادہ نقل سے آرہے تھے آپ نے رستے میں ایک چمڑے کے پیٹ سے ایک آواز سنی:

یا آل ذریع امر نجیح رجل یصیح بلسان فصیح یدعوالی

شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ

ترجمہ: اے آل ذریع کامیابی کی بات ہے ایک فصیح فصاحت بھری زبان سے پکار رہا ہے وہ دعوت دے رہا ہے کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ بات مجھے اپنے بارے میں کبھی گئی معلوم ہوئی۔ آپ کہتے ہیں:

قللت فی نفسی ان هذا الامر ما يبراد به الا انا

(فتح الباری ج ۱۵، ص ۲۵)

پھڑے کے پیٹ سے یہ آواز دینے والا کون تھا؟ یہ ہاتھ کی ایک آواز تھی۔ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں حضرت عمرؓ نے ایک رات ایک شخص کو ایک گھر سے آواز دیتے دیکھا۔ حافظ ابن حجر نقل کرتے ہیں:

لفظ ابن عمر عند البیهقی لقد رای عمر رجلا. قال انی ذات لیلۃ بدار اذ سمعت صائحا یقول یا جلیج خیر نجیح رجل فصیح یقول لا اله الا الله (ایضاً ص ۲۳)
صحیح بخاری میں ہے:

فتقلدت سیفی اربده فمررت علی عجل وهم یریدون ان یدبحوه فقمتم انظر الیهم فاذا صائح یصیح من جوف العجل فبینا انا نائم عند آلتهم اذ جاء رجل بعجل فذبحه فصرخ به صارخ لم اسمع صارخا قط اشد صوتا منه یقول یا جلیج (صحیح بخاری ج ۱، ص ۵۳۶)

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا عمل ذبح عجل کے ساتھ دکھایا گیا۔ عجل تاریخ یہود میں وہ پھڑا ہے جو سونے سے بنا کر قوم کو مغالطہ دینے کیلئے گھڑا گیا، اس میں اس راز کا انشاء ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے ذبح عجل کی گھڑی آ پہنچی۔ اب یہود پر ذلت مسلط کی جانے والی ہے۔

یہ غیبی آوازیں ہیں جنہیں ہاتھ کی آواز کہا جاتا ہے اس میں فرشتہ بول رہا ہوتا ہے یا کوئی انسان یا جن یہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں تاہم حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نظام حکمت میں انسانوں کو کئی دفعہ غیب کی آوازیں دی گئیں اور وہ انہوں نے سنیں۔

عالم بالا میں ہاتھ غیبی کی آواز:

فیصلے کے دن جب جنتیوں کے لیے جنت کا اور دوزخیوں کے لیے دوزخ کا فیصلہ

ہو جائے گا اور وہ اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے، جنت والے دوزخ والوں کو آواز دیں گے، کیا تم نے خدائی وعدہ پورا پایا ہے؟ وہاں نبی آواز آئے گی:-

فاذن مؤذن بينهم ان لعنة الله على الظالمين (پ ۸، الاعراف ۴۳)
ترجمہ: سو آواز دینے والا اس وقت آواز دے گا کہ ظالموں پر اللہ کی پھینکار ہو۔

یہ ہاتف کی آواز ایک فرشتے کی آواز ہوگی۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی لکھتے ہیں:-
اس وقت خدا کا ایک منادی دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر پکارے گا کہ خدا کی پھینکار ان ظالموں پر ہے جو خود گمراہ ہوئے اور آخرت کے انجام سے بالکل بے فکر ہو کر دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے۔
(نوائد القرآن ص ۲۰۸)

(۲۶) طی الارض (زمین کا لپیٹ دیا جانا)

اللہ تعالیٰ کی دی قدرت سے بعض اوقات زمین اہل اللہ کے لیے سمیٹ یا لپیٹ دی جاتی ہے اور اسکے شواہد قرآن کریم میں بھی ملتے ہیں یہ سب فعل خداوندی سے ہوتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف برخیا کا تخت بلقیس کو ملک سبا سے چشم زدن میں لے آتا اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ زمین ان کے لیے لپیٹ دی گئی اور انہوں نے تخت بلقیس کو وہاں سے اٹھا کر یہاں رکھ دیا اور یہ سب علم الکتاب کی رو سے تھا۔
قرآن کریم میں ہے:-

قال الذی عنده علم من الكتاب انا اتیک به قبل ان یورد
الیک طرفک (پ ۱۹، النمل ۴۰)

ترجمہ: بولا وہ جس کے پاس علم الکتاب تھا کہ میں اسے تیرے پاس لے آتا ہوں قبل اسکے کہ آپ کی پلک جھپکے۔

حضرت خاتم النبیین ﷺ کیلئے جب زمین سمیٹ دی گئی تو آپ نے چشم زدن میں اسکے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا۔ حضرت ثوبان کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقها و مغاربها

(صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے پوری زمین میرے لیے ایک جگہ کر دی میں نے اس کے مشارق و مغارب سب دیکھ لیے۔

یہ نہیں فرمایا کہ زمین وہیں کی وہیں رہی میری نظر وہاں جا پہنچی۔ نظر کی حدیں وہیں رہیں جو پہلے ہمیں زمین ہی ایک جگہ آپ کے لیے معجزہ سمیٹ دی گئی۔

مصرع کی رات آپ کیلئے وقت سمیٹ دیا گیا اور آپ برق رفتاری کی ساتھ مسجد حرام سے بیت المقدس پہنچے جہاں آپ کی نظر پڑتی تھی وہاں براق کا قدم پڑتا تھا۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نظر اطہر کی اپنی حدیں تھیں۔ یہ نہیں کہ دور تک کے مقامات کو ایک ہی دفعہ دیکھتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص سفر پر روانہ ہو رہا تھا وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا اور اس نے آپ سے کچھ نصیحتیں چاہیں، آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں اللہ سے ہر حال میں ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور جب بھی بلندی پر چڑھو تو اللہ کی بڑائی بیان کرنا اور صیغہ بتقوی اللہ والتکبیر علی کل شرف بلندی پر چڑھنے سے اپنی بڑائی کا وہم گزرتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ اس وقت اللہ اکبر کہو اور اقرار کرو کہ بڑائی اسی ایک کے لیے ہے۔ جب وہ شخص رخصت ہوا تو آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔

اللهم ازوله الارض وهون عليه السفر (مسند احمد ج ۳، ص ۲۱۳)

ترجمہ: اے اللہ اس کے لیے زمین لپیٹ دے اور اس پر سفر آسان فرما۔ اس سے پتہ چلا کہ اللہ کے بندوں کیلئے زمین لپیٹی بھی جاسکتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے یہ دعا فرمائی:

اللهم اطوعنه البعيد وهون عليه السفر (البیاض ج ۳، ص ۲۲۷)

ترجمہ: اے اللہ دور کا فاصلہ اس کے لیے لپیٹ کر رکھ دے اور سفر اس پر آسان فرما۔

یہاں لفظ 'لہ' غور طلب ہے۔ آنحضرت کے بعد کسی درجہ کے نبی کا پیدا ہونا ممکن نہیں۔ نبوت ہر اعتبار سے آپ پر ختم ہو چکی۔ سولہ کے عموم میں آنے والے حضور اکرم ﷺ کی امت کے اولیاء ہی ہو سکتے ہیں۔ اس دعا میں آنحضرت ﷺ نے یہ بات واضح فرمادی کہ اس امت کے اولیاء کے لیے بھی یہ مرتبہ ممکن ہے۔ امام احمد نے حضور ﷺ کی یہ دعا نقل فرمائی ہے۔

اللهم اطو لنا الارض وهون علينا السفر (مسند احمد ج ۳ ص ۴۲۸)
 حضرت مولانا تھانویؒ نے امام مالکؒ سے آنحضرت ﷺ کی یہ دعا بھی نقل فرمائی ہے۔
 اللهم ازو لنا الارض (اے اللہ تو ہمارے لیے زمین کو لپیٹ دے)
 حضرت تھانویؒ اس پر لکھتے ہیں:

بہت حکایات میں اولیاء اللہ کی یہ کرامت منقول ہے کہ زمانہ قصیر میں
 مسافت طویل قطع کر لی بعض متقشفین اس کو مستبعد سمجھ کر انکار
 کر بیٹھتے ہیں مگر صوفیہ اور علماء محققین اسکو ممکن اور واقعہ کہتے ہیں اس
 حدیث سے اسکی تائید ہوتی ہے کیونکہ طی الارض کے مراتب مختلف ہیں
 اور اس حدیث میں اسے کسی مرتبہ کی ساتھ محدود و مقید نہیں کیا گیا نہ اور
 کوئی دلیل تعقید و تحدید کی ہے پس مطلق اپنے اطلاق پر باقی رہے گا
 اور علی الاطلاق طی الارض ممکن رہے گا۔ (الکشف ص ۳۱۳)

آنحضرت ﷺ کے لیے تو معجزۂ زمین سمیٹ دی گئی۔ اولیاء کرام کے لیے بھی طی
 الارض کو کرامت تسلیم کیا گیا ہے۔ جب علامہ زعفرانی نے لکھا کہ:

ومن قال طی مسافة يجوز لولى جهل

(کذافی الدرر الخارج ۳ ص ۴۲۵)

ترجمہ: اور جس نے کہا اولیاء اللہ کے لیے بھی زمین کا طی مسافت جائز
 ہے وہ بڑا جاہل ہے۔

تو علامہ ابن عابدین الشامی نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ آپ امام غزالی کے استاذ امام
 الحرمین (۵۴۷ھ) سے نقل کرتے ہیں:

المرضى عندنا تجوز جملة خوارق العادات فى معرض
 الكرامات (ایضاً ص ۴۲۶)

ترجمہ: پسندیدہ بات ہمارے ہاں یہی ہے کہ کرامات کے طور پر بھی
 عادت زمانہ ٹوٹ سکتی ہے۔

اور علامہ شامی نے علامہ نسفی کے اس بیان پر بحث کو ختم کیا ہے۔ یاد رہے کہ علامہ
 نسفی وہ بزرگ ہیں جن کا فتویٰ جنات میں بھی چلتا تھا۔ اس سے فقہ حنفی کی وسعت قبولیت کا

بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ ایک فیہی قبولیت ہے جس کے اسرار و حکم اللہ ہی کو معلوم ہیں۔ بہر حال علامہ نسفیؒ لکھتے ہیں:

نقض العادة على سهيل الكرامة لاهل الولاية جائز عند اهل السنة (ايضاً)

ترجمہ: عادت کائنات کا اہل اللہ کے لیے کرمۃ ٹوٹ جانا اہل السنۃ کے نزدیک مانا گیا ہے۔

علامہ شامی نے امام نسفی کی یہ بات شرح و ہبانیہ سے نقل کی ہے اس میں امام نسفی کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے رأس الاولیاء تھے۔

النسفی هذا هو الامام نجم الدين عمر مفتی الانس والجن
رأس الاولیاء فی عصره

طی الزمان کی ایک اور روایت

حضرت اسماء بنت یزید روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دجال زمین میں چالیس برس رہے گا۔ ایک سال ایک مہینہ کے برابر ہوگا اور مہینہ ہفتہ کے برابر اور دن ایسا ہوگا جیسے آگ سے لکڑیاں جل اٹھتی ہیں۔ (رواہ فی شرح السنۃ) لیکن صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ وسائر ایامہ کا ایامکم۔ اس حدیث میں دنوں کے سکڑنے کی پوری صراحت ہے یہ طی الارض نہیں طی زمان ہے وقت کا پھیلنا (سط) اور سکڑنا (طی) دونوں برحق ہیں۔ حضرت مولانا تھانویؒ حضرت ابوسعید الخدریؓ کی ایک روایت سے جسے امام بیہقیؒ نے روایت کیا ہے، استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

مسئلہ طی الزمان اس پر تو دلالت حدیث کی ظاہر ہے اور طی و بسط کے امکان میں کچھ تفاوت نہیں پس بسط بھی اسی طرح ہو سکتا ہے۔

(المکلف ۴۳۶)

یہ حقائق اسرار الہیہ میں سے ہیں ان میں اللہ کی قدرت اور اہل ولایت کی عزت پر یہ واقعات کھلے برہان ہیں۔

(۲۷) ظہور حجتی

اہل سلوک کو کبھی اللہ تعالیٰ اپنی ملاقات سے بھی نوازتے ہیں یہ اسکی ایک حجتی کا

ظہور ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں اسکی تجلی کا ظہور ہوتا ہے اور اس سے آواز بھی کبھی آتی ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ جو لوگ ان مراتب احسان کو سمجھ نہیں پاتے وہ ایسی روایات پر نہایت بے دردی سے ہنس دیتے ہیں۔ قرآن سنت کی روشنی میں ایسا ہونا ہرگز ناممکن نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

انا اللیلة وہی تبارک وتعالیٰ فی احسن صورة

(جامع ترمذی ج ۲، ص ۱۵۵)

ترجمہ: آج رات میرے پاس میرا رب آیا وہ نہایت حسین صورت میں تھا۔

معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اس طرح آنا یا کبھی پہلے آسمان دنیا پر اترنا عرش سے اتر کر ہوتا ہے یا استوی علی العرش کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی یہ نزول بھی ہوتا رہتا ہے اور اس سے عرش سے دوری نہیں ہوتی!۔

جیسے اللہ کی ذات بے مثال ہے ویسے اسکا آنا بھی بے مثال ہے وہ کس طرح ظہور فرماتا ہے، اسے المل احسان بھی شاید نہ جان پائیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بصورت خواب ہو۔ الملیلہ اس پر قرینہ ہے اسے اسکے ظاہری معنوں پر محمول کرنا درست نہیں۔ حضرت مولانا تھانوی اس حدیث پر لکھتے ہیں۔

تجلی اور اتحاد کو معنی عرفی اور لغوی پر محمول کرنا جائز نہیں جیسا عوام جبلاء

اس سے اپنے عقائد خراب کر لیتے ہیں۔ (المکلف ۳۷۱)

کبھی یہ ظہور تجلی کی صورت میں نہیں کسی مخلوق کے اندر اترنے سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اترنا بلا طول ہے جیسے کاتب کا ظہور مکتوب میں اور محکم کا ظہور کلام میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کبھی کسی کسی طالب میں اتر کر اس سے اپنی محبت طلب کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کسی بندے سے فرمائیں گے میں بیمار ہوا تھا تو میری عیادت کے لیے کیوں نہیں آیا؟

مرضت فلم تعدنی ليقول يا رب كيف اعودك وانت رب

العالمين قال اما علمت ان عهدي فلانا مرض فلم تعده اما

علمت انك لو عدته لوجدتني عنده (صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۱۸)

ترجمہ: میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی وہ کہے گا میں تیری عیادت کیسے کرتا تو رب العالمین ہے سب جہانوں کو پالنے والا ہے اللہ تعالیٰ کہیں گے تجھے پتہ نہیں کہ میرا بندہ فلاں شخص بیمار ہوا تھا تو نے اسکی عیادت نہ کی کیا تجھے پتہ نہیں تھا کہ اگر تو اسکی عیادت کرتا تو مجھے وہاں موجود پاتا۔

وہ بندہ خدا جو مریض تھا وہ حق کا مظہر تھا اس میں حق ظاہر ہوا یہ اتحاد نہیں نہ طول ہے یہاں ظہور باری تعالیٰ بصورت مجاز ہے۔ حضرت علی نے اس پیرائے میں فرمایا،
المسکین رسول اللہ۔ یہ سوالی اللہ کا بھیجا ہوا ہے۔

ع بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں
حکیم الامت حضرت تھانویؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں:

ایسی تعبیریں مجازی ہوتی ہیں انہیں حقیقت پر محمول کر کے عقائد خراب نہ کیے جائیں۔ (المکلف ص ۳۷۲)

آپ نے مظہریت خلق اور ظاہریت حق کی بحث کلید مشنوی میں تفصیل سے کی ہے اور ظاہر ہے کہ اس صحت میں اگر کسی کو کسی مخلوق میں کوئی وصف کمال نظر آئے گا تو وہ درحقیقت حق تعالیٰ کے کمال کی ہی تجلی ہوگی اور اصل محبوب وہی ظہرے گا جسکے کمالات لازوال ہیں۔ (دیکھئے المکلف ص ۹۷)

(۲۸) ظہور صفات:

دنیا کا یہ سارا نظام اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ہی ایک ظہور ہے۔

علی حسب الاسماء تجری امورہم
وحکمة وصف الذات فی الحکم اجرت

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی خاص خاص صفات مناسبہ نے جو متشارك ہیں الواجب والممكن ہیں خاص خاص خلق میں ظہور فرمایا ہے مثلاً صفت محی (وہ زندہ کرنے والا ہے) نے پانی میں (وجعلنا من الماء

کل شیئی حی) اور صفت قابض نے نار میں اور اکثر صفات نے انسان میں، اس مظہریت میں صرف صفات مناسبت کی تخصیص کی گئی ہے۔ حضرت ابوالدرداء کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس امت کے ہارے میں بتلادیا تھا۔

یا عیسیٰ انی باعث من بعدک امة اذا اصابهم ما یحبون
حملوا اللہ..... ولہ لال اللہ تعالیٰ اعطیہم من حلمی
وعلمی رواہ البیہقی (مکتوٰۃ ص ۱۵۳)

ترجمہ: اے عیسیٰ میں تیرے بعد ایک ایسی امت بھیجے والا ہوں کہ جب ان کو کوئی ایسی بات پہنچے گی جو ان کو پسند ہوگی تو وہ اللہ کی حمد بیان کریں گے۔ اور اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ان کو اپنے صفت حلم اور علم سے نوازوں گا۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے کاملین کو اپنی بعض صفات جو مشارک بین الواجب والممکن ہیں سے نوازا ہے اور یہ اسکی صفات کا ظہور ہے۔ اللہ تعالیٰ رؤف رحیم ہیں اور یہ اس کی صفات ہیں۔ آنحضرت ﷺ اس کی مخلوق ہیں اور آپ کو بھی رؤف رحیم فرمایا گیا۔ قرآن کریم میں ہے:-

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حرص
علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم (پ ۱۱، التوبہ ۱۲۸)

آنحضرت ﷺ کا رؤف رحیم ہونا اس کی صفات کاملہ کا ظہور ہے۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ صفات اس مخلوق میں آگئی ہیں اور اب یہ مخلوق ان صفات کے حامل ہوگئی جیسا کہ بعض عالی مبتدیین کا عقیدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض وہ صفات جو مشارک بین الواجب والممکن ہیں اس سے اپنے بعض مقبولین کو نوازا ہے اور یہ اسکی ان صفات کا ظہور ہے۔

(۲۹) استغراق:

راہ سلوک میں چلنے والے کبھی ہمد تن حسن مطلق کے مشاہدہ میں کھو جاتے ہیں پھر انہیں کسی اور کا دھیان نہیں رہتا خود حضرت خاتم النبیین ﷺ پر جب یہ حالت طاری ہوتی تو حضرت جبرئیل امین جیسے مقرب بھی آپ کے حضور جگہ نہ پاسکتے تھے۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

لی مع اللہ وقت لا یسعی فیہ ملک مقرب اولہی مرسل
(مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۵۷)

ترجمہ: مجھے اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ملتا ہے کہ کوئی مقرب فرشتہ
یا نبی مرسل بھی میرے ہاں باریابی نہیں پاسکتا۔

مولانا حالی فرماتے ہیں کہ حضور کے لیے ہر موقعہ معراج ایک مقام ایسا بھی آیا کہ
جہاں جبرئیل امین کہہ اٹھے:-

اگر یک سر موئے برتر پر
فروغ تجلی بسوزد پر

اولیاء کرام پر بھی بعض ایسے لمحات آتے ہیں کہ وہ ہمد تن ذات باری کے جمال
جہاں آرا میں گم، ہر ماسوی سے بے خبر، حسن مطلق کے جلوؤں میں مستغرق ہوتے ہیں۔
ایسے حال میں انکی زبان سے کوئی کلمہ خلاف ظاہر بھی نکلے تو وہ لائق تاویل ہوگا ظاہر معنی پر
محمول نہ ہوگا۔

آنحضرت نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سینہ پر ہاتھ مارا تو آپ معاً اس مقام پر
آگے گویا آپ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی توجہ یا تعریف سے آپ کا مقام
استغراق میں آنا تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

فلما رای رسول اللہ ﷺ ماقد غشینی ضرب لی صدری
لفضت عرقا وکانما انظر الی اللہ لرفقا (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۷۳)
ترجمہ: جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ میرے دل پر کیا
چیز چھا رہی ہے تو آپ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور میں سینہ
پینہ ہو گیا اور خوف سے میری یہ حالت ہو گئی کہ گویا میں اللہ تعالیٰ کو
دیکھ رہا ہوں۔

حضرت تھانویؒ اس پر لکھتے ہیں:

ہاتھ مارنے سے جو حالت ہوئی یہ وجد ہے اور اسکا غلبہ غایت درجہ کا
استغراق ہے اور غایت درجہ ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (وہ گویا خدا
کو دیکھ رہے تھے) اسے تشبیہ دی ہے نظر الی اللہ سے (خدا کو

دیکھنے سے) اور ظاہر ہے کہ اگر (واقعی) نظر الی اللہ کا وقوع اس
عالم میں ہوتا تو ہوش و حواس بجا نہ رہتے۔ (الکھف ص ۴۳)

(۳۰) حیرت:

راہ سلوک کے مسافر کبھی وادی حیرت میں بھی جا گرتے ہیں۔ حافظ شیرازی اس
مقام سے یوں پردہ اٹھاتے ہیں:-

شب تاریک نیم موج گردا بے چہیں حائل
کجا دانند حال ما بسکاراں ساحلہا
ہمہ کارم زخود کامی بہ بدنامی کشید آخر
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند مغلہا
ترجمہ: ہماری حالت ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج (اٹھنے)
کا خوف ہو اور کشتی بھنور میں پوری گھری ہو، ہمارے اس حال کی ان
لوگوں کو کیا خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارہ پر کھڑے ہیں۔
جلدی کامیاب ہونے کے تقاضے پر میرا یہ حال ہوا کہ میں رسوا ہو گیا
اور بھلا ایسا راز کب پوشیدہ رہ سکتا ہے کہ اس کے لیے مجمع کیا جائے
مخفلیں قائم کی جائیں۔
حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

اس میں بیان ہے حال حیرت کا اور شکایت ہے ایک گونہ عذر معترضین
کی اور ملامت گروں کی۔ مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی
عقب باطنی میں گرفتار ہو کر حیرت میں پڑ جائے تو اسکے اقوال و افعال
پر ناواقف لوگ اعتراض اور ملامت کیا کرتے ہیں، مگر یہ اعتراض خود
دلیل اسکی ہوتی ہے کہ ان لوگوں پر کبھی ایسی حالت نہیں گذری پس
انکے ناواقف ہونے کا اور جملائے حیرت کو ایسے اعتراضوں سے دلگیر
نہ ہونے کا بتلانا مقصود ہے۔ رہے عارف اور واقف لوگ وہ اس پر رحم
کرتے ہیں اور اسکی دلگیری کرتے ہیں۔ (الکھف ص ۶۳)

جو لوگ ابھی تک وادی حیرت میں نہیں گھرے وہ اسکی حقیقت کیسے جان سکتے ہیں۔
ہاں جن بزرگوں کو ان وادیوں میں نہ صرف یہ کہ خود سفر کرنے کا موقع ملا بلکہ انہیں ایک بڑی
تعداد کی رہنمائی کا شرف بھی حاصل رہا وہ کیا کہتے ہیں اسے سنیں۔

حافظ ابن قیم حنبلی (۷۵۲ھ) بعض عارفین سے نقل کرتے ہیں۔

لو علم الملوک و ابناء الملوک مانحن لیه لجادلونا علیہ
بالمیوف (الوائل المصیب ص)

ترجمہ: اگر بادشاہوں اور شاہزادوں کو اس چیز کا پتہ چل جائے جو
ہمارے پاس ہے تو وہ اسے حاصل کرنے کیلئے ہم پر تلوا رہیں گے
چڑھ دوڑیں۔

اذالم تر الهلال فسلم لاناس راؤہ بالابصار
اور ہم ان کے حق میں سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

اے موج بلا ان کو بھی ذرا دو چار تھپڑے ہلکے سے
کچھ لوگ کنارے ساحل کے طوفان کا نظارہ کرتے ہیں

(۳۱) محفوظیت:

جس طرح انبیاء کرام شانِ معصومیت دئے گئے۔ ارادہ گناہ ان تک رسائی نہیں
پاتا، صحابہ کرام آپ کے بعد مقامِ محفوظیت رکھتے ہیں وہ خیر امت ٹھہرائے گئے اور ان کا امر
معروف مانا گیا اور انکی بھی منکر ٹھہری۔ حضور ﷺ کے بعد یہ اقوام عالم کے لیے پیشوا ہوئے
اور خدا نے ان کے ایمان کی شہادت دی۔

کتتم خیر امة اخر جنت للناس تامرون بالمعروف وتنہون

عن المنکر و تؤمنون باللہ (پ ۲، آل عمران ۱۱۰)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے آگے لائے گئے تم حکم کرتے
ہو نیکی کا اور تم منکر سے روکتے ہو اور تم بیشک اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں اس بات کی کھلی شہادت موجود ہے کہ یہ خیر امت ہے۔
دولت پائے ہوئے تھے۔ یہ انکا ایمان کا کوئی ظاہری اقرار نہ تھا، حقیقت ایمان انہیں مل چکی
تھی، وہ جو کہتے وہ واقعی معروف تھا اور جس چیز سے صحابہ روکیں وہ واقعی برائی رہی۔

اسی طرح اس امت میں اور کئی علماء کرام اور اولیاء کرام بھی ہوئے جو شانِ محفوظیہ پا گئے۔ شارع کا مقصود اس پوری زمین کو گناہوں سے پاک کرنے کا تھا اور شارع علیہ السلام اپنے اس مقصد میں واقعی کامیاب ہوئے۔ حافظ ابن ہمام سکندری لکھتے ہیں:

لان مطلوب الشارع اخلاء الارض من المعاصی والفواحش
(رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۸)

ترجمہ: شارع علیہ السلام کا مقصد اس پوری زمین کو گناہوں اور بے حیائیوں سے پاک کرنا ہے۔

اس زمین پر اگر کوئی طبقہ مقامِ محفوظیہ پر نہ آ پائے تو شارع کی بعثت بے مقصد ہو جاتی ہے۔ فرشتے اور جنگیر تو اسی لیے موصوم رہے کہ خدا نے ان کی عصمت کی ذمہ داری لے لی سو ان کے سوا اگر کوئی بھی گناہوں سے محفوظ نہ رہ سکے تو مشن رسالت سرا برنا کام ہوتا ہے۔ کچھ لوگ تو ہوں جو باوجودیکہ جنگیر نہیں مگر گناہوں سے محفوظ رہے ہوں اور وہ دوسروں کے لیے نمونہ ہوں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں اپنی نیند کو بھی عبادت بتلایا اور حضور نے اس میں کوئی ترمیم نہ فرمائی، آپ کے بیان کی اپنی خاموشی سے تصدیق کر دی۔ حضرت معاذ کے الفاظ یہ ہیں:-

ارجو فی نومتی ما ارجو فی قومتی (صحیح مسلم ج ۲، ص ۱۲۱)
ترجمہ: میں اپنے سونے میں بھی ایسا ہی ثواب پاتا ہوں جیسا اپنی شب بیداری میں۔

حضرت امام نوویؒ اس پر لکھتے ہیں

الی انام بنیة القوة واجماع النفس للعبادة وتنشيطها للطاعة
فارجو فی ذلك الاجر كما ارجو فی قومتی ای صلوتی
ترجمہ: میں اس لیے سوتا ہوں کہ عبادت پر قوت پاسکوں اور جی کو اس پر جماسکوں۔ دل عبادت پر تازہ دم رہے سو میں اس پر اجر کی امید رکھتا ہوں جیسا کہ میں اپنی نماز پر اجر کی امید لگائے ہوئے ہوں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

جب معرفت صحیح ہو جاتی ہے اور اسی سے امور عادیہ بھی صادر عن
الصلوٰۃ ہونے لگتے ہیں تو وہ امور عادیہ بھی عبادت و موجب اجر اور
قرب الہی ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے افعال مباحہ اسی قسم کے
مصالح پر مبنی ہوتے ہیں۔ (المکلف ۳۵)

حدیث میں قرب نوافل کے فائزین کے بارے میں تصریح ہے کہ ان کے کان
آنکھ ہاتھ اور پاؤں سب خدا کی رضا میں ڈھل جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ
آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے حدیث قدسی نقل فرمائی ہے۔

لا يزال عبدی يتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احبته
كنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصره به ویدہ
الذی یبطش بہا ورجله الذی یمشی بہا (رواہ البخاری)

یہ اس امت کے اولیاء کا طین کا مقام محفوظیت ہے پھر ان کے بھی اپنے اپنے
درجات ہیں۔

(۳۲) رضا:

سالک پر قبض کی حالت ہو یا ببط کی، کھٹن وارد ہو یا انشراح، اللہ کے حضور وہ اس
کے وارد کردہ ہر حال پر راضی رہے بندہ سے مطلوب ہر وقت یہ رضا ہے۔ مولانا رومؒ کہتے ہیں:-

چونکہ قبض آمد تو دروے ببط بین
تازہ ہاش وچش میٹکن بر جبین

ترجمہ: جب کھٹن وارد ہو تو تو اس میں بھی ببط و انشراح کی کیفیت
محسوس کر۔ ہر دم خوش رہ کسی حالت پر ماتھے پر کھن نہ آنے دے۔

یہ سالک کی مقامات سلوک کی ایک منزل ہے یہاں وہ مقام رضا پا گیا۔ دنیوی
امور میں بھی قرآن و سنت کی روشنی میں رضا بالتصاؤء اس سے مطلوب ہے۔ اسے اس پہلو سے
صابرین میں جگہ ملتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

وبشر الصابرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا
اليه وارجعون (پ ۲، البقرہ ۱۵۶)

ترجمہ: اور آپ صابرین کو بشارت دے دیں جب انہیں کوئی مصیبت

آئے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہی تو ہیں اور بیشک ہم سب نے
اسی کی طرف جانا ہے۔

(۳۳) وظائف:

سالک سلوک کی مشکل راہوں کو ذکر اللہ سے عبور کرتا ہے مشائخ اسے تسبیحات
بتلاتے ہیں یہ سالک کے وظائف ہیں بعض ظاہر بین اس کثرت ذکر کو بھی تعجب کی نظر سے
دیکھتے ہیں۔

حضرت صفیہ سبحان اللہ سے اللہ کا ذکر کر رہی تھیں اور ان کے سامنے چار ہزار گھجور
کی گھلیوں کا ڈھیر تھا جن پر وہ سبحان اللہ کی تسبیح کر رہی تھیں۔

عن صفیة ان رسول اللہ ﷺ دخل علیہا و بین یدیہا اربعة
آلاف نواة تسبح بہن (رواہ ابوداؤد کما فی التیسیر)

حضرت ابو ہریرہ کا سونے سے پہلے کیا معمول تھا اسے آپ کے پوتے حضرت نعیم
سے سنے۔ وہ کہتے ہیں:-

انه كان له خيط فيه الفا عقدة للاینام حتی یسبح به

(البدایہ ج ۸، ص ۱۱۲ حلیہ ص ۳۶۸ - صفحہ ۳۵۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ کے پاس ایک دھاگا تھا جس میں دو ہزار گریں
گلی ہوئی تھیں آپ سونے سے پہلے ان پر تسبیح پڑھتے اور پھر سوتے
تھے۔

یہ بھی منقول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کے پاس ایک تھیلی تھی جو گھجور کی گھلیوں سے
بھری ہوئی تھی آپ ان پر سبحان اللہ سبحان اللہ کا ورد فرماتے تھے جب وہ تھیلی خالی ہو جاتی تو
آپ کا خادم دوبارہ ان گھلیوں کو تھیلی میں ڈال دیتا اور آپ پھر ان پر تسبیحات کا ورد کیا کرتے
تھے۔ (مسند احمد ج ۲، ص ۵۴۱)

حکیم الامت حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

اکثر ذاکرین کا معمول ہے تسبیح پر اوراد اذکار پڑھنے کا۔ یہ حدیث
اس کی اصل ہے کیونکہ گھلیوں اور دانوں میں کوئی فرق نہیں اور تاکا

مجلس اجتماع کی غرض سے ہے حدیث میں بھی گھٹلیوں کا مجتمع ہونا خود ثابت ہے۔ (المکلف ۴۲۷)

بڑی گنتی کے لیے انگلیوں کے پوروں پر شمار کرنا مشکل ہو جاتا ہے سو اسلام میں دانوں اور گھٹلیوں سے بڑی گنتی کے اورداد بآسانی پورے کیے جاسکتے ہیں۔ یہ دین فطرت ہے اور ہر فطری ضرورت کو پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

(۳۳) علم اسرار:

شریعت مکمل ہو چکی اور اس کے سب اصول و فروع مدون ہو چکے، حوادث پیش آمدہ سب انہی کے تحت حل ہوتے ہیں دین میں اب کسی نئی چیز کی ضرورت نہیں۔ ہاں اس شریعت کے احکام میں بہت سے اسرار لپٹے ہیں جو ہر عالم دین کو معلوم نہیں ہوتے اور نہ ان کا جاننا ہر کسی کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اہل نسبت حضرات کے لیے اپنے بہت سے اسرار کھول دیتا ہے اور ان کی لذت سے سلوک کی منزلیں لہجوں میں ملے ہوتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اذا رأيتم العبد يعطى زهدا في الدنيا وقلة منطق فاقتربوا منه
فانه يلقى الحكمة (مشکوٰۃ ص ۴۳۸)

ترجمہ: جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اسے دنیا سے بے رغبتی اور کم بولنے کی روحانی دولت ملی ہے تو اس سے نزدیک رہا کرو (اس کی طرف رجوع کرو) کیونکہ اس پر اسرار اتارے جاتے ہیں (اسے حکمت کی تعلیم دی جاتی ہے)

یہ علم لدنی ہے جو اس نسبت میں آنے والوں کو اللہ تعالیٰ سے بطور عنایت ملتا ہے۔ سالکین اصلاح باطن کے لیے کالمین کے پاس مدتیں گزارتے ہیں تب کہیں حکمت کے یہ چشمے ان کے قلب سے جاری ہو کر انکے زبان و قلم تک پہنچتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

من اخلص لله اربعين صباحا ظهرت ينابيع الحكمة من قلبه

وعلی لسانہ (اخرجزین)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ کے لیے چالیس دن خالص کرے اس کے دل سے اور اس کی زبان پر حکمت کے چشمے بہنے لگتے ہیں۔

اس امت میں قدماء میں امام طحاوی (۳۲۱ھ) اور علامہ خطابی (۳۸۸ھ) پھر امام غزالی (۵۰۵ھ) شیخ اکبر (۶۳۸ھ) مولانا روم (۶۷۲ھ) علامہ شعرانی (۹۷۳ھ) اور امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۵۲ھ) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) اور ان کے خلیفہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہم اللہ تعالیٰ اپنے اپنے وقت میں اس فن کے امام گذرے ہیں۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

بزرگوں کے کلام میں منصوص ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض بندوں کو بعض علوم وہ عطا ہوتے ہیں جو نہ منقول ہیں نہ مکتسب ہیں کبھی اس کو علم وہی سے تعبیر کرتے ہیں کبھی علم اسرار کہتے ہیں اور خود ان سے اس قسم کے دقائق و حقائق منقول ہیں جو ان سے پہلے کسی کی زبان سے نہیں نکلے حدیث ابن عباس ایسے علوم کے تحقق اور اعتبار کی اصل ہے۔ (المصنف ۴۰۰)

آپ لکھتے ہیں:

علم اسرار غیر منقولہ اس کو علم لدنی اور علم وہی بھی کہتے ہیں جس کا عطا ہونا اہل اللہ کو بہ کثرت و تواتر منقول ہے اور ان حضرات کی کتب بھی ان علوم کی مدون و محفوظ ہیں۔ (ایضاً ص ۴۱۴)

(۳۵) توسل:

توسل سے مراد بندے کا اللہ تعالیٰ سے کسی واسطہ اور ذریعہ سے مانگنا ہے۔

بہترین واسطہ عمل ہے۔

ياايها اللعين آمنوا اتقوا الله وابتغوا اليه الوسيلة (پ ۶، المائدہ ۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ۔

یاد رکھیے عمل کی طرح اشخاص بھی وسیلہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے ان کو

وسیلہ بنانے کے بغیر خود ان کو وسیلہ بنا رکھا ہے سواب بندوں کا بھی ان کو وسیلہ بنانا ناجائز نہ رہا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

لانا تروزلقون او تنصرون بضعفاتکم (مشکوٰۃ ص ۴۳۹)

ترجمہ: بیشک تمہارے کمزوروں کا صدقہ تمہیں رزق ملتا ہے اور مدد دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں کمزوروں اور عاجزوں کا وسیلہ لایا جائے تو اس کی عاجز نوازی ان وسیلہ لانے والوں پر بھی رحمت ہو کر برتی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کی وجاہت کا صدقہ مانگا نہیں جاسکتا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمائے مہاجرین کے توسل سے اللہ سے رحمت مانگتے تھے۔ امیہ بن خالد روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کے وسیلہ سے دشمنوں پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔

انه كان يستفتح بصعاليك المهاجرين

(رواہ فی شرح السنۃ مشکوٰۃ ص ۴۳۹)

ترجمہ: بیشک آنحضرت ﷺ توسل فرما مہاجرین اللہ سے فتح مانگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں جس طرح ان ضعفاء اور مساکین کو بطور وسیلہ لایا جاسکتا ہے اسی طرح انکی محبت کے سائے میں رہنے والے اسکے مقبولین کو بھی وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔ بندوں کے ہاں انبیاء اولیاء کی بہت عظمت ہے مگر اللہ کے ہاں انکی محبوبیت بندوں کے ہاں انکی عظمت سے بہت اونچی ہے سو مومن جب حضور کو اپنا وسیلہ بنائے تو انہیں اللہ کی محبت کے سائے میں سمجھ کر ان سے توسل کرے۔ اللہ پر کسی کی وجاہت اور عظمت نہیں چلتی مقبولین بارگاہ الہی کو انکی محبوبیت کے واسطے سے وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔ اے اللہ اپنے ان محبوبین کے واسطے سے ہماری حاجات پوری فرما۔

حضرت عبداللہ بن دینار اپنے والد سے نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ابوطالب کا یہ شعر پڑھتے سنا جس میں وہ حضور ﷺ کے چہرے کا صدقہ اللہ تعالیٰ سے بارش مانگتے تھے اور ساتھ ساتھ اس چہرہ انور پر بھی نظر کرتے۔

واہبض يستسقى الغمام بوجهه

ثمال اليتامى عصمة للارامل

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کے چہرہ انور کے توسل سے اللہ تعالیٰ سے بارش مانگی جاتی رہی ہے اور اس پر کسی جہت سے منع وارد نہیں کی گئی۔
استسقاء میں توسل کی حقیقت:

صحابہ کا بارش طلبی میں حضور کو وسیلہ بنانا اس معنی میں تھا کہ وہ آپ کے پاس آ کر آپ کو بارش کے لیے دعا کا کہیں۔ صحابہ آپ سے سوال کرتے اور آپ دعا فرماتے امام بخاری نے اس پر یہ باب باندھا ہے۔

باب سوال الناس الامام للاستسقاء اذا قحطوا

ترجمہ: لوگوں کا امام سے قحط ہو جانے پر بارش کی دعا کے لیے کہنا۔

آنحضرت ﷺ کے دور تک تو یہ بات چل سکتی تھی لیکن آپ کی وفات کے بعد اس طرح دعا کرانے کے لیے کسی زعمہ شخص کی حاضری اور اللہ کے حضور اس سے بارش طلبی کی دعا ضروری تھی چنانچہ حضرت عمرؓ اس کے لیے حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کو لے آئے اور انہوں نے حضرت عمر کے بعد اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بارش کی دعا کی۔

حضرت عمر نے قحط کے دنوں جب حضرت عباسؓ کو وسیلہ بنایا تو حضرت عباسؓ نے نہایت عاجزی اور زاری سے اللہ کے حضور گڑگڑا کر امت کے لیے پانی طلب کیا یہ آپ کی عاجزی اور زاری تھی جس پر اللہ نے رحمت فرمائی اور بارش برسائی۔ اس کی غایت یہ نہ تھی کہ فوت شدہ سے توسل جائز نہیں بلکہ یہ ہے کہ فوت شدہ کو دعا کے لیے کھڑا نہ کیا جاسکتا تھا حضرت عباسؓ کو حضور ﷺ کی نسبت سے اس کے لیے کھڑا کیا گیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضور کی دعا پر بارش برسائی اب حضرت عباسؓ کی دعا پر بارش اتار دی۔ شارح بخاری حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

وفی حدیث ابی صالح فلما سعد عمر ومعہ العباس المنبر
قال اللهم انا توجهننا الیک بعم نبیک وصنو ابیہ فاسقنا
الغیث ولا تجعلنا من القانطین ثم قال قل یا ابا الفضل فقال
العباس اللهم لم ینزل بلاء الا بذنب ولم یمکشف الا بتوبہ
وقد توجہ ہی القوم الیک لمکانی من نبیک وھذہ ابدینا
الیک بالدنوب ونواصینا بالتوبہ فاسقنا الغیث فارغت

السماء شأبيب مثل الجبال حتى اخصبت الارض وعاش
الناس (یعنی شرح صحیح البخاری ج ۷، ص ۳۳)

ترجمہ: اور حدیث ابی صالح میں ہے حضرت عمرؓ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی تھے حضرت عمر نے کہا اے اللہ! ہم تیرے نبی کے چچا کے واسطے سے تیری طرف متوجہ ہوئے ہیں ہمیں بارش سے سیراب فرما اور ہمیں مایوس نہ کرنا۔ پھر آپ نے کہا اے عباس آپ کہیں، حضرت عباس نے کہا کوئی بلا نہیں آتی مگر یہ کہ گناہ اسے لاتا ہے اور وہ نہیں جاتی مگر توبہ سے، اے اللہ! قوم نے میرے واسطے سے تیری طرف توجہ کی ہے میرے اس رشتہ کی وجہ سے جو مجھے حضور ﷺ کے ساتھ ہے یہ ہمارے ہاتھ گناہوں کے اقرار سے تیری طرف اٹھے ہیں اور ہماری پیشانیاں توبہ کی عداوت سے پیش ہیں سو ہمیں بارش سے سیراب فرما۔ سو آسمان نے پہاڑوں کی طرح بارش اتاری یہاں تک کہ سب زمین سرسبز ہو گئی اور لوگ زندہ ہوئے۔

اس تفصیل سے پتہ چلا کہ اس موقع پر وسیلہ کا یہ پیرا یہ نہ تھا کہ اے اللہ ہم پر حضرت عباس کے وسیلے سے بارش اتار بلکہ بارش کے لیے دعا خود حضرت عباس سے کرائی تھی۔ سو اس حدیث سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ فوت شدہ کے وسیلے سے خدا سے کچھ نہیں مانگا جاسکتا۔ یہاں حضور کا وسیلہ صرف اسلئے نہ کیا گیا کہ آپ کو یہاں دعا کرنے کیلئے کہا نہ جاسکتا تھا۔ اور آپ یہاں آ کر دعا نہ فرما سکتے تھے۔

ہاں اگر کوئی حضور ﷺ کے روضہ پر حاضر ہو کر آپ سے بارش طلبی کے لیے دعا کہتا کہ حضور خدا سے بارش کے لیے دعا فرماویں تو حضرت عمرؓ سے کبھی منع نہ کرتے۔ ایسا ایک دفعہ ہوا بھی اور حضور ﷺ نے عالم برزخ میں بارش کی دعا فرمائی اور اس کے لیے حضرت عمرؓ کو بشارت کا پیغام دیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بارش طلبی کے لیے حضور سے اب بھی توسل کیا جاسکتا ہے گو حضور ﷺ یہاں آ کر دعا نہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ وہیں سے آپ کی دعا کے توسل سے یہاں بارش اتار دیں گے۔ اس واقعہ کو امام بیہقی نے سند صحیح متصل سے روایت کیا ہے۔

عن ابی صالح عن مالک قال اصاب الناس لقعط فی زمن

عمر بن الخطاب فجاء رجل الى قبر النبي ﷺ فقال
يا رسول الله استسق الله لامتك فانهم قد هلكوا فاتاه
رسول الله ﷺ في المنام فقال ايت عمر فاقراه مني السلام
واخبرهم انهم مسقون وقل له عليك بالكيس الكيس فاتي
الرجل عمر فاخبر عمر فقال يارب ما آلو الا ما عجزت
عنه. وهذا اسناد صحيح (البدایہ ج ۷، ص ۹۲)

ترجمہ: حضرت عمر کے زمانہ میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے ایک شخص نے
حضور کی قبر پر حاضر ہو کر عرض کی حضور اپنی امت کے لیے اللہ سے
بارش مانگیں کیونکہ لوگ ہلاک ہو رہے ہیں حضور خواب میں ملے اور کہا
تم عمر کے پاس جاؤ میرا سے سلام کہو اور مسلمانوں کو بشارت دو کہ ان
پر بارش ہوگی اور عمر کو کہتا کہ سمجھ دار لوگوں کو آگے رکھیں وہ آدمی حضرت
عمر کے پاس آیا اور آپ کو اس کی اطلاع دی آپ نے کہا اے میرے
رب میں ہرگز کوئی کمی نہ کروں گا مگر وہیں جہاں میں عاجز رہوں۔

کیا حضور اپنی قبر پر سنتے ہیں:

ہاں یہاں یہ سوال ضرور ابھرتا ہے کہ کیا حضور ﷺ اپنی قبر پر حاضر ہونے والے کی
بات سنتے ہیں، اسکا صحیح جواب وہ ہے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے دیا ہے:-
کسی قبر کے پاس جا کر کہے اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق
تعالیٰ میرا کام کر دیوے اس میں علماء کا اختلاف ہے مجوزین سماع موتی
اس کے جواز کے مقرر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا
فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء کے سماع میں کسی کا خلاف نہیں۔

(فتاویٰ رشیدیہ)

(۳۶) حصار:

کسی جگہ پر ایسا تعریف کرنا کہ وہ جگہ بدرجوں سے محفوظ رہے اور کوئی چھپی یا کھلی
ظہوق وہاں داخل نہ ہونے پائے یہ عمل حصار کہلاتا ہے۔ کچھ اسماء یا آیات ایسی ہیں کہ انہیں

پڑھ کر اگر کوئی اپنے گرد و پیش لکیر لگالے تو اللہ تعالیٰ ان کلمات میں اثر پیدا فرمادیتے ہیں اور وہ شخص الہی حفاظت میں آجاتا ہے۔ اور اسے کوئی گزند نہیں پہنچتا۔

اہل طریقت کو یہ علم اسماء یا علم اثر آیات اللہ تعالیٰ سے ملتے ہیں۔ بواسطہ نبوت ملیں یا بذریعہ الہام ملیں یا اپنے مشائخ سے سینہ بہ سینہ ملیں۔ یہ صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی آیات صرف انبیاء پر ہی کھولتا ہے وہ یہ قوت تصرف کبھی اہل ولایت کو بھی عطا کرتا ہے پھر ایسے وظائف و اسماء کیلئے کچھ شرطیں بھی ہوتی ہیں جنہیں اہل طریقت ہی سمجھ پاتے ہیں جو ان شرطوں سے بے پروا ہوا وہ اس درجہ کرامت سے نکل جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے دی دولت بھی چھین لیتا ہے۔ قرآن کریم میں ایک ایسے شخص کا حال اس طرح مذکور ہے:-

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخْنَا مِنْهَا

(پ ۹، الاعراف ۱۷۵)

ترجمہ: آپ ان پر اس شخص کو ذکر کریں جس کو ہم نے اپنی آیات دی تھیں مگر وہ ان سے نکل گیا۔

دیکھئے یہاں صریح لفظوں میں آیتنا اہانتا کے الفاظ مذکور ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے سوا اہل ولایت کو بھی اپنے اسماء یا آیات تلقین فرماتا ہے اور پھر ان پر اثرات بھی مرتب ہوتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جس شخص نے کہا تھا کہ میں تحت بلقیس آپ کے سامنے چشم زدن میں حاضر کرتا ہوں وہ بھی نبی نہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے اسکے متعلق بھی فرمایا قَالِ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ (پ ۱۹، النمل ۴۰) اس کے پاس ایک عقلی علم تھا۔ یہ بزرگ حضرت آصف بن برخیا تھے۔

حصار کی عملی صورت:

آنحضرت ﷺ نے بھی ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے گرد ایک خط دائرہ کی طرح کھینچا اور آپ کو نصیحت فرمائی کہ اس دائرہ سے باہر نہ نکلتا۔

عن ابن مسعود قال صلى رسول الله ﷺ العشاء ثم انصرف فاخذ بيهدي حتى خرج الى بطحاء مكة وقال

فاجلسنی وخط علی خطا وقال لاتبرجن من خطک فانه
سینتھی الیک رجال فلا تکلمهم فانهم لن یکلموک ثم
مضى رسول اللہ ﷺ حيث اراد فبینا انا جالس فی خطی اذ
اتانی رجال کانهم الزط (جامع ترمذی ج ۲، ص ۱۰۹)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے عشاء کی
نماز پڑھی، فارغ ہوئے تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے بطحاء مکہ کی
طرف لے گئے، آپ نے مجھے بٹھایا اور میرے گرد ایک لکیر کھینچی اور
مجھے کہا کہ اس لکیر کے باہر نہ نکلتا تمہارے پاس کچھ لوگ آ کر رک
جائیں گے ان سے ہمکلام نہ ہونا وہ بھی تمہارے ساتھ بات نہ کریں
گے پھر حضور ﷺ جہاں چاہا چلے گئے میں اس خط شدہ دائرہ میں بیٹھا تھا
کہ کچھ لوگ میرے پاس آئے وہ دیکھنے میں جاٹ معلوم ہوتے تھے۔

دیکھتے رجال الغیب بھی ان فضاؤں اور خلاؤں میں پھرتے ہیں وہ کبھی نظر بھی
آجاتے ہیں تاہم وہ ایک مخفی مخلوق ہیں۔

آنحضرت ﷺ جب آپ کو حصار دے کر بٹھا گئے اور خود آگے گئے انہیں یوں
معلوم ہوا کہ آپ اچانک غائب ہو گئے۔ اس سفر میں حضرت عبداللہ بن مسعود واقعی آپ کے
ساتھ نہ تھے جب حضور ﷺ واپس لوٹے اور پھر اپنے صحابہ کو ساتھ لے کر ان جنات کی
بستیوں میں پہنچے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود بیشک آپ کے ساتھ تھے۔

حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے پوچھا۔
هل شهد احد منکم مع رسول اللہ ﷺ لیلۃ الجن فقال لا
ولکنا کنا مع رسول اللہ ﷺ ذات لیلۃ ففقدناه فالتمسناه
فی الاودية والشعاب فلکنا استطیرا و اغتیل قال فبتنا بشر
لیلة بات بها قوم فلما اصبحنا اذا هو جاء من قبل حواء قال
فلکنا یارسول الله فقدناک فطلبناک فلم نجدک ... فقال
اتانی داعی الجن فذهبت معہ (صحیح مسلم ج ۱، ص ۱۸۴)

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی لیلۃ الجن میں حضور کے ساتھ تھا؟ آپ نے فرمایا نہیں ہاں ایک رات ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے کہ ہم نے آپ کو اچانک گم پایا پھر ہم نے وادیوں اور گھاٹیوں میں آپ کی تلاش کی ہم نے کہا آپ کو کوئی اڑا کر لے گیا ہے یا کسی نے آپ کو چھپے قتل کر دیا ہے وہ رات ہم نے بہت تکلیف وہ احساس میں کائی جب صبح ہوئی ہم نے دیکھا کہ آپ حراء کی طرف سے آرہے ہیں ہم نے کہا کہ ہم نے آپ کو گم پایا اور تلاش کیا آپ ہمیں نہ ملے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس جنوں کا ایک سردار آیا تھا میں اسکے ساتھ گیا تھا۔

اس روایت میں آپ کا اس رات حضور کے ساتھ ہونا اور نہ ہونا دونوں باتیں موجود ہیں۔ امام بیہقی نے اس قصہ کو اس طرح روایت کیا ہے۔

عن علقمة قال قلت لعبد الله بن مسعود هل صحب رسول الله ﷺ ليلة الجن منكم احد فقال ما صحب منا احد ولكن فقدناه ذات ليلة بمكة فلقلنا اغتيل استطير ما فعل؟ قال لبنا بشر ليلة بات بها قوم فلما كان في وجه الصبح او قال في السحر اذا يجيء من قبل حراء فلقلنا يا رسول الله ﷺ فذكروا الذي كانوا فيه فقال انه اتانى داعى الجن فاتيهم فقرات عليهم قال فانطلق فارانا آثارهم وآثار نيرانهم

(دلائل النبوة ج ۲، ص ۲۲۹)

اس سے پتہ چلا کہ جنات کی رہائش کے آثار اور انکے چھٹوں کے نشانات یہاں عام سطح پر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود آپ کے اس رات چلنے کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

فلم يحضر منهم احد غيري فانطلقنا حتى اذا كنا باعلى مكة خط لي برجله خطا ثم امرني ان اجلس فيه ثم انطلق حتى قام فالتصق القرآن فغشبه اسودة كثيرة حالت بنى

وبينه حتى ما اسمع صوته ثم انطلقوا فطلقوا يتقطعون مثل
قطع السحاب ذاهبين حتى بقى منهم رهط ولفزع رسول
الله ﷺ مع الفجر فانطلق لبرز ثم اتانى فقال ما فعل الرهط
فلقت هم اولئك يا رسول الله (البيّان ج ۲، ص ۲۳۰)

ترجمہ: صحابہ میں سے میرے سوا کوئی آپ کے ساتھ نہ چلا ہم چلے گئے
یہاں تک کہ ہم مکہ کی ہالائی وادی میں پہنچے آپ نے اپنے پاؤں
مبارک سے میرے لیے ایک دائرہ کھینچا پھر مجھے اس کے اندر بیٹھنے کا
حکم دیا اور آپ چلتے گئے آپ نے قرآن پڑھنا شروع کیا۔ کیا دیکھتا
ہوں کہ بہت سے سرداروں نے آپ کو گھیر لیا اور وہ میرے اور آپ
کے مابین حائل ہو گئے ہیں حتیٰ کہ میں حضور ﷺ کی آواز بھی سن نہ
پاتا تھا پھر وہ بادل کے کٹڑوں کی طرح ٹوٹتے چلے گئے اور ان میں سے
کوئی قبیلہ باقی نہ رہا۔ فجر ہوئی اور حضور گھبرائے ہوئے تھے آپ چلے
اور ظاہر ہو گئے پھر آپ میرے پاس آئے اور کہا وہ قبیلے کہاں گئے
نے کہا یا رسول اللہ وہ ہیں۔

غالباً یہ وہی لوگ تھے جن کے بارے میں حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود
کو کہا تھا کہ ان سے ہمکلام نہ ہوتا۔

ہم اس وقت جنات کے حالات اور انکی پروازوں پر بحث نہیں کر رہے ہیں یہاں
ہم درویشوں کے عمل حصار پر گفتگو کر رہے ہیں۔ اس میں کلام الہی کی تاثیر اور آیات قرآن
کے کچھ اسرار کا پتہ چلتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود کے گرد جو خط کھینچا یا
اپنے قدم مبارک سے لکیر لگائی یہی وہ حصار ہے جس سے اہل اللہ اپنے ارادتمندوں سے آنے
والے شر کو روکتے ہیں اور جنات اور شیطان ان دائروں میں گھس نہیں پاتے۔ امام بخاری نے
بھی مناقب انصار کے تحت باب ذکر الجئن باعدھا ہے۔

(۳۷) رقص:

یہ وجد کی ایک بگڑی ہوئی صورت کا نام ہے درویش جب وجد پر قابو نہیں پاسکتا تو

ایک کیف میں ناچنا شروع کر دیتا ہے۔ اسلام میں اسکی قطعاً گنجائش نہیں نہ اسے اصطلاحات تصوف میں جگہ دی جاسکتی ہے۔ مگر افسوس کہ ترکی کے بعض درویشوں نے اسے زبردستی تصوف میں لا داخل کیا ہے سونا مناسب نہ ہوگا کہ ہم اس پر فقہاء کا فیصلہ نقل کر دیں۔ در مختار میں ہے:-

ومن يستحل الرقص قالوا بكفره ولا سيما بالدف يلهو ويزمر
ترجمہ: اور جو شخص رقص کو جائز سمجھے فقہاء نے اسے کفر قرار دیا ہے
خصوصاً جبکہ دف اور زمار کے ساتھ ہو۔
علامہ شامی قالوا بکفرہ کے تحت لکھتے ہیں:

المراد به التماثل والخفض والرفع بحركات موزونة كما
يفعله بعض من ينتسب الى التصوف وقد نقل في البزازية
عن القرطبي اجماع الائمة على حرمة هذا الغناء وضرب
القضيب والرقص قال ورايت فتوى شيخ الاسلام جلال
الملة والدين الكرمانى ان مستحل هذا الرقص كافر
وتمامه فى شرح الرهبانية ونقل فى نور العين عن التمهيد
انه فاسق لا كافر ثم قال التحقيق القاطع للنزاع فى امر
الرقص والسماع يستدعى تفصيلا ذكره فى عوارف
المعارف واحياء العلوم (رد المحتار ج ۳، ص ۴۲۵)

ترجمہ: اس سے مراد موزوں حرکات سے تمڑکنا اور جھلکنا اور اٹھنا ہے
جیسا کہ بعض لوگ جو تصوف سے انتساب رکھتے ہیں کرتے ہیں فتاویٰ
بزازیہ میں علامہ قرطبی کے حوالے سے اس گانے چننا بجانے اور اس
رقص کی حرمت پر اجماع نقل کیا گیا ہے اور میں نے شیخ الاسلام حضرت
علامہ کرمانی کا یہ فتویٰ بھی دیکھا ہے کہ اس رقص کو جائز قرار دینے والا
کافر ہے نور العین میں تمہید سے منقول ہے کہ وہ فاسق ہے کافر نہیں پھر
لکھا ہے کہ رقص و سماع کے مسئلہ میں وہ تحقیق جس پر ہر طرح کی نزاع
ختم ہو جائے وہ تفصیل چاہتی ہے اسے عوارف المعارف میں اور احیاء

العلوم میں نقل کیا گیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے فیوض روحانی اس طرح غالب رہے ہیں کہ یہاں اہل تصوف میں رقص و سرود کی بدعات نہ آسکیں۔ رہیں منگلوں کی کاروائیاں تو انہیں بریلویوں نے بھی کبھی اپنے کھاتے میں نہیں رکھا ان خرافات میں وہی لوگ اترے جو تصوف سے کوئی حقیقی نسبت نہ رکھتے تھے برائے نام ایک انتساب کے قائل تھے لیکن انہوں نے بیسویں صدی میں صوفی ازم پھر سے ایک تحریک جدید کی صورت میں آرہا ہے جس میں غیر مسلم بھی سرہلاتے دھڑا دھڑ شامل ہو رہے ہیں یہاں مانچسٹر میں ہمیں کئی ایسے انگریز لے جنہوں نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر مجالس ذکر میں برابر بیٹھے رہے اور اللہ اللہ کے اسلامی کلمات سے اپنے زعم میں خدا کو یاد کرتے تھے۔ صوفی ازم کی اس نئی تحریک میں بہت سے مسلمانوں کے بھی کھو جانے کا اندیشہ ہے خصوصاً ان لوگوں کا جو جاہل پیروں کے جال میں جکڑے ہوتے ہیں اور سلاسل اربعہ کے بزرگوں کی ہوا تک انہیں نہیں لگی ہوتی، علماء حق کے خلاف ان کا یہ پراپیگنڈہ عام ہے کہ یہ بزرگوں کو نہیں مانتے، گستاخ ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

رقص کو درویشی کی ایک منزل سمجھنا اور اس نشے کی تلاش میں در در بھٹکتا سعید الفطرت انسانوں کی طلب کبھی نہیں رہی۔ یہ الفاظ نہیں کہ انہیں مجاز پر محمول کیا جائے یہ حرکات ہیں جو کبھی کسی دوسرے عمل پر نہیں آتیں۔ سجدہ تعظیسی کی حرمت نے ہر ایسی حرکت کی جڑ نکال دی ہے جس میں نیت پر بحث کی ضرورت ہو۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:-

بعض جہلاء صوفیہ نے سماع میں یہاں تک غلو کیا ہے کہ ساتھ گانا سنتے ہیں۔ حدیث سے دونوں طریق کی مذمت ظاہر ہے۔

(الکھف ص: ۳۷۶)

(۳۸) اباحت:

یہ لفظ بمقابلہ شریعت ہے۔ شریعت کا معنی ہے قانونیت۔ اور اباحت کا معنی ہے لا قانونیت۔ اباحت کے قائلین اپنے آپ کو قانون سے بالا سمجھتے ہیں اور برملا کہتے ہیں کہ ہم سے

شریعت کی پابندی اٹھ چکی ہیں اسلام میں مہذب کے سوا کوئی نہیں جسے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اعمال کی ریٹائرمنٹ مل چکی ہو اور ظاہر ہے کہ مہذب سے اسکے ہوش و حواس لیے جا چکے ہوتے ہیں۔

اباحیہ فرقے کے لوگ بھانگی ہوش و حواس پابندی شریعت کا انکار کرتے ہیں وہ ایسا درویشی اور فقیری کے سایہ میں کرتے ہیں۔ اسلامی تصوف میں نظریہ اباحت کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ اہل تصوف اہل طریقت ہیں اور طریقت شریعت کے مقابلے کی چیز نہیں۔ اباحت اس کے مقابلے کا عنوان ہے۔ محققین کے نزدیک یہ دعویٰ اباحت کفر ہے۔

اباحیہ کے دلائل:

(۱) یہ لوگ کہتے ہیں کہ بندہ جب اپنے اعمال میں کمال کو پالے تو اب وہ جو چاہے کرے اسے کھلی چھٹی ہے۔ بدر میں جو لوگ شامل ہوئے انہیں بشارت دے دی گئی:

اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم

(صحیح بخاری ج ۲، ص ۶۱۲ صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۰۲)

اعملوا ما شئتم فقد وجبت لكم الجنة

(صحیح بخاری ج ۲، ص ۵۶۷)

ترجمہ: اب تم جو چاہو کرو میں بیشک تمہیں بخش چکا۔ جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی۔

(۲) حضرت عثمان نے جب غزوہ تبوک کے لیے تین سواونٹ مال تجارت سے لدے پیش کیے تو آنحضرت ﷺ نے منبر سے اترتے ارشاد فرمایا۔

ماعلی عثمان ماعمل بعد هذه ماعلی عثمان ماعمل بعد

هذه (جامع ترمذی ج ۲، ص ۲۱۱)

ترجمہ: اب عثمان پر کوئی ڈر نہیں جو وہ عمل کرے اس کے بعد، عثمان پر کوئی پکڑ نہیں جو وہ عمل کرے اسکے بعد۔

الجواب:

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی اہل بدر کے مکلف ہونے اور عام اباحت نہ

ہونے پر اس طرح استدلال کرتے ہیں۔
یہ حدیث (جس میں کہا گیا ہے اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم)
ان پر صریح رد کرتی ہے کیونکہ لفظ غفرت سے جس کے معنی ہیں گناہ کا
بخش دیا جانا خود معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز افعال سے ان کو گناہ تو ہوتا
ہے مگر غایت کرم سے وعدہ مغفرت کا فرمایا گیا۔ سو جب وہ فعل گناہ
ہوا تو جائز کیسے ہو گیا البتہ اگر احلت لکم (میں نے انہیں تمہارے
لئے حلال کیا) یا ابحت لکم ہوتا تو بیشک استدلال کی گنجائش تھی اور
اگر وعدہ مغفرت پر کسی کو دھوکہ ہو تو اہل بدر پر دوسرے کو قیاس کرنا مع
الفارق ہے کیونکہ مقیس علیہ کے بارے میں نص ہے اور مقیس میں
نص نہیں۔ ہاین هذا من ذاک۔ فرقہ ابا حنیہ کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

(الکھف ص ۳۵۰)

سوا ضح ہوا کہ اسلام میں شریعت کی پابندی ہر ایک کے لیے ہے اور ہمیشہ کے لیے
ہے جو صوفی اور ملک نظر یہ اباحت کے قائل ہیں وہ گمراہی اور الحاد میں گھرے ہیں۔

(۳۹) بروز و کمون:

یہ دو اصطلاحیں بیشتر تناخ کی بحث میں زیر بحث آتی ہیں ہم پہلے بروز پر کچھ گفتگو
کریں گے اسکے ضمن میں تناخ پر بھی بحث ہو جائے گی۔

عربی میں ہرز ہروز کے معنی نکلنے اور ظہور کرنے کے ہیں۔ بروز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ
نے جنوں کو طاقت دی ہے کہ وہ دوسرے ابدان میں ظاہر ہو کر ان کے اپنے احساس کو سلا دیں
اور خود اس دوسرے بدن سے لوگوں سے ہمکلام ہوں۔ یہ جن کسی دوسرے مردہ جسم میں داخل
نہیں ہوتے دوسرے زندہ بدن میں آتے ہیں اور اس میں اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں اگر
اللہ تعالیٰ بعض کالمین کی ارواح کو بھی یہ طاقت بخش دیں تو اس میں تعجب نہ کرنا چاہیے۔ یہ ایک
انسان کا دوسرے انسان میں بروز ہوگا۔

جنات کا یا ارواح کا ان دوسرے ابدان میں ظہور یہ ان کا بروز ہے جو اس بدن میں

ظاہر ہوا ہے اب اس بدن سے وہ جن ہی بول رہا ہے نہ کہ وہ شخص اول۔ اس کی روح اس وقت کہاں ہوتی ہے؟ یہ ایک دوسرا موضوع ہے۔

عام انسانی ارواح اور ان کے ابدان کا جو تعلق ہے ان میں ایک جہت تعلق حیات کی بھی ہے اس بدن میں زندگی اس روح کے تعلق سے رہتی ہے لیکن کوئی جن یا کسی کامل کی روح کسی بدن میں بروز کرے تو اس روح اور اس بدن میں علاقہ حیات کا نہیں ہوتا اپنا کمال پہنچانے کا ہوتا ہے تناخ میں روح کا تعلق اس دوسرے بدن سے حیات کا مانا جاتا ہے اور وہ دائمی ہوتا ہے جب تک کہ وہ بدن مردہ نہ ہو پائے۔

بروز کے مقابل کمون ہے بروز روح کا دوسرے بدن میں اپنے کمالات لے کر آنا ہے اور کمون ان کمالات کا پھر سے اسے اسی پہلے بدن میں سمٹ آنا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ پہلا بدن مردہ نہ ہوا ہو بخلاف تناخ کے کہ یہ بھی ہوتا ہے کہ پہلا بدن روح سے خالی اور مردہ ہو چکا ہو۔

اس تفصیل سے بروز و کمون اور تناخ کے کچھ فرق آپ کے سامنے آگئے ہوں گے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ بروز میں روح کا تعلق اپنے اصلی وجود سے تعلق رکھے ہوئے ایک نئے بدن سے ہی نہیں ہوتا بیک وقت کئی ابدان سے بھی ہو سکتا ہے۔

امام ربانی مجدد الف ثانی ایک خط میں جو آپ نے حضرت خواجہ محمد تقیؑ کی طرف صادر فرمایا لکھتے ہیں:-

جب جنوں کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے اس قسم کی طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلوں میں ظاہر ہو کر عجیب و غریب کام کریں تو اگر کالمین کی ارواح کو یہ طاقت بخش دیں تو کوئی تعجب کی بات ہے اور دوسرے بدن کی انکو کیا حاجت ہے۔ اس قسم کی ہیں وہ بعض حکایات جو بعض اولیاء اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک ساعت میں مختلف مکانوں میں حاضر ہو جاتے ہیں اور مختلف کام ان سے وقوع میں آتے ہیں یہاں بھی انکے لطائف مختلف جسدوں میں مجتہد ہو کر مختلف شکلوں میں متشکل ہو جاتے ہیں۔ (مکتوبات دفتر ۲، مکتوب نمبر ۵۸ ص ۱۶۹)

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

کون و بروز جو بعض مشائخ نے کہا ہے تباخ سے تعلق نہیں رکھتا کیونکہ تباخ میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ اس غرض کے لیے تعلق ہوتا ہے کہ اس کے لیے حیات و زندگی ثابت ہو اور اس کو حس و حرکت حاصل ہو اور بروز میں نفس کا دوسرے بدن کے ساتھ تعلق اس غرض کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس بدن کو کمالات حاصل ہوں اور وہ اپنے درجات تک واصل ہو جائیں، جس طرح کہ جن انسان کے ساتھ تعلق پیدا کر لے اور اسکے وجود میں بروز کرے یہ تعلق بھی انسان کی زندگی کے واسطے نہیں ہے کیونکہ آدمی اس تعلق سے پہلے حس و حرکت والا ہے وہ چیز جو اس تعلق سے اس میں پیدا ہو گئی ہے وہ اس جن کے صفات و حرکات و سکنات کا ظہور ہے لیکن مشائخ مستقیمۃ الاحوال کمون و بروز کا ہرگز عام ذکر نہیں کرتے اور ناقصوں کو بلاء و فتنہ میں نہیں ڈالتے۔

فقیر کے نزدیک کمون و بروز کی کچھ ضرورت نہیں۔ کامل اگر کسی ناقص کی تربیت کرنا چاہے تو بغیر اسی کے کہ اس میں بروز کرے اللہ تعالیٰ کے اقتدار سے اپنی صفات کاملہ کو مرید ناقص میں منعکس کر دیتا ہے اور توجہ و التفات کے ساتھ اس انعکاس کو ثابت و برقرار رکھتا ہے تاکہ مرید ناقص نقص سے کمال تک آجائے۔ (ایضاً ص ۱۷۰)

آپ آخر میں یہ بھی لکھتے ہیں:

بدن اول کو احکام برزخ کے حاصل ہونے سے چارہ نہیں اور قبر کے عذاب و ثواب سے خلاصی نہیں اور دوسرے بدن کے لیے جب دوسری حیات ثابت کرتے ہیں تو اسکے لیے گویا اسی دنیا میں حشر ثابت ہو گیا یا شاید نفل روح کا قائل قبر کے عذاب و ثواب کا قائل نہیں اور حشر و نشر کا معتقد نہیں۔ افسوس صد افسوس اس قسم کے مکار اور جمونے لوگ شیخی کی مسند پر بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔ (ایضاً ص ۱۷۱)

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بدن اول اس جہاں سے فارغ ہونے کے بعد برزخ میں

نہیں جاتا، برزخی احوال کسی اور بدن پر وارد ہوتے ہیں اور عذاب قبر کسی طرح اس بدن سے متعلق نہیں ہوتا حضرت امام ربانی کی نگاہ میں وہ عذاب قبر کے قائل نہیں ہائیں طور وہ ہرگز اہل سنت میں شمار ہونے کے لائق نہیں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے انہیں صریح لفظوں میں گمراہ کہا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے جب ظلی بروزی نبی ہونے کا دعویٰ کیا تھا تو اس کی مراد بھی یہ تھی کہ آنحضرتؐ کی روحانیت مجھ میں نفوذ کر گئی ہے۔ جس طرح جن کسی انسان میں آ کر اس کی نہیں اپنی بولی بولتا ہے جب کہتا ہے کہ میں نبی ہوں یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں یہ آواز حضورؐ کی روحانیت کی ہے اور میں تو انکا صرف بروز ہوں اس دعوے کے باعث قادیانی یہ کہتے سنے گئے کہ:

محمد ہی اتر آئے ہیں ہم میں
اور نہیں پہلے سے بڑھ کر اپنی شان میں
محل اور بروز کسی پر ہمیشہ کے لیے نہیں رہتا۔ مرزا غلام احمد اپنی موت تک اپنے ان
دعاویٰ پر قائم رہا سوائے کسی طرح نہیں مانا جاسکتا کہ اس کے اندر سے کوئی اور حقیقت بول رہی ہے۔
(۴۰) حلول:

کسی دوسرے کا وجود مستقل طور پر کسی میں اترنا یہ حلول ہے ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ خدا اپنے مقبول بندوں (جیسے رام۔ کرشن برہما) میں اترتا اور وہ ان میں حلول کر گیا اب یہ اوتار خدائی صفات اور اسکی قدرتوں کے مظہر ہیں اور جب لوگوں کو نفع نقصان دینا انہی کے اختیار میں دیا گیا تو ضرور تھا کہ انسان انہی کے آگے جھکے اور انہی کی عبادت کرے۔

بعض عالی ملنگ منصور بن حلاج کے بارے میں بھی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب خدا اس میں اترتا تو اس نے انا الحق کا نعرہ لگایا کہ میں خدا ہوں۔ تو یہ کہنے والا خدا ہی تھا نہ کہ منصور۔ خدا کا کسی پر اترنا، کسی پر اس کی تجلی تو ہو سکتا ہے لیکن یہ حلول نہیں ہو سکتا۔ حلول یہ ہے کہ اس پر اترنے والا اسی میں مل کر رہ جائے اس میں ان دونوں میں اتحاد ہو جاتا ہے اور یہ صورت یہاں نہیں۔

صوفیہ کرام وحدت کے قائل ہیں اتحاد کے نہیں، اور دونوں میں بنیادی فرق ہے۔

وحدت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر چیز کا اھم ہے، نہ ہونے کی برابر ہے، وجود حقیقی صرف اسی ایک کا ہے، وحدت الوجود میں یہی آواز سنائی دے رہی ہے، یہ تمثیلی پیرایہ ہے۔ حدیث قدسی میں خود ارشاد باری ہے کہ میں اسکی زبان بن جاتا ہوں جس زبان سے وہ بولتا ہے۔ تمثیل کو حقیقت سمجھنا نادان کا کام ہے۔

حلول میں دو وجودوں کا ماننا ضروری ہے ایک وہ جو محل ہو، دوسرا وہ جس میں وہ محل ہوں۔ سو ان دونوں (وحدت اور حلول) میں جوہری فرق پایا گیا۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:-
 ڈھلول میں حال (حلول کرنے والا) اور محل (جس میں وہ حلول کرے) دونوں موجود ہوتے ہیں پھر ان میں ایک نوع کا اتحاد ہو جاتا ہے جبکہ یہ حضرات (صوفیہ کرام) عالم کے وجود کو ذات حق کے وجود کے سامنے کالعدم جانتے ہیں۔ (بوادر النوار ص)

سوال اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق میں وحدت اعتباری تو پائی جاتی ہے لیکن اسے اتحاد نہیں سمجھا گیا۔ عقیدہ حلول میں اتحاد ہوتا ہے اور اہل تصوف اسکے ہرگز قائل نہیں ہیں یہ کفر ہے خالق و مخلوق کو ایک سمجھنا کفر نہیں تو اور کیا ہے؟

ایک اہم سوال اور اس کا جواب:

تصوف کے الفاظ اور اسکی اصطلاحات میں جب اتنی نزاکت ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی سے کفر و اسلام کی فاصلے قائم ہو جاتے ہیں تو کیا یہ بہتر نہیں کہ مسلمان قرآن و حدیث کے سیدھے اور سادہ پیرائے میں ہی چلیں اور تصوف کی ان ہلاکتوں میں نہ پڑیں۔

الجواب:

قرآن کریم میں بھی تو ایسی نزاکتیں کچھ کم نہیں ہیں۔ قرآن میں محکم آیتیں تو بیشک سیدھی اور سادہ ہیں عام فہم ہیں لیکن تشابہات وہ آیتیں ہیں جنکی تفسیر اور کیفیات پر بحث کرنے کی اجازت نہیں۔ اسی طرح تشابہات الہدیث ہیں جب وہاں تمثیل کے پیرائے میں وہ باتیں کہی گئیں جو ظاہر لفظوں میں کفر ہیں۔ تو کیا وہی پیرایہ ان مقامات تصوف میں اختیار نہیں کیا جاسکتا اور اگر اسکو چھوڑنے میں سلامتی ہے تو کیا پھر عام لوگ تشابہات قرآن اور

تساہات حدیث کو بھی چھوڑنے کے مطالبہ پر نہ آجائیں گے؟
 نہایت افسوس ہے کہ ابھی ایک نادان نے وحدت الوجود کی بحث میں ہندو
 جوگیوں، عیسائی راہبوں اور مسلمان صوفیوں کو ایک ہی لائن میں لاکھڑا کیا ہے اور پھر مولانا روم
 کو بھی اسی صف میں کھڑا دکھایا ہے، وہ لکھتا ہے:

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندو صوفی، عیسائی صوفی اور مسلمان صوفی
 کے بیانات کو ذہن میں رکھ کر پھر آگے کا سفر اختیار کیا جائے۔

(مجلد الدعویہ لاہور، نومبر ۱۹۹۷ء)

اس نادان کو اتنا بھی علم نہیں کہ صوفی کا لفظ کبھی بھی ہندو جوگیوں اور عیسائی راہبوں
 کیلئے نہیں بولا گیا، محدثین نے ان کو اجبار و رہبان کہہ کر پکارا ہے۔ محدثین قرآن و سنت کے
 سایہ میں چلنے والے ان سالکین کو ہمیشہ صوفی کہہ کر ذکر کرتے رہے ہیں۔ غور کیجئے کس طرح
 صوفی کا لفظ جو محدثین کے ہاں اہل زہد کے لیے کثرت سے استعمال ہوا ہے کس بے دردی
 سے اسے ہندوؤں اور عیسائیوں کو دے دیا گیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہم اس وقت اس پر بحث نہیں کر رہے ہیں کہ اہل تصوف (باصلاح جدید)
 نے قرآن و حدیث کو سمجھنے میں کہاں کہاں ٹھوکریں کھائیں ہیں اور اسلام کے کتنے جلی
 عنوانوں کا نادانی میں خون کیا ہے۔ ہم نے اس وقت صرف چند اصطلاحات تصوف کا ایک
 اجمالی نقشہ آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صوفیہ کرام کے
 ہاں جو اصطلاحات رائج ہیں وہ کبھی اپنے ظاہر پر ہوتی ہیں اور کبھی وہ تفصیل کی محتاج ہوتی
 ہیں۔ ان اصطلاحات کو سمجھنا ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ اس سے وہی واقف ہوتے ہیں
 جنہوں نے اس راہ کو سمجھنے کی کبھی دیانت داری سے کوشش کی ہو وہی ان الفاظ کے معانی کو
 سمجھ سکتے ہیں۔ کسی لفظ کو سامنے رکھ کر لغات سے اسکے معانی تلاش کرنا اور پھر صوفیہ کرام پر
 برتا اہل دانش کا کام نہیں ہے۔ فقہ اور تصوف وہ حقیقتیں ہیں کہ انکا علمی پہلو سے کسی طرح
 انکار نہیں کیا جاسکتا۔

محدثین کے اہل تصوف ہونے کی کچھ شہادتیں

۱۔ حافظ ذہبی (۴۸۷ھ) نے تذکرۃ الحفاظ میں کئی محدثین کے صوفی ہونے کی

تصریح کی ہے۔

ابوبکر محمد بن واؤد نیشاپوری (۳۳۲ھ) کے ذکر میں لکھتے ہیں:-
نامور حافظ حدیث مشہور زاہد اور حجت ہیں شیخ الصوفیہ کے لقب سے یاد
کئے جاتے تھے۔ (تذکرہ ص ۳ ص ۶۱۸)

۲- ابوسعید محمد بن علی المہاش اصنہانی حنبلی (۴۱۳ھ) کے ذکر میں لکھتے ہیں:-
تادم والیس اعلاء حدیث میں مصروف رہے اور منصب جلالت پر قائم
رہتے ہوئے حدیث روایت کرتے رہے۔ روایت کرتے وقت
صدقات اور دیانت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ میں نے ان کی
کتاب طبقات الصوفیہ دیکھی ہے (تذکرہ ص ۳ ص ۱۱۲)

۳- حافظ ذہبی بعض جلیل القدر حفاظ حدیث کو اس طرح صوفی کہہ کر ذکر کرتے
ہیں اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں یہ کوئی اجنبی لفظ نہ تھا اہل حدیث (باصلاح
قدیم) اور اہل تصوف میں ان دونوں کوئی نسبت تضاد نہ تھی۔ ذہبی لکھتے ہیں:-
ابومحمد عبدالعزیز کتابی تمیمی صوفی (۳۶۶ھ).....

(تذکرہ جلد ۳ ص ۷۸۱)

اب اگلی صدی کے ایک اور نامور حافظ حدیث کا بھی لقب شیخ الصوفیہ
ملاحظہ فرمائیں:-

۴- شیخ الصوفیہ ابوالفتح محمد بن عبدالرحمن خطیب الکشمینی (۵۲۸ھ)
حافظ ذہبی لکھتے ہیں:-

(یہ صوفی بزرگ) حافظ ابوالخیر محمد بن عمران روزی سے صحیح بخاری کے
آخری راوی ہیں "مرد" میں فوت ہوئے۔ (تذکرہ ص ۳ ص ۸۸۳)

۵- ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی الشیبانی (۵۰۷ھ)

منوۃ التصوف کے مصنف ہیں..... (تذکرہ جلد ۲ ص ۸۳۳)

یہ کتاب کا نام خود بتا رہا ہے کہ یہ حضرات محدثین تصوف کو دین کی ایک مستقل لائن
سمجھتے تھے اور اس میں سے ہو کر کھرنان ان کی صفائی باطن کا ایک نشان سمجھا جاتا تھا۔
اب ایک اور نامور حافظ حدیث سے بھی تعارف کریں۔

۶۔ ابو یعقوب یوسف بن احمد (۵۸۵ھ)

بغداد کے ایک بلند پایہ حافظ حدیث تھے..... شیخ الصوفیہ تھے۔

(تذکرہ جلد ۳ ص ۹۱۶)

صوفیہ کرام میں جو خلافت کا سلسلہ چلتا ہے اور مریدین سلوک کی منزل طے کر خرقہ خلافت لیتے ہیں محدثین ان ناموں سے ہرگز ناواقف نہ تھے۔

۷۔ ابو عبد اللہ محمد بن ابی الحسن یونینی بعلبکی حنبلی (۶۵۸ھ)

حافظ ذہبی لکھتے ہیں:-

شیخ عبدالقادر جیلانی کے خلیفہ شیخ عبداللہ بطلمی سے خرقہ تصوف زیب

تن فرمایا۔ (تذکرہ جلد ۳ ص ۹۷۷)

دو اور اصطلاحات بھی مطالعہ کیجیے۔

(۴۱) محاسبہ

یہ سالک کا خود اپنے اعمال کا حساب کرنا ہے اس کے لیے اپنے حالات کے مطابق کوئی وقت بھی تجویز کیا جاسکتا ہے۔ لکھتے ہیں:-

راہ سلوک کا مسافر ہر روز بعد از نماز عشاء سوتے وقت اپنے دن بھر کے اعمال کا جائزہ لے۔ ان میں جو کام اللہ رب العزت کی اطاعت اور عبادت میں کئے تھے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ اس نے تو فیض دی جو یہ کام اس سے ہو پائے۔ اور جو کام اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں ہوئے یا اس سے تعمیل احکام میں کچھ کوتاہی سرزد ہوئی ان پر یہ سالک عداوت کا اظہار کرے۔ پہلے درجہ میں محاسبہ یہی ہے تاہم سالک جوں جوں آگے بڑھے گا اس کا دور محاسبہ وسیع تر ہوتا جائے گا۔ یہ نہیں کہ وہ کبھی اس عمل محاسبہ سے فارغ ہو جائے لیکن سالک کو جو ابھی زیر علاج ہے ان رذائل سے کلنا بھی اشد ضروری ہے سو ان رذائل اخلاق میں بھی وہ اپنا محاسبہ کرے تیرہویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد شہید کے صراط مستقیم کی دوسری فصل کی دوسری ہدایت میں دس افادے انہی دس رذائل اخلاق پر ہیں اور گیارہواں افادہ محاسبہ پر ہے، آپ فرماتے ہیں:-

جب انسان یادداشت کے طور پر ہمیشہ ان امور کا ملاحظہ کرتا رہے گا تو امید واقعی

ہے کہ اس کو صفائی حاصل ہو جائے گی دل میں صرف تعذیب اور تجلیہ کا گمان پیدا ہو جانے سے ہی اس پر بھروسہ نہ کر لیجیے بلکہ اس کا امتحان کرے اور امتحان کے طریقہ کو اچھی طرح سمجھ کر اس سے اپنے آپ کو جانچے مثلاً خانقاہ پر پہنچنے والے کسی فقیر نے کسی بادشاہ یا کسی امیر کو نہایت دبدبے اور دھوم دھام میں دیکھ کر اپنے دل میں کچھ رشک اور حسد معلوم نہ کیا تو یہ سمجھ لے کہ میں حسد سے پاک ہوں۔

پھر آگے جا کر فرماتے ہیں:-

اس طرح عالم اور سپاہی اور شریف اور پیشہ ور کا حال اپنا اپنا ہے۔

(صراط مستقیم ص ۱۳۰)

حساب کا اصل دن یوم الحساب ہے لیکن اس وقت کی ناکامی کا وہاں کچھ علاج نہ ہو سکے گا یہ دنیا دار العمل ہے اگر لوگ یہیں اپنا حساب شروع کر دیں تو ناکامی کی صورت میں عمل کا گیر بدلہ جاسکتا ہے اس لئے بزرگان طریقت اس پر زور دیتے ہیں کہ پیشتر اس کے کہ حساب کی گھڑی آپہنچے اور پھر تم کچھ نہ کر سکو یہیں اپنا حساب کر لو۔

حاسبوا قبل ان تحاسبوا

ترجمہ: اپنا حساب کر لو پیشتر اس کے کہ تم حساب کیے جاؤ۔

(۴۲) مراقبہ

جب سالک اپنے آپ کو گرد و پیش کی تمام چیزوں اور لوگوں سے فارغ کر لے ان سے دھیان اٹھا کر کچھ وقت کے لیے گردن جھکالے تو اس گردن جھکانے کو مراقبہ کہتے ہیں رقبہ عربی زبان میں گردن کو کہتے ہیں اور مراقبہ نگہبان کو۔ جب سالک اپنے خیال کو ماسوی اللہ سے ہٹا کر خدا کی طرف لگا دے کہ میں اب اپنے آپ کو اللہ کے حضور پیش کئے ہوئے ہوں تو یہ مراقبہ ہے۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار

جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

مراقبہ کی کئی قسمیں ہیں مجدد مآذینہ دم۔ حضرت سید احمد شہید نے تیسرے باب کی پہلی فصل کی دوسری ہدایت میں پہلے افادہ میں مراقبہ وحدانیت اور دوسرے افادہ میں مراقبہ

صمدیت کو بیان کیا ہے۔ پھر چوتھے باب کے چوتھے افادہ، افادہ نمبر ۴ میں مراقبہ عظمت اور پانچویں افادے میں مراقبہ الوہیت کو بیان کیا ہے اور آخر میں چھٹے افادے میں انکشاف وجہ اللہ پر بات ختم کر دی ہے بات اپنی انتہا کو جا پہنچی۔

پھر آپ نے اشغالِ چشتیہ میں چار طرح کے ذکر کے بعد پانچویں افادہ میں مراقبہ کی نہایت نفیس تفصیل کی ہے یہ مراقبہ وحدانیت، مراقبہ صمدیت، مراقبہ عظمت اور مراقبہ الوہیت کے علاوہ اللہ کی ذات میں نفا ہو کر اس کو پالینے کا مراقبہ ہے ان مراقبات سے گزرنے والا محسوس کرتا ہے کہ میں سلوک و عرفان کی ان دادیوں میں سیر کر رہا ہوں جن کی پہلے کا ملین اہل عرفان خبریں دیتے چلے آئے ہیں۔ ہاں سالک کے لیے اس راہ میں سب سے مفید مراقبہ موت ہے اس میں تصورات کے وہ نقشے نہیں جو حضرت سید احمد شہید نے دریائے معرفت میں اتر کر شفاف موتیوں کی طرح سامنے کر دیئے ہیں۔

مراقبہ موت حضرت مولانا سراج اللہ خاںؒ کے الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

نزع کی حالت (کا تصور باندھنا)، قبر میں سوال و جواب (کا تصور کرنا) میدان حشر، حساب و کتاب، حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور جواب دہ ہونا اور پہل صراط سے گزرتا۔ ان سب چیزوں کو سوچنا اور عہد کرنا کہ آئندہ کسی معصیت کے پاس نہ جاؤں گا پھر ایک تسبیح استغفار کی پڑھنا۔ استغفار یہ ہے۔

سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم استغفر اللہ العظیم

الذی لا اله الا هو الحي القيوم واتوب اليه

(شریعت و تصوف ص ۲۸)

خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ نے مراقبہ موت کو بڑے جاذبِ حیرانہ میں نظم کیا ہے۔ وہ کھٹول مجذوب میں ص ۳۲۰ پر چھپ چکا ہے مراقبہ موت میں اسے بھی اجتماعی طور پر پڑھ لیا جائے تو آخرت کی طرف متوجہ ہونے کا نہایت عمدہ علاج ہے۔

اصطلاحات تصوف جو ہم نے یہاں ایک باب کی صورت میں ہدیہ قارئین کی ہیں یہ سب استقرائی ہیں جو اہل تصوف کے حلقوں میں عام استعمال ہوتی ہیں۔ اس کثرت استعمال نے انہیں اصطلاح بنا دیا ہے۔ راقم الحروف کو انہیں ایک مستقل باب کی صورت میں پیش کرنے کی ہمت کیسے ہوئی؟ حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی کتاب التلخیص

ہے جس کے بارے میں محقق العصر مورخ اسلام حضرت علامہ سید سلمان ندوی لکھتے ہیں۔
 وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا شبلی و جنید و بسطامی اور سہروردی و
 سرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔ وہ ہستی حضرت مولانا
 اشرف علی تھانوی نے اشرف کی ضخیم جلد میں ہائضفیل اور ہیضہ
 الطریقت میں مختصر تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی ہے۔

(آثار الاحسان جلد ۱، ص ۴۴۴)

حضرت تھانوی کے ذہن میں یہ داعیہ کیسے اٹھا کہ تصوف کی حقیقت احادیث سے
 ثابت کی جائے؟ یہ اس لیے کہ آپ چودھویں صدی کے مجدد تھے اور مجدد اپنے دعویٰ سے نہیں
 اپنے کلام سے پہنچانا جاتا ہے کہ حضرت تھانوی کی کتاب الکشف سے راقم الحروف کو حوصلہ ہوا
 کہ اصطلاحات تصوف کو ایک استقرائی پیرائے میں ہدیہ قارئین کرے اور یہ راقم کی سعادت
 ہے کہ اسے ہر اصطلاح کی بیان الکشف میں مل گیا۔

اس سے اس یقین میں اور اضافہ ہوا کہ آپ واقعی اس صدی کے مجدد ہیں اور
 تیرہویں اور چودھویں صدی میں تصوف کے خلاف جو مشقیں ہوئیں آپ کی ان تالیفات اور
 آپ کے مواظظ و اضافات سے ان کا پورے طور پر ازالہ ہو جاتا ہے۔

اہل تصوف نے بہت سی باتیں اپنے تجربات سے کی ہیں اور انہیں دین نہیں جانا
 کہ ان پر بدعات کا شبہ ہونے لگے جن حضرات نے اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے لیے یہ
 تجربات کیے اور ان میں کسی مقام پر کتاب و سنت کی روشنی مدہم ہوتے نہ پائی انہوں نے انہیں
 بدعات نہ سمجھا کیونکہ بدعت وہی ہے جس سے کوئی راہ سنت مجروح ہوتی ہو۔

اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہمارے بھائی کی رجال تصوف کی ان اصلاحی خدمات
 پر نظر کریں جن کی وجہ سے پورا برصغیر پاک و ہند صدیوں ایک قلم و اسلامی بنا اور اب باوجود
 یکہ اس میں ایک خطہ ایک سامان سلطنت بن چکا ہندوستان پھر بھی ایک مستند سلطنت نہیں بنا۔
 نظر قارئین سے دیکھا جائے تو اس کا موجب وہی رجال تصوف جن کو عام الفاظ میں درویشان
 طریقت کہا جاتا ہے۔

تخلیق انسانی میں سب سے اونچا درجہ رجال کا ہے۔ جن کا فطرت انسانی اب تک
 انکار نہیں کر سکی۔ قرآن کریم میں جب انسان کو اپنی حقیقت جاننے کا سبق دیا گیا تو اوپر کے

درجے میں مردوں کو ہی رکھا۔ زیادہ اولیاء کرام مردوں میں ہی ہوئے۔ عورتوں میں بہت کم خواتین اپنے مقام ولایت میں معروف ہوئیں۔ قرآن کریم میں ہے:

اکفوت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفة ثم سواک

رجلا (پ ۱۵، الکہف ۳۷)

رجل مرد کو کہتے ہیں۔ اس عنوان سے ہم اگلا باب رجال تصوف ہدیہ قارئین کر رہے ہیں اس کے مطالعہ سے بہت سے وہ شہبات کا فور ہو جاتے ہیں کہ طریقت شریعت کے بالمقابل کوئی دوسری راہ ہے۔

رجال تصوف پاک و ہند کے ائمہ تصوف

الحمد لله و سلام على عباده الذين اصطفى
خصوصاً على سيد الرسل وخاتم الانبياء أما بعد!

قرآن کریم میں اہل ولایت کے ایمان افروز تذکرے
یوں تو دنیائے اسلام میں ہر جگہ کئی کئی اولیائے کرام گزرے جنہوں نے اپنے
روحانی فیض سے کئی اجڑے ویرانوں کو آباد کیا لیکن ہمارے قریب کے حلقوں میں برصغیر پاک
و ہند برما و آسام اور افغانستان و ایران میں اہل طریقت کے تذکرے بہت عام رہے ہیں۔
ایران کے اس دور میں جب وہاں سنی اکثریت تھی ہزاروں اللہ والے پیدا ہوئے اور ان کے
اثرات ہندوستان تک پہنچے رہے۔

قرآن کریم صرف شریعت Divine Law کی ہی کتاب نہیں اس میں نفس و
روح، سلوک و احسان اور ولایت و طریقت کے بھی بہت سے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ قرآن
کریم سلوک و احسان کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ ایسے باخدا درویشوں کا بھی پتہ دیتا ہے جن
کی زندگیاں اس دنیا میں ہی اس پیرایہ میں ڈھل گئیں کہ شریعت اور طبیعت ان کے لیے ایک
ہو گئیں۔ جن لوگوں کے لیے شریعت طبیعت بن جائے تو دیکھا جائے تو وہ طریقت کی راہ ہی
سے اس منزل میں کامیاب اترے ہیں۔ ہم یہاں چند وہ آیات بھی لکھے دیتے ہیں جن میں
اہل ولایت کے ایمان افروز تذکرے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم شریعت کی ہی
ایک کتاب نہیں اس کا دوسرا کنارہ طریقت بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ شریعت کے احکام کی تعمیل

کے صلے اور جلوے پورے طور پر تو آخرت میں ملیں گے لیکن اہل طریقت پر بسا اوقات دنیا میں بھی ان کی قلبی واردات کے پردے کھول دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں ان کے تذکرے ان کے مقام احسان کی قرآنی شہادتیں ہیں:-

یہ دنیا غم و خوف میں گھری اپنی بقا کی جدوجہد میں دن رات مصروف ہے اور اس کے گرد کھلے اور چھپے دشمنوں کے اتنے کانٹے بچھے ہوئے ہیں کہ ساکنان زمین کا امن و سکون بالکل کھویا ہوا ملتا ہے۔ مگر جو لوگ ایمان و یقین سے وادی طریقت میں اتر گئے اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام خوف اٹھا دیئے اور ان کے دلوں کے لطائف کھول دیئے۔

(۱)... آتِ اٰوٰلِیاءِ اللّٰہِ لَا خَوْفَ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ

(پ: ۱۱، یونس: ۶۴)

ترجمہ: یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں انہیں نہ کسی چیز کا ڈر ہوتا ہے نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے۔

یہ حالت صرف چند اونچے درجے کے اہل طریقت کی ہی نہیں، ایمان والوں کی حالت بھی یہی ہونی چاہئے۔ قرآن پاک میں بہت سے نیک عمل لوگوں کو بھی غم و خوف سے بچے رہنے کی خبر دی گئی ہے۔ یہ وہ صفات عالیہ ہیں کہ جن کا پانے والا ولایت الہیہ کے ثمرات سے نوازا جاتا ہے۔

(۲)... من امن باللّٰہ والیوم الآخر و عمل صالحاً فلا خوف

علیہم ولا ہم یحزنون (پ: ۶، المائدہ: ۶۹)

ترجمہ: جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور کیے اس نے نیک کام ان پر آئندہ کا کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ اپنے کسی پہلے گناہ سے غمگین ہوں گے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ ایمان باللہ اور بالیوم الآخر کے ساتھ اعمال صالحہ پر ہی ولایت کی راہیں کھلتی ہیں، یہ کتاب و سنت کے علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔

(۳)... فمن اتقى واصلح فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

(پ: ۸، الاعراف: ۳۵)

ترجمہ: جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کر لی ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ کبھی غمگین ہوں گے۔

(۳) ... و ینجی اللہ اللدین اتقوا بمقازتہم لا یمسہم السوء
ولا ہم یحزنون. (پ: الزمر: ۲۳، ۶۱)

ترجمہ: اور بچائے گا اللہ ان کو جو ڈرتے رہے ان کے بچاؤ کی جگہ، نہ
چھوئے گی انہیں کوئی برائی اور نہ وہ ٹھگین ہوں گے۔

(۵) ... ان اللدین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیہم
ولا ہم یحزنون. (پ: الاحقاف: ۱۳)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر انہوں نے
اس پر استقامت دکھائی ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ کبھی ٹھگین ہوں گے۔

یہ مضمون کہ اس دنیا میں رہنے والے کچھ ایسے خوش قسمت بھی ہیں جنہیں نہ سابق کا
کوئی غم ہے نہ آئندہ کا کوئی خوف ہوگا، ان پانچ آیات میں ہی نہیں، یہ مضمون بیسیوں آیات
میں پھیلا ہوا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس دین میں شریعت اور طریقت کے
کنارے ساتھ ساتھ چلے ہیں اور شریعت و طریقت کے مابین حقائق و معانی کا ایسا ادراک
ہے جسے سلوک و احسان کہتے ہیں۔ یہ ایک انکشاف ہے جس کے لیے خدا نے شریعت کے
علاوہ کوئی دوسری راہ نہیں رکھی۔ راہ طریقت کے مسافر اسی راہ میں چلتے ہیں اور اسی راہ سے وہ
خدا کو دیکھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اہل طریقت کے ان درویشوں کے تذکرے بھی مطالعہ
کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کا بارہا ذکر کیا ہے۔

(۱) ... اللدین امنوا و لم یلبسوا ایمانہم بظلم اولئک لہم

الامن و ہم مہتدون. (پ: الانعام: ۸۲)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے گدلا نہ

کیا وہی ہیں جن کو اس دن امن ہوگا اور وہ ہیں راہ پائے ہوئے۔

لہم الامن و ہم مہتدون کی بشارت یہی ہے کہ، لا خوف علیہم ولا ہم
یحزنون، انہیں نہ کوئی خوف ہے نہ کوئی غم لاحق ہوگا۔

(۲) ... امن ہو قالت آناء اللیل ساجداً و قائماً یحذر الاخرة

و یرجو رحمة ربہ. (پ: الزمر: ۹)

ترجمہ: بھلا ایک وہ جو بندگی میں لگا ہوا ہے رات کی گھڑیوں میں

سجدے کرتا ہے اور قیام کرتا ہے آخرت کے ڈر سے۔ اور امید رکھے ہوئے ہے اپنے رب کی رحمت کی۔

(۳)... انہم كانوا یسارعون فی الخیرات و یدعوننا رغباً و رهباً و كانوا لنا خاشعین. (پ: ۱۷، الانبیاء: ۹۰)

ترجمہ: یہ لوگ نیک کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے امید اور ڈر دونوں میں، اور ہمارے سامنے عاجزی سے جھکنے والے رہے۔

(۴)... تریٰ أعینہم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا انما فاکتبنا مع الشاہدین. (پ: ۶، المائدہ: ۸۳)

ترجمہ: تو دیکھے گا ان کی آنکھیں بہ رہی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ وہ حق کو پہچان چکے وہ کہتے ہیں اے رب ہمارے! ہم ایمان لاچکے تو لکھ ہم کو ماننے والوں میں۔

(۵)... وأعینہم تفیض من الدمع حزناً الا یجدوا ما ینفقون

(پ: ۱۰، التوبہ: ۹۲)

ترجمہ: اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی ہیں اس غم میں کہ وہ اس قدر مال کیوں نہیں رکھتے کہ وہ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کر سکیں۔

(۶)... لا تجد قوماً یؤمنون باللہ والیوم الآخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ ولو كانوا ابناءہم أو ابناءہم أو اخوانہم

(پ: ۲۸، المجادلہ: ۲۲)

ترجمہ: تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہوں کہ وہ دوستی کریں ان سے جو مخالف ہوئے اللہ کے اور اس کے رسول کے گو وہ ان کے باپ دادا ہوں یا ان کی اولاد ہوں یا ان کے بھائی۔

(۷)... رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ فممنہم من قضیٰ نحبہ و ممنہم من ینتظر. (پ: ۲۱، الاحزاب: ۳۳)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے سچ کر دکھایا عہد جو انہوں نے اللہ سے باندھا تھا، پھر ان میں کوئی تو پورا کر چکا اپنا ذمہ اور کوئی ابھی انتظار

میں ہے کہ کب وہ اسے پورا کر دکھائے۔

(۸)... یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف تعرفہم بسیماہم

لا یسئلون الناس الحافا (پ: ۳، البقرہ: ۲۷۳)

ترجمہ: جاہل انہیں مال دار سمجھتے ہیں ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے، تو پہچانتا ہے انہیں ان کے چہروں سے، نہیں سوال کرتے وہ لوگوں سے ان سے چٹ کر۔

(۹)... ویؤثرون علیٰ انفسہم ولو کان بہم خصاصة

(پ: ۲۸، الحشر: ۹)

ترجمہ: وہ دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں گو خود کو کتنی ہی حاجت کیوں نہ ہو۔

(۱۰)... ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ

(پ: ۲، البقرہ: ۲۰۷)

ترجمہ: اور ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے بیچ دیا اپنی جانوں کو اللہ کی رضا پانے کے لیے۔

یہ قرآن کریم میں اہل ولایت کے تذکرے ہیں۔ یہی نہیں سینکڑوں آیات ان اہل باطن کی اس طرح خبر دے رہی ہیں اور یہ پیغمبروں کے تذکروں میں پیغمبروں پر ایمان لانے والے صاف باطن لوگوں کے تذکرے بھی ہیں۔ ان آیات پر سلسلہ وار نظر کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں توحید و معاد کے بعد سب سے زیادہ آیات احسان و سلوک کے باب میں ہی وارد ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جا بجا اپنی قدرت کے اعلیٰ نمونے ظاہر کیے ہیں اور یہ بھی فرمایا ہے کہ لوگوں کو ان گذرے واقعات کی خبر دو اور ان کی یاد دلاؤ اور اللہ تعالیٰ نے خود بھی ایسے بے شمار واقعات ذکر کئے ہیں جن سے لوگ رشد و صلاح کی طرف آئیں اور ان کے دل اللہ کے حضور فوراً جھک جائیں۔ ایسے وقائع تاریخ کو قرآن کریم ایام اللہ کہتا ہے اور اس پر زور دیتا ہے کہ ان ایام کی یاد اندھیروں سے نکال کر نور میں لاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

أخرج قومک من الظلمات الی النور و ذکرہم ہایام اللہ.

(پ: ۱۳، ایما ایم: ۵)

ترجمہ: آپ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی میں نکال لائیں اور انہیں اللہ کے گزرے دنوں کی یاد دلائیں۔
وہ کون سے دن ہیں وہی؟ جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کوئی خاص نمونہ ظاہر فرمایا۔

اسلام میں تذکیر کے تین ہی موضوع ہیں:-
۱- تذکیر بآیات اللہ، ۲- تذکیر بایام اللہ، ۳- تذکیر بما بعد الموت۔
قرآن کریم میں صرف انبیاء کرام کے روحانی تذکرے ہی نہیں صدیقین، شہدائے کرام اور اولیاء صالحین سب کو اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ لوگ کہا گیا ہے اور لوگوں کو ان کی پیروی میں چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔

والتبع سبیل من اناب الی (پ: ۲۱، لقمان: ۱۳)
ترجمہ: اے مخاطب! اس کی پیروی کرو جو میری طرف جھکا ہوا ہو۔
سورۃ الفاتحہ کی دعا بھی یہی ہے:-

اهدنا الصراط المستقیم. صراط الذین انعمت علیہم غیر
المغضوب علیہم ولا الضالین

ترجمہ: اے اللہ! ہمیں سیدھی راہ پر چلا، ان لوگوں کی راہ پر چلا جن پر تو نے انعام کیا وہ نہ تھے جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ وہ جو راہ گم کر بیٹھے۔
یہ سب راہ سلوک کے پیمانے ہیں، حق میں چلنے اور ڈھلنے والا ہر خوف اور غم سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت خضر، حضرت لقمان، ہابیل اور اصحاب کہف کے تذکرے ہیں، یہ سب اولیاء کرام تھے۔ حضرت خضر کو پیغمبر بھی کہا گیا ہے۔

قرآن کریم نے حضرت ڈوڈ، حضرت سواع، حضرت یغوث، یحوق اور نسر کا بھی پارہ ۲۹ سورہ نوح آیت ۲۳ میں ذکر کیا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ دور قدیم کے صالحین تھے ان کے نام انہوں نے کچھ بتوں کو دے کر انہیں اپنا معبود بنا لیا تھا۔ یہ ان مشرکین کا انہیں معبود بنانا ازراہ کفر الحاد تھا۔

قرآن کریم میں اس سے پہلی آیت میں ہے و مکروا مکراً کباراً کہ انہوں نے بہت ہی بڑا مکر کیا کہ اولیاء اللہ کی تعظیم کے مکر سے ان کے نام بتوں پر اتار دیئے اور ان کی پرستش شروع کر دی۔ اہل بدعت مسلمانوں نے بتوں کی بجائے ان کی قبروں کو ان کی یادگار بنالیا ہے اور قبروں پر سجدے عبادت کے نام سے نہ سبھی تعظیم کے نام سے کرتے ہیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں دنیا میں بت پرستی کی ابتدا قبر پرستی سے ہی ہوئی تھی۔ آپ لکھتے ہیں:-

ان اصل عبادۃ الاصنام اتخاذ قبور الصالحین مساجد

(رد المحتار جلد: ۱، ص: ...)

ترجمہ: بت پرستی کی بنیاد بزرگوں کی قبروں پر سجدہ کرنے سے ہوئی۔

آنحضرت ﷺ نے احادیث میں بھی کئی دفعہ پہلے گزرے اہل ولایت کا ذکر فرمایا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقربین کا ذکر کرنا اور ان کی اتباع میں اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے کی آرزو کرنا اور اللہ تعالیٰ کی محبت لوگوں کے دلوں میں اتارنا کتاب و سنت کا ایک مستقل موضوع ہے اور ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اہل ولایت پہلے ادوار میں بھی بہت ہوئے ہیں۔

یہ حضرات اولیاء کرام ہیں جو امت کے لیے اس دعوت کا موضوع بنے، اس وقت بھی دعوت کا سارا کام حیاۃ الصحابہ کے گرد گھوم رہا ہے۔ حکایات صحابہ تبلیغ نصاب کا ایک اہم جزو ہے۔ صحابہ کے بعد اولیاء کرام اور ائمہ تصوف کے ایمان افروز تہذیبی نصاب کا ایک اہم جزو ہے۔ یہ وہ روشن ضمیر صاحب باطن لوگ تھے کہ جہاں بیٹھ گئے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں انہوں نے اللہ کی محبت اتار دی۔ برصغیر پاک و ہند میں اولیاء کرام کی روحانی محنتوں، دن رات کی عبادتوں اور عملی ریاضتوں سے وہ نظری اور فکری تبدیلیاں وجود میں آئیں کہ انہوں نے برصغیر کے جغرافیہ تک کو بدل دیا ہے۔

علماء کرام اور صوفیہ کرام میں کبھی نسبت تباہ نہیں رہی۔

مذہب کی ظاہری شکل شریعت سے بنتی ہے اور اس پر چلنے والوں کی دل کی آنکھیں طریقت سے کھلتی ہیں، شریعت اسلام کا ڈھانچہ ہے تو طریقت اس کی روح ہے، جب شریعت اور طریقت میں تباہی پیدا ہونے لگے تو سمجھ لیجئے کہ ہم دین کی مٹائی سے نیچے اتر گئے ہیں۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے ایک مقام پر اس حال کا اس طرح ذکر کیا ہے:-

جب شریعت اپنی روح یعنی جذبہ خدا شناسی سے محروم ہو جائے تو اس کا وجود و عدم برابر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب طریقت شریعت کے قواعد و ضوابط کو ہالائے طاق رکھ دے تو وہ ایک تیز رفتار سواری کے مانند ہو جاتی ہے جس کے بریک ٹیل ہوں۔ اس صورت حال کا نتیجہ ظاہر ہے یہ فکر و نظر سے جاہلیت کا ایک کھلا تصادم ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہندوستان میں مسلم فاتحین اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے نہ آئے تھے، وہ یہاں کی تاریک وادیوں میں صرف ایک اپنے نظر و فکر کا تعارف بھی چاہتے تھے ان کا مقصد یہاں کے لوگوں کو ظالم حکمرانوں کے تشدد سے نکال کر لوگوں کو انسانوں کے بنیادی حقوق کا احساس دلانا تھا اور اس کی اساس انہوں نے انسان دوستی پر رکھی۔ ان کا یہ مقصد کبھی نہ رہا کہ یہاں بزدل حکومت اسلام لایا جائے۔ ان کے ساتھ آنے والے علماء بھی اس کے لیے نہ بڑھے، یہ چندہ نفوس تھے جو لوگوں کے دلوں میں اللہ کی محبت کی گرمی پیدا کر دیتے تھے۔ یہی یہاں اسلام کی اشاعت کا نقطہ آغاز تھا اور برصغیر پاک و ہند میں اسلام کا پہلا تعارف انہی صوفیہ کرام سے ہوا اور یہاں اسلامی معاشرے کی بنیاد پڑ گئی۔ علماء کرام اور صوفیہ عظام میں کبھی نسبت تباہ نہیں رہی۔ سونا مناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں کچھ ان اہل ولایت کا تذکرہ کریں جن کی روحانی قوت ولایت اور کرامات کے تذکرے مختلف علاقوں میں تو اتر سے اہل عقیدت کی گفتگو کا موضوع بنے چلے آ رہے ہیں۔

اولیاء کرام کے مختلف ادوار کے تاریخی تذکرے

چوتھی صدی کے آخر میں نیشاپور کے شیخ محمد بن حسین سلمی (۳۱۲ھ) نے طبقات الصوفیہ لکھی۔ جس طرح فقہاء نے طبقات الحنفیہ، طبقات الشافعیہ وغیرہ لکھیں تصوف پر یہ پہلی دستاویز یک جا ملی ہے۔

پھر شیخ فرید الدین العطار (۶۲۰ھ) نے تذکرۃ الاولیاء لکھی۔ اس میں ستانوے ۹۷ صوفیہ کرام کا تذکرہ ہے۔ بہت عمدہ مجموعہ ہے، خصوصاً اس پہلو سے کہ شیخ عطار خود ایک بڑے صاحب مقام بزرگ تھے۔ پھر حضرت مولانا عبدالرحمن جامی (۷۹۸ھ) نے تمحات الانس لکھی، اس میں چھ سو چودہ ۶۱۳ صوفیہ کرام کا تذکرہ ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) نے اخبار الاخیار لکھی۔ آپ نے اس کا آغاز سلسلہ قادریہ کے بزرگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے کیا ہے۔ اس موضوع پر خواجہ امیر خسرو نے جو حضرت شاہ نظام الدین

اولیاء (۱۷۳۵ھ) کے مرید تھے سیر الاولیاء لکھی۔

حضرت شیخ عبدالحق نے زاد المتقین بھی تالیف فرمائی۔ شیخ جمالی (۱۰۳۵ھ) نے سیر العارفین کا آغاز سلسلہ چشتیہ کے بزرگ حضرت شیخ معین الدین اجیری سے کیا ہے اور پھر عارفین کی ایک طویل فہرست دی ہے۔

انوار العارفین مولانا محمد حسین مراد آبادی (مطبوعہ نولکھور لکھنؤ ۱۸۷۶ء) اور انوار العاشقین حضرت مولانا مشتاق احمد انیسوی (مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۳۶ھ) بھی انہی اہل ولایت کے تذکرے ہیں۔

عہد حاضر میں ان اہل ولایت پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور کئی اہل علم حضرات نے بھی اس موضوع پر تاریخی تذکرے لکھے ہیں:-

سید صباح الدین عبدالرحمن نے ۱۹۹۵ء میں چار سو صفحات میں بیس اولیاء کرام کی الم بزم اولیاء ترتیب دی، اسے ادارہ ادبستان نے تذکرہ اولیائے کرام کے نام سے شائع کیا ہے۔ سید صاحب حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے عقیدت مندوں میں سے تھے اور آپ کے والد دارالمصنفین کے بھی ممبر رہے ہیں۔

جامعہ اسلامیہ بنوری ناؤن کراچی کے شیخ الحدیث مولانا مفتی ولی حسن نے بھی تذکرہ اولیاء پاک و ہند میں انہی بزرگوں کا ذکر کیا ہے۔

اہل طریقت کے تذکرہ نگار مورخین کی طرز پر چلے۔

بعض نادان لوگ تاریخی تذکروں میں بھی محدثین کی سی احتیاط چاہتے ہیں، یہ درست نہیں اور یہ خود محدثین کے اپنے اصول روایت کے بھی خلاف ہے۔ روایت حدیث سے شریعت قائم ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جہاں حلال و حرام کے فاصلے ہوں گے وہاں پوری احتیاط کی ضرورت ہوگی اور جہاں صرف تاریخی واقعات قلمبند کیے جائیں وہاں معیار تاریخ کا ہوتا ہے محدثین کا سنا نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ (۶۴۱ھ) جو امام بخاری اور امام مسلم دونوں کے استاد ہیں، خود فرماتے ہیں کہ ہم جب حلال و حرام کے مسائل روایت کریں تو نقد روایت میں (روایت پر کھنے میں) سختی سے کام لیتے ہیں اور جہاں ہم اعمال کی فضیلت بیان کریں تو قبول روایت میں ہم نرمی برتتے ہیں۔ اسی طرح عقائد کے اثبات میں بھی ہمیں قرآن یا حدیث

متواتر کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر عقائد کی بھی دو قسمیں ہیں، عقائد قطعہ میں بے شک معیار بھی ہے لیکن عقاید ظنیہ صرف احادیث سے بھی ثابت ہو جاتے ہیں۔ فضائل رجال اور فضائل اعمال میں معیار اور ہے۔ اولیاء کرام کے تذکروں میں بعض اوقات اتنی بات بھی کافی ہوتی ہے کہ بیان کرنے والا ان اہل علم میں سے ہے جن کے علم و تقویٰ پر دوسرے اہل علم عمومی اعتماد رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ ان کی کرامات میں کوئی ایسے واقع نہ ہوں جو اپنی نوع میں انبیاء کے معجزات صحابہ کرام کی کرامات اور دیگر اہل ولایت کے خرق عادت امور میں نوعاً موجود نہ ہوں، جو کرامت اصول شرع میں سے کسی سے نہ کرائے اسے قبول کرنے میں ہمارا کسی سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ سلوک و عرفان کی وادیوں میں چلنے کا شوق رکھنے والوں کے لیے ہم یہاں برصغیر پاک و ہند کے کچھ ایسے ائمہ ولایت کا ذکر بھی کئے دیتے ہیں جو اپنے وقت میں مرجع خلایق تھے اور آج بھی ان کے مزارات مراکز فیض و روحانیت ہیں۔

ائمہ تصوف از برصغیر پاک و ہند

برصغیر پاک و ہند میں جن اولیاء کرام نے زیادہ شہرت پائی اور ان کے مزارات مختلف شہروں میں خواص و عوام کا مرجع زیارت بنے ہوئے ہیں ہم یہاں زیادہ تر انہیں کا تذکرہ کریں گے۔ ان حضرات میں سرفہرست حضرت علی ہجویریؒ ہیں۔ آپ اس دور سے تعلق رکھتے ہیں جب اولیاء اللہ میں ابھی چشتی، قادری، نقشبندی اور سہروردی کی نسبتیں قائم نہ ہوئی تھیں۔ ان دنوں اہل ولایت حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ)، حضرت سری سقطی (۲۵۰)، حضرت بایزید بسطامی (۳۶۱ھ)، حضرت ذوالنون مصری (۴۴۵ھ) اور ابو الحسن الخرقانی (۴۴۳ھ) اور اس سے پہلے دور کے افراد عالیہ کے ناموں سے پہچانے جاتے تھے کہ کون کس کے طریقے کے مطابق چلا آتا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ، حضرت جنید کے طریق پر تھے اور وہی یہاں ہمارا نقطہ آغاز ہیں۔

قطب ولایت حضرت علی ہجویری (۴۶۵ھ)

آپ حضرت امام حسنؑ کے بیٹے زید شہید کی اولاد میں سے ہیں۔ افغانستان کے صوبہ غزنہ کے رہنے والے تھے، ہجویر اس کے ایک گاؤں کا نام تھا، جلابہ بھی وہیں ایک دوسرا

گاؤں ہے۔ آپ ان دونوں جگہوں میں رہے اور پھر لاہور چلے آئے، سو آپ غزنوی، جہوری، جلابی اور لاہوری چار نسبتوں سے معروف ہوئے۔

آپ سے پہلے شیخ حسین زنجانی جو آپ ہی کے شیخ کے خلیفہ تھے لاہور آچکے تھے۔ جس دن وہ فوت ہوئے اسی دن قطب البلاد لاہور میں اس قطب ولایت کی آمد ہوئی۔ آپ صرف ایک دفعہ اپنے شیخ کے پاس واپس گئے اور پھر یہاں ایسے آئے کہ یہیں کے مور ہے۔ جہاں یہ سطور لکھی جا رہی ہیں (سنت نگر لاہور میں) اس کے قریب ہی حضرت کا مزار پر انوار ہے جو مرجع خواص و عوام ہے۔ آپ کے اساتذہ علم میں شیخ ابوالعباس بن محمد الاشقانی، شیخ ابوالقاسم عبدالکریم القشیری، شیخ ابوالقاسم بن علی گورمانی اور خواجہ ابو احمد المنظر ابوسعید فضل اللہ زیادہ معروف ہیں۔ آپ کے شیخ ابوالفضل محمد بن الحسن اٹکلی تھے جو بلند پایہ عالم دین بھی تھے اور حضرت جنید کے طریقہ پر صاحب ولایت بزرگ تھے۔

آپ نے شام، عراق، فارس اور ترکستان میں سیاحت کی، ان ممالک میں وہاں کے علماء کرام فقراء اور درویشوں سے ملتے رہے۔

آپ کی روحانی منزلت کے لیے یہی جاننا کافی ہے کہ شاہان طریقت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (۶۳۲ھ) اور حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر (۶۶۳ھ) نے ان کے مزار پر چلہ کشی کی اور آپ سے عظیم روحانی فیض پایا۔ کالمین کے روحانی کمالات ان کی وفات کے بعد بھی باقی رہتے ہیں اور ان کی برکات سے ان کے زائرین کو بھی حصہ ملتا ہے۔

اسی روحانی نسبت سے عوام آپ کو داتا گنج بخش کہتے ہیں جو ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اسے یاد آخرت کی دولت مل جاتی ہے۔ زائرین آج بھی ان کے مزار پر اپنے میں ایک عجیب سکون اور برکت محسوس کرتے ہیں۔ حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ۲ مئی ۱۹۳۸ء کو آپ کے مزار پر گئے اور توجہ فرمائی بعد از فراغت فرمایا:-

بہت بڑے شخص ہیں، عجیب رعب ہے بعد وفات بھی سلطنت کر رہے ہیں۔ (سفر نامہ لاہور)

سلطنت سے مراد یہ ہے کہ آپ کا روحانی فیض صرف آپ کے روضہ پر نہیں دور دور تک پھیلا ہے۔ یہ عجیب روحانی سلطنت ہے جو اللہ والوں کو عالم برزخ میں ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیوی رزق کے خزانے اور مادی حاجات کی برآوری دنیوی اسباب

اور محنتوں سے وابستہ کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہی سے نظام عالم کو وابستہ کیا ہے۔ رزق اور اولاد دنیوی دولت ہیں اور والدین کے لیے فتنہ بھی۔ سو اللہ نے ان کی تقسیم محض اپنے ہاتھوں میں رکھی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:-

أهم يقسمون رحمة ربك نحن قسمنا بينهم معيشتهم في

الحياة الدنيا (پ: ۲۵، الزخرف: ۳۲)

ترجمہ: کیا وہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کر رہے ہیں؟ ہم نے ان میں اس دنیوی زندگی میں ان کی روزی بانٹ رکھی ہے۔

رزق اور اولاد ان دنیوی اسباب سے آگے بڑھ کر صرف خدا سے ہی مانگے جاسکتے ہیں، کسی بزرگ سے صرف دعا کی گزارش کی جاسکتی ہے وہ بھی صرف دعا کر سکتے ہیں.... دے نہیں سکتے، زندگی کی ان ضرورتوں میں داتا صرف ایک خدا ہی ہے۔ گولڑہ کے پیر صاحب اللہ تعالیٰ کے حضور برابر یہی اقرار کرتے رہے ہیں۔ ان کا یہ شعر ان کے عقیدے کا اب بھی سنگ بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

کس سے مانگیں کہاں جائیں کس سے کہیں

تیرے بندوں کا تیرے سوا کون ہے

سب کا داتا ہے تو سب کو دیتا ہے تو

تو نہیں ہے تو مشکل کشا کون ہے

صوفیہ کرام میں آپ کو حضرت علی ہجویریؒ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ گنج بخش فیض عالم بھی کہہ دیتے ہیں لیکن داتا کے لفظ میں عوام کی اتنی فکری رسائی نہیں کہ وہ اپنے عقیدہ تو حید کا تحفظ کر سکیں۔ سو ایسے الفاظ سے جہاں تک ہو سکے پرہیز کیا جائے۔ کسی کمال کی زبان سے سنیں تو اسے روحانی فیض کا ملنا سمجھیں، جس کا پہلا اثر یہ ہے کہ ان کی زیارت سے فکری آخرت پیدا ہو، انہیں اسی معنی میں گنج بخش کہا گیا ہے جس طرح پاک تپن کے بزرگ بابا فرید الدین کو گنج شکر کہا گیا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کی راہ تربیت

آپ کی تعلیمات آپ کی کتاب کشف المحجوب میں نہایت واضح طور پر دی گئی ہیں۔

آپ نے اس میں سالک کے دل سے نو پرے بڑی حکمت سے اٹھائے ہیں۔ اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ طریقت شریعت سے متصادم کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔ ہم نے اس کتاب میں جا بجا ان کے ارشادات سے استفادہ کیا ہے۔ کشف المحجوب کے سوا آپ کی اور بھی چند تالیفات ہیں۔ کشف المحجوب میں تربیت سالک کی عجیب تاثیر پائی جاتی ہے۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء (۷۳۵ھ) تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ اگر کسی طالب کو مرشد کامل کی رسائی نہ ملے تو وہ کشف المحجوب کے مطالعہ سے ہی وادی سلوک میں کچھ حاصل کر لے گا بشرطیکہ اس کے مطالعہ کی اس میں استعداد موجود ہو۔

ملا عبد الرحمن جامی (۸۹۸ھ) کشف المحجوب کے بارے میں لکھتے ہیں:-
 کشف المحجوب فن تصوف کی معتبر کتابوں میں سے ہے، حضرت علی ہجویریؒ نے تصوف کے تمام لطائف اور حقائق کو اس میں جمع کر دیا ہے۔
 حضرت شرف الدین یحییٰ میری اپنے مکتوبات میں جا بجا کشف المحجوب کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ دارالکھوہ نے سفیر الاولیاء میں بھی اس کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتا ہے:-

یہ کتاب ایک مرشد کامل ہے اور فارسی میں کوئی کتاب تصوف پر اس سے بہتر نہیں ملتی۔

حضرت علی ہجویریؒ کی روحانی تعلیمات

(۱)... طریقت شریعت کے خلاف کوئی اور راہ نہیں، آپ فرماتے ہیں:-

ظاہر بغیر باطن کے منافقت ہے اور باطن بغیر ظاہر کے زندقہ اور گمراہی ہے۔ علم باطن کو حقیقت کہا جاتا ہے اور علم ظاہر کو شریعت کہتے ہیں اور ان میں کوئی ٹکراؤ نہیں۔

(شرح) یہ اسی طرح ہے جیسے اسلام ایمان کے بغیر معتبر نہیں اور ایمان بغیر اسلام کے کافی نہیں۔ جب یہ دونوں ایک جگہ مذکور ہوں تو بے شک ان میں کچھ فرق ہے لیکن جب یہ الفاظ اکیلے اکیلے کہیں آئیں تو ان میں فرق نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں ایک ہیں۔ جسے ہم مسلمان کہیں اسے مومن بھی تسلیم کیا جائے گا اور جو مومن نہیں اسے ہم مسلمان بھی نہ کہیں گے۔

(۲)... فقر کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا:

ایک فقیر کا کمال یہ ہے اگر دونوں جہان اس کے فقر کے ترازو میں رکھے جائیں تو وہ ایک مچھر کے برابر نہ ہوں اور اس کی ایک سانس دونوں عالم میں نہ سمائے۔

غشی کے بارے میں فرمایا کہ غشی فقر سے افضل ہے کیونکہ غشی خدا کی صفت ہے اور فقر کی نسبت اس کی جانب (گودہ کسی تاویل سے ہو) جائز نہیں۔
تصوف کے متعلق فرمایا کہ اہل تصوف کی تین قسمیں ہیں۔

- ۱۔ صوفی جو اپنی ذات کو فنا جان کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں دوام اور بقا حاصل کرتا ہے۔
 - ۲۔ متصوف جو ظاہر میں صوفیہ کے اطوار رکھتا ہے مگر اندر سے وہ اس راہ کا سالک نہیں۔
 - ۳۔ مستصوف جو صوفیہ کی راہ پر مجاہدہ اور ریاضت سے گامزن ہے مگر ابھی صوفی نہیں بنا۔
- آپ حضرت حسن نورئی سے تصوف کی تعریف اس طرح نقل کرتے ہیں:-
تصوف تمام مخلوق انسانی کے ترک کرنے کا نام ہے اور صوفی وہ لوگ ہیں جن کا دل بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گیا اور نفسانی آفتوں سے آزاد ہو کر اخلاص سے مل گیا ہو۔
آپ حضرت حصرئی سے تصوف کی تعریف یہ نقل کرتے ہیں:-

تصوف دل اور بھید کی صفائی ہے اور کدورت کی مخالفت کا نام ہے۔
فقیر اپنے دل کو خدا کی مخالفت کے میل سے پاک رکھتا ہے۔ دوستی میں صرف موافقت ہوتی ہے اور موافقت مخالفت کی ضد ہے جب مراد ایک ہوتی ہے تو مخالفت نہیں ہوتی سو دوست کو دوست کے حکم کی تعمیل کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے۔

(۳)... حضرت علیؑ جویریؑ کے ہاں مقام معرفت

آپ کے نزدیک معرفت صرف خدا کی پہچان کا نام نہیں، اتنی معرفت تو اسے بھی حاصل ہو جاتی ہے جو اپنے آپ کو پہچان لے اور خالق اور مخلوق کے فرق سے اپنے خالق کو جان لے۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه میں اسی معرفت کا بیان ہے۔ آپ کے نزدیک معرفت پسندیدہ وہ ہے جس میں طاقت ہو، وہ طاقت بھی اس درجہ کی ہو کہ خدا سے اس کا شوق

محبت جاگ اٹھے اس شوق و محبت کی علامت محبوب کی اطاعت اور اس کی طرف بڑھنے کا عمل ہے۔ سالک کی اللہ سے محبت جتنی بڑھتی جائے گی وہ اتنا فرمان الہی کی تعظیم اور شوق عمل میں بڑھتا جائے گا۔

(۴)... حضرت علی ہجویریؒ کے مقامات تصوف

حضرت علی ہجویریؒ حضرت جنید بغدادی کے طریقے پر تصوف کی آٹھ بنیادیں بتلاتے ہیں جن میں سے ہر ایک کا خصوصی تعلق ایک پیغمبر سے رہتا ہے۔ (۱) سخاوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہو، (۲) رضا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ہو، (۳) صبر حضرت ایوب کا ہو، (۴) اشارات حضرت زکریا کے ہوں، (۵) غربت حضرت یحییٰ کی ہو، (۶) سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہو، (۷) لباس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہو اور (۸) فقر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا ہو۔

آپ نے اس راہ کے مسافروں کے لیے اور بھی کئی روشن سبق ترتیب فرمائے ہیں مگر اس مختصر میں ہم انہی آٹھ پر اکتفا کرتے ہیں۔

(۵)... حضرت علی ہجویریؒ کے ہاں علم شریعت

آپ کے نزدیک علم شریعت کے تین ارکان ہیں:-

۱- کتاب، ۲- سنت، ۳- اجماع

اور علم باطن کے بھی تین ارکان ہیں:-

۱- اللہ کی ذات کا علم، ۲- اس کی صفات کا علم، ۳- اس کے کاموں کا علم۔

کوئی جس پر بھی عمل کی رغبت کرے اللہ تعالیٰ اس کے کسب پر اس فضل کی تخلیق فرما

دیتا ہے۔

(۶)... حضرت علی ہجویریؒ کے ہاں ایمان کے بعد سب سے بڑا عمل

آپ کے ہاں ایمان کے بعد سب سے بڑا عمل طہارت ہے اور وہ بھی دونوں قسم کی، وہ طہارت ظاہر اور طہارت باطن ہے۔ جس طرح طہارت ظاہر یہ ہے کہ ہر قسم کی نجاست سے صاف رہے، طہارت باطن یہ ہے کہ اعمال قلبیہ میں وہ ریا (دکھاوے کا عمل) حسد اور بغض اور ناشکرگی سے پاک رہے۔ یہ طہارت باطنی ہے۔

آپ کے حالات میں آپ کے نکاح اور اولاد کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا۔ افسوس یہ ہے کہ تاریخ آپ کے خلفاء کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص کی بجائے آپ کا عام فیض زیادہ رہا ہے اور یہی خزانہ تھا جو آپ کے دربار میں لٹا رہا نہ کہ آپ لوگوں کی مادی حاجات کے پورا کرنے میں لگے رہے۔

سج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را بید کامل کمالاں را رہنا

بحر طریقت کے چار چشمے..... تصوف کے سلسلے اربعہ

چشتی سلسلے کا آغاز ہی ہندوستان سے ہوا۔ قادری اور سہروردی سلسلے یہاں برصغیر پاک و ہند میں بغداد سے آئے۔ نقشبندی حضرات افغانستان کی راہ سے وارد دیار ہند ہوئے۔ دوسرے ہزار سال میں ان کی مرکزیت ہند میں تھی۔ ہم یہاں پہلے چشتی سلسلے کا تعارف کرائے دیتے ہیں۔ ہندوستان کے چشتی سلسلے کا منبع فیض..... حضرت خواجہ عثمان ہارونی (۶۰۷ھ)

برصغیر پاک و ہند میں آپ کا نام نامی اس لحاظ سے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ آپ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے شیخ ہیں اور یہاں کے پیش تر اولیاء اللہ کے سرخیل ہیں۔ آپ نے خواجہ معین الدین کے متعلق خود بھی فرمایا:-

معین الدین خدا کے محبوب بندے ہیں اور مجھے ان پر فخر ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے اپنے اس قابل فخر خلیفہ کو اپنے سے آگے کے ایک مقام پر دیکھا ہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی آپ خراسان کے رہنے والے تھے۔ پھر عراق چلے گئے اور وہاں قصبہ ہارون میں اقامت فرمائی۔ آپ کے شیخ طریقت خواجہ حاجی شریف زندانی تھے، آپ نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی کو جب خرقہ درویشی پہنایا تو یہ نصیحتیں فرمائیں۔

حضرت خواجہ ہارونی کے شیخ کی روحانی تلقین

ان چار باتوں پر سختی سے عمل کرو

۱۔ دنیا کے لوازمات سے گریز اور پرہیز

۲۔ ترک حرم و طمع

۳۔ خواہشات نفسانی سے گریز

۴۔ شب بیداری اور ذکر اللہ

اور پھر یہ بھی ایک اضافہ فرمایا:-

۵۔ خلق خدا سے مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کرو۔

صوفیہ کرام میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوئے ہیں جو مملکتہ کی صف کے لوگ تھے۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے پانچ قسم کے فرشتوں کی قسم کھائی ہے۔

۱۔ نازعات، ۲۔ ناشطات، ۳۔ سابجات،

۴۔ سابقات، ۵۔ مدبرات۔

اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے بھی بعض کو مدبرات کے ساتھ جمع کر دیتے ہیں۔ اس

صف کے صوفیہ کرام اللہ کی ذات میں اس قدر فنا ہوتے ہیں کہ نکاح کا تصور تک ان کے ذہن

میں نہیں گزرتا۔ خلافت کبریٰ بے شک ان کے سپرد نہیں کی جاتی لیکن کرامات ان پر اس طرح

اتاری جاتی ہیں کہ لوگ انہیں فرشتے ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ ان میں اللہ کی محبت کی گرمی اس قدر

تیز ہوتی ہے کہ کبھی ایک نظر میں ظلمات میں گھرے انسانوں کو کندن بنا دیتے ہیں۔ آپ کی نظر

کیسا اثر تھی جس پر پڑتی وہ سلوک و تصوف میں نہایت اونچی پرواز میں اڑتا۔

صوفیہ کی اصطلاح میں دنیا سے مراد خدا سے غفلت میں رہنا ہے۔ ترک دنیا میں سنت

کے مطابق گھربار کی نفی مراد نہیں ہوتی، یہ اس دنیا کا ترک ہے جسے یہ حضرات دنیا کہتے ہیں۔

چست دنیا از خدا غافل بدن

نیست نقرہ و فرزند و زن

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی کرامات

طی الارض کی کرامت یہ ہے کہ آنکھ جھپکنے میں زمین کا ایک فاصلہ طے ہو جائے

ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین آپ کے ہم سفر تھے۔ وجہ کو عبور کرنا تھا مگر کشتی نڈل سکی۔

آپ نے خواجہ صاحب سے کہا ذرا آنکھیں بند کرو۔ انہوں نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو وجہ

کے اس پار پایا۔ یہ آپ کا سورہ فاتحہ پانچ دفعہ پڑھنے کا ایک عمل تھا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کہ

ایک شخص ملکہ بلیس کا تخت آنکھ جھپکنے میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آیا تھا۔ قرآن حکیم میں ہے:-

وقال الذى عنده علم من الكتاب انا اتيك به قبل ان يرتد اليك طرفك (پ: ۱۹، النمل: ۴۰)

ترجمہ: اس نے کہا جس کے پاس علم کتاب تھا میں (تخت) آپ کے پاس لے آتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ آنکھ جھپکیں۔

معلوم ہوا طی الارض کی کرامت بے اصل نہیں، قرآن کریم میں ایسی منزلوں کا پل بھر میں نہ ہونا ملتا ہے۔ حضور ﷺ نے بھی معراج کی رات طویل مسافتیں لمحوں میں طے کیں۔ آپ کی کرامات میں تذکرہ نگاروں نے ایک چالیس سالہ گمشدہ لڑکے کی بازیابی بھی ذکر کی ہے۔ والدہ نے اپنے لڑکے کی اس طویل گمشدگی کا ذکر کیا آپ نے مراقبہ فرمایا اور حاضرین سے سورہ فاتحہ پڑھنے کو کہا، آپ مجیب الدعوات تھے، اسی دن وہ چالیس سالہ لڑکا اپنے گھر آگیا۔ آپ کی اور کئی کرامات بھی مشہور ہیں۔ کرامت فضل خداوندی سے ظہور کرتی ہے لیکن اس میں عزت اس بزرگ کی ہوتی ہے جس نے اللہ رب العزت کے ہاں اپنی بات کہہ دی۔

آئیے اب اس عظیم سلسلے کا کچھ ذکر کریں جو آپ کے دم قدم سے برصغیر پاک و ہند میں پھیلا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سلسلے کے سرخیل نمبر ہے۔

ہندوستان میں پہلے ہزار سال کے ائمہ تصوف

خواجگان چشت کا چشمہ ولایت

(۱) حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ (۶۳۴ھ)

آپ امام علی رضا (۲۰۳ھ) کی اولاد میں سے ہیں۔ امام ابو القاسم علی بن موسیٰ رضا ائمہ اہل بیت میں آٹھویں امام ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کے والد کا نام غیاث الدین تھا۔ تاریخ فرشتہ میں ہے آپ کھتان میں پیدا ہوئے لیکن اکبر نامہ میں ہے کہ آپ سیستان میں پیدا ہوئے، اسی نسبت سے آپ کو بھجری کہا جاتا ہے۔ آپ کو بھجری کہا جاتا ہے۔

آپ ان بزرگوں میں سے ہیں جن کو خود مصائب ایزدی نے اپنی طرف بلایا۔ آپ اپنے باغ میں تھے کہ ایک مجذوب امراہیم قلندر وہاں آکھے، آپ نے ان کی خدمت میں انگوڑ پیش کئے انہوں نے مجبوراً ایک ٹکڑا چبا کر ان کے منہ میں دیا اس سے آپ کے دل میں انوار الہی اترے اور آپ اسی وقت اللہ کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوئے اور سیدھے سرقد پہنچے، وہاں قرآن کریم حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تحصیل کی۔ وہاں سے آپ نکلے تو عراق پہنچے عراق کے قصبہ ہارون میں ٹھہرے اور وہاں حضرت عثمان ہارونی کی بیعت کی اور تقریباً بیس سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔ (سیر الاولیاء)

دیگر اکابر طریقت جن کی آپ نے مجلس پائی

- ۱۔ خواجہ نجم الدین کبریٰ آپ ان کی خدمت میں اڑھائی سال رہے۔
 - ۲۔ شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) کی خدمت میں بھی آپ نے حاضری دی۔
 - ۳۔ شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) آپ نے ان کی صحبت بھی پائی۔
 - ۴۔ خواجہ اوحد الدین کرمانی کی صحبت سے بھی فیض یاب ہوئے۔
- حضرت شیخ اوحد الدین کرمانی نے بھی آپ کو خلافت دی۔ ان بزرگوں کے فیض صحبت سے حضرت شیخ مصین الدین اجیری کی ذات گرامی مجمع انوار الہی بن گئی تھی۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ساتھ دس سال تک سیاحت کی اور ہر جگہ مختلف اہل علم اور اہل ولایت حضرات سے ملتے رہے۔ شیخ صدر الدین سیستانی سے بھی ملے اور ان سے گزارش کی دعا کرو کہ اپنا ایمان قبر تک سلامت لے جاؤں۔ استرآباد میں شیخ ناصر الدین استرآبادی سے بھی فیض پایا۔ شیخ حضرت بایزید بسطامی کی اولاد میں سے تھے اور اس وقت آپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔

آپ کی آخرت کی فکر کا ایک رقت آمیز منظر

- آپ قبر اور موت کی تکالیف کا حال سنتے تو بید کی طرح کاپنے لگتے اور اس طرح روتے جیسے کسی چشمے سے پانی جاری ہو۔ آپ کے یہ ارشادات یاد رکھنے کے لائق ہیں:-
- ۱۔ اے عزیز! جس کو موت آنے والی ہو اور اس کا حریف فرہوش موت ہو اس کو سونے، پہننے اور خوش ہونے سے کیا کام!۔
 - ۲۔ اے عزیز! اگر تجھے ان لوگوں کا حال معلوم ہو جو زیر خاک ایسی کوٹھڑی میں ہیں جس

۳۔ اے عزیز! دنیا میں بندہ کو اس قدر مشغول نہ ہونا چاہئے کہ حق سے غافل ہو جائے۔ اور فرمایا:-

میں ایک دن ایک بزرگ کے ساتھ بصرہ کے ایک قبرستان میں بیٹھا تھا ایک مردہ کو عذاب ہو رہا تھا، اس بزرگ کو جب اس کی حالت معلوم ہوئی تو زور سے ایک چیخ ماری اور زمین پر گر پڑے اور گرتے ہی روح پرواز کر گئی۔ اس دن سے مجھ پر قبر کی ایبت طاری ہے۔

۴۔ کرمان میں آپ نے ایک بزرگ کو یہ کہتے سنا، اے درویش ایک روز میں اپنے دوست کے ساتھ قبرستان گیا ہم دونوں ایک قبر کے پاس ٹھہرے رہے، میرے اس ساتھی (شیخ) اوحد کرمانی) سے ایک حرکت سرزد ہوئی اور مجھے ہنسی آگئی اچانک میرے کان میں آواز آئی، ملک الموت جس کے پیچھے لگا ہوا ہوا اور زیر خاک سانپوں اور بچھوؤں کے درمیان اس کا گھر ہوا اس کو ہنسی سے کیا تعلق؟

سلوک کی منزلیں طے کر کے وطن واپسی

آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد اپنے وطن واپس ہوئے اور پھر چند ماہ بعد سفر حج پر گئے، پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور روضہ منورہ کے پاس کئی دن تک مراقبہ میں رہے۔ ایک دن آپ نے روضہ رسول سے یہ آواز سنی۔

اے معین الدین! تو ہمارے دین کا معین و مددگار ہے، ولایت ہند ہم نے تجھے عطا کی ہے وہاں جا کر اجیر میں ڈیرہ لگا وہاں تاریکی ہی تاریکی ہے۔ ترے وہاں کے قیام سے بے دینی دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا۔ پھر آپ نے خواب میں ہندوستان کی مشرق سے مغرب تک سیر کی اور آپ نے اس میں اجیر کو بھی دیکھا جہاں پہنچنے کا آپ کو حکم ملا تھا۔

حضرت خواجہ کی ہندوستان میں آمد

حضرت خواجہ کو حضور کی طرف سے جو ہندوستان آنے کا اشارہ ہوا تو اس کے لیے ہندوستان کی مذہبی اور سماجی حالت کو جاننا بہت ضروری ہے اس کے بغیر ہم حضرت خواجہ کے اصلاحی کاموں کو جان نہیں سکتے۔ آپ ایک عہد ساز شخصیت تھے۔ آپ سے روحانیت کا جو سلسلہ چلا اس کی صدائے بازگشت برصغیر پاک و ہند کی ہر ولایت اور ہر گوشے میں کسی نہ کسی

درجے میں اب تک موجود ہے۔ آپ نے ہندوستان کے مسلمانوں کی کیا خدمات سرانجام دیں اس کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ شاہان تصوف نے شاہان سلطنت کی عظمت کو مات کر دیا تھا۔

۱۔ چھوت چھات کی تمیز نے انسانی زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے ہندوؤں کے لیے خاص کر رکھی تھیں اور ہندوستان کی کثیر آبادی جانوروں کی سی زندگی میں دھکیل دی گئی تھی۔ پنڈتوں کے چراغ جلتے تھے اور کسی اچھوت کے کان میں ویدوں کا کوئی کلمہ پڑ جائے تو اس کان میں پھلکا ہوا سببہ ڈال دیا جاتا۔ زندگی عام انسان کے لیے ایک بوجھ ہو چکی تھی۔

۲۔ یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے مسلم فاتحین ہندوستان آچکے تھے لیکن وہ ابھی تک یہاں اسلام کی دعوت نہ دے پائے تھے۔ مسلمانوں کا محض ایک سیاسی تعارف تھا اور ہندوؤں میں ابھی کہیں اسلام کی روشنی نہ اتری تھی۔ ہندو جو گیوں نے اپنے شعبدوں اور عملیات سے خلق خدا کو بڑے بڑے مغالطے دے رکھے تھے۔ انسان دوستی کا ان کے ہاں کوئی تصور نہ تھا۔

۳۔ ہندو بڑا خدا تو ایک الیٹور کو ہی مانتے تھے لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ الیٹور بتوں اور پتھروں میں اتر کر ملتا ہے اور خدا کے یہ اوتار عطائی طور پر خدائی قوتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ دنیا کے سارے دائرے اب ان دیوتاؤں کے سپرد ہیں اور اب وہی ہیں جن کے ہاتھ میں نظام کائنات کی باگ ڈور ہے۔

ان دنوں اجمیر راجپوتوں کا ایک مضبوط مرکز تھا اور یہ ہندوؤں کا گڑھ تھا۔ یہ لوگ اپنی ضد اور ہٹ کے بہت پختہ تھے۔ علم کی کوئی روشنی ان کے ہاں کام نہ کر سکتی تھی۔ ان کی اصلاح کی ایک ہی راہ تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے خدا کی محبت کی گرمی ان کے دلوں میں اتار دی جائے۔

ان حالات میں ہندوستان میں ایک ایسے مصلح کی ضرورت تھی جو درویشوں کے لباس میں یہاں اترے، ذکر الہی کی ایسی ضربیں لگائے کہ خدا کی محبت کی گرمی اس طرح اولاد آدم کے کانوں میں اترے کہ وہ عہد الست کی یاد تازہ کر پائیں۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اجمیر کے حالات ذکر کئے ہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین نے اسی اجمیر میں ڈیرہ لگایا اور تصوف کی راہ سے لاکھوں ہندو گرویدہ اسلام بنا دیئے۔ ان دنوں اجمیر اور دہلی میں راجہ جھورا کی حکومت تھی۔ آپ کے ہندو جو گیوں سے بھی مقابلے ہوئے۔ مگر حق ہمیشہ غالب رہا۔ راجہ جھورا کے متعدد ملازمین بھی صف اسلام میں داخل ہوئے اور مشہور جوگی

جے پال بھی آپ کے ہاتھوں مسلمان ہوا۔ آپ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا اور وہ طریقت میں آپ کی خلافت سے سرفراز ہوا۔

ہم آپ کے اس تاریخی تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس معرکہ خیر و شر میں ان حلقہائے تصوف میں اگر کوئی ایسی بات ملے جو ظاہر فقہ سے ٹکرائے تو اسے ایک وقتی علاج پر محمول کیا جائے، عقیدۂ یہ حضرات ہرگز ظاہر شریعت کے خلاف کچھ نہ کرتے تھے۔ مناسب ہو گا کہ ہم یہاں کچھ وہ پس منظر بھی ذکر کر دیں کہ حضرت خواجہ اپنے آپ کو کس طرح تیار کر کے ولایت اجمیر میں اترے تھے۔ آپ نے کچھ وقت ملتان میں بھی لگایا تھا۔

حضرت خواجہ اجمیری ہندوستان کے مختلف بلاد میں

آپ نے ہندوستان میں پہلے لاہور قیام کیا اور حضرت علی ہجویریؒ کے مزار پر چلہ کشی کی، کئی ماہ وہاں مراقب رہے۔ ازاں بعد آپ ملتان تشریف لے گئے۔ پنجاب میں لاہور کے بعد ملتان اہل طریقت کا دوسرا بڑا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ ملتان رہ کر آپ نے ہندوؤں کی زبانوں اور ان کی مختلف بولیوں سے بھی کچھ شناسائی پیدا کی۔ ایک روایت میں ہے:-

عن تعلم لسان قوم امن شرہم

ترجمہ: جس نے کسی قوم کی زبان سیکھ لی وہ ان کے شر اور داؤ پیچ سے

امن میں آگیا۔

یعنی اب وہ ان کے ہاتھوں میں نہ آسکے گا اور وہ اسے کسی غلط چکر میں نہ گھیر سکیں گے، وہ ان کے پیرایہ سخن کو سمجھ چکا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اجمیر جانے سے پہلے ہی یہ عزم کئے ہوئے تھے کہ وہاں ہندوؤں میں گھس کر ان کی جہالت کو دور کرنا ہے، انہیں شرک سے ہٹانا اور اسلام کی پاکیزہ زندگی میں لانا ہے۔

آپ کی رائے یہی تھی کہ کسی جگہ سے اندھیرا ڈنڈے کے زور سے ختم نہیں کیا جاسکتا، اسلام نہ پہلے کہیں زور سے پھیلا ہے اور نہ اب کہیں ایسی کوشش ہو سکتی ہے نہ یہ قرآن کریم کی رو سے جائز ہے۔

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشہ من الفی (پ: ۳، البقرہ: ۲۵۶)

کسی کو جبر سے دین میں نہیں لایا جاسکتا۔ دین میں لانے کا یہی طریقہ ہے کہ حق و

رشد اور گمراہی اور بھٹکنے میں تین لایا جائے ان میں اختلاف نہ رہے۔ حضرت خواجہ صاحب کی یہی تدبیر تھی کہ علم و معرفت کی روشنی سے ہندوؤں کے رواج و مذہب کی کمزوریاں خود بخود نمایاں ہو جائیں گی، یہاں اسلام پھیلنے کی واحد شکل یہی ہے۔ پھر خدا کی محبت کی گرمی جب ان کے دلوں میں پہنچادی جائے تو پھر کوئی سعید روح اس کا انکار نہ کر سکے گی۔

آپ نے ملتان میں اپنے اس عزم و فکر کی تدبیر کی۔ ملتان کی مٹی میں جذب و محبت اور زبان میں کشش اور نرمی ہے اور اپنے اس مشن کی اجیر میں بحکیم کی۔ آپ ملتان سے دہلی آئے اور دہلی سے ۵۶۱ھ میں اجیر تشریف لائے۔ راجہ ہتھورا اور اس کے حکام نے اپنی درباری تدبیروں سے اور وہاں کے ہندوؤں اور جوگیوں نے اپنے سحر و عملیات سے آپ کا بہت مقابلہ کیا مگر سچائی کا سورج آخر چڑھ کر رہا اور آپ اپنی روحانی قوت اور کشف و کرامات سے اس معرکہ خیز و شر میں خوب غالب رہے۔ خواجہ صاحب کہتے تھے راجہ ہتھورا انہیں نکالنے کے درپے ہے لیکن ہم نے اسے نکال دیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں، خواجہ صاحب نے فرمایا:-

ہتھورا رازندہ گولتیم و دادیم (اخبار الاخیار)

خواجہ صاحب کے اجیر فروکش رہنے کے ۲۵ سال بعد سلطان شہاب الدین غوری نے اجیر پر دو حملے کئے اور راجہ ہتھورا کو زندہ گرفتار کر کے اجیر سے نکال دیا گیا۔

حضرت خواجہ صاحب کا جذب و شوق

حضرت خواجہ صاحب ہندوستان آنے والے پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے ہندو جوگیوں کا برسرعام مقابلہ کیا۔ آپ پر ہمیشہ جذب و شوق کی کیفیت وارد رہی۔ خدا کی محبت دلوں میں بھڑکانے کے لیے آپ نے سماع سے بھی کام لیا۔ آپ نے اپنے اس درویشانہ عمل میں کبھی مفتی کی صورت اختیار نہ کی اور بطور علاج ہر وہ طریقہ استعمال کیا جس سے آپ ہزاروں ہندوؤں کو اپنے دائرہ عقیدت میں سمیٹ لائے۔ چراغ دہلی حضرت خواجہ نصیر الدین فرماتے ہیں:-

شیخ الاسلام خواجہ معین الدین الحق قدس اللہ سرہ العزیز نے سماع کے

بارے میں فرمایا ہے کہ سماع اسرار حق معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

اولیاء کرام کی روحانی صف میں آپ قطب ولایت کے مقام پر تھے، خواجہ قطب

الدين بختيار کا کئی آپ کو ان عقلمت بھرے الفاظ سے یاد کرتے ہیں:-

ملك المشائخ سلطان السالكين منهاج المتقين قطب

الاولياء شمس الفقراء (دلیل العارفين ص: ۲)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) آپ کو سرحلقہ کبار لکھتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت علی ہجویری آپ سے سبقت لے گئے لیکن صوفیہ کرام کا ایک پورا حلقہ انہی کے گرد جمع ہوا ہے۔ حضرت علی ہجویری اپنے دائرہ ولایت میں حضرت جنید بغدادی کے طریق پر تھے لیکن حضرت خواجہ صاحب سے چشتیہ کا ایک پورا سلسلہ قائم ہوا، اس لئے آپ سرحلقہ مشائخ کبار کہلائے۔ آپ کے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی بھی اپنے دائرہ ولایت میں ان فرشتوں کے قریب ہوتے رہے جو مدبرات امرا کے کارکن ہوئے ہیں۔ انہوں نے نکاح نہ کیا لیکن حضرت خواجہ صاحب نے دو نکاح کئے (۱) سید وجیہ الدین مشہدی کی بیٹی سے، (۲) ایک ہندو راجہ کی بیٹی سے جو اسلام میں آگئی تھیں۔ اس پہلو سے آپ اس شان جامعیت پر آئے کہ رب العزت نے آپ سے ایک پورا سلسلہ چلایا سو ہندوستان کے اہل تصوف میں آپ واقعی سرخیل سلسلہ مشائخ ہیں۔

قطب الاقطاب حجة الاولياء مهبط النوار مخزن المعرفة پر وہ بردار اسرار

نہیمی چہرہ کشائے صور لاریہی (سیر الاقطاب ص: ۱۰۳)

آپ کی اپنی کوئی تالیف نہیں ہندوستان میں بحر تصوف میں کشف اللجب کی کشتی ہی تیرتی رہی۔ حضرت خواجہ کی طرف جو تین کتابیں منسوب ہیں وہ حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات ہیں جو آپ نے مختلف صحبتوں میں بیان فرمائے۔ یہ کتابیں (۱) انیس الارواح، (۲) کسب نفس اور (۳) دلیل العارفين کے ناموں سے معروف ہیں۔ انیس الارواح میں آپ نے اپنے مرشد خواجہ عثمان ہارونی کی ۲۸ صحبتوں کے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ دلیل العارفين آپ کے وہ ملفوظات ہیں جو آپ کے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختيار کا کئی نے جمع کئے ہیں۔

شاہان وقت کا مرجع عقیدت

مالوہ کے کا سلطان محمود غلجی نے آپ کے مزار پر حاضری دی، جہاں گیر شیخ سلیم چشتی کا عقیدت مند تھا کہ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے سلسلہ کے تھے۔ شہنشاہ اکبر آپ کے مزار پر آگرہ سے اجیر پیدل گیا۔

شاہجہان بھی کئی دفعہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا۔ شاہان ممالک کی طرح
شاہان تصوف بھی ان خواجگانِ چشت کے مزاروں پر حاضری دیتے
رہے۔ حضرت مولانا اسعیل شہیدؒ نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
کے مزار پر حاضری دی اور وہاں سے بہت فیوض باطنی پائے۔

(دیکھئے صراطِ مستقیم)

حضرت خواجہ صاحب کی تعلیمات سلوک

خواجہ صاحب نے شریعت کے تمام ارکان اور جزئیات خصوصاً نماز کی پابندی پر بڑا زور
دیا ہے۔ آپ نے اپنے نصابِ سلوک پر کوئی کتاب نہیں لکھی یہ آپ کے کچھ ملفوظات ہیں جو
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے مرتب فرمائے۔ ہم ان میں سے صرف دس اپنے الفاظ
میں ذکر کرتے ہیں۔ اصولاً آپ کے ہاں کتاب و سنت ہی اسلام کی سب سے بڑی علمی دستاویز ہے۔

حضرت خواجہ صاحب کے ملفوظات

- ۱۔ نماز اور شریعت کا منکر کافر ہے۔
- نماز سے مسلمان پہچانا جاتا ہے اور شریعت ایک پورا قانونِ زندگی ہے جس کا وہ کلمہ
پڑھ کر حلف و قادیاری دیتا ہے۔ شریعت کی کسی بات کا انکار کیا جائے تو اس سے اس کا کلمہ
پڑھنا باطل ہو جاتا ہے۔ وہ اسلام کے حلف و قادیاری سے نکل گیا۔
- ۲۔ صدقہ دینا ہزار رکعت پڑھنے سے افضل ہے۔
- دنیا میں گمرے انسانوں پر بدنی عبادت اتنی گراں نہیں ہوتی جتنی مالی عبادت ان
پر بوجھ ہوتی ہے۔ اس امت کی سب سے بڑی آزمائش مال میں ہے۔ درویش زیادہ اسی راہ
سے خدا کی بادشاہی میں داخل ہوئے ہیں۔
- ۳۔ جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کمانے سے ہی روزی ملتی ہے وہ کافر ہے۔
- اسلام کی رو سے رازق مطلق خدا ہے وہ حساب سے روزی دے تو بندے کے لیے
کس معاش کی راہیں کھلتی ہیں اور تھوڑی محنت میں برکت ڈال دے تو وہ اس راہ سے روزی دیتا
ہے کہ وہ حساب میں آئی نہ سکے۔ ویروزلفہ من حیث لایحسب (پ: ۲۸، اطلاق: ۳)

۴- مصیبت میں چلانا، نوحہ کرنا اور کپڑے پھاڑنا، ستر مسلمانوں کا خون کرنے کے برابر ہے۔

اس ماتم اور واویلا کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ یہ شخص خدا کے اس بگونی فیصلے کو تسلیم نہیں کر رہا۔ رضا بالقضا درویشوں کا طرہ امتیاز ہے، جو خدا کی رضا پر راضی نہیں وہ خدا کا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔

۵- مومن شخص وہ ہے جو ان تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے۔

۱- درویشی، ۲- بیماری، ۳- موت۔

۶- تین قسم کے لوگ بہشت کی بوتل نہ پائیں گے۔

۱- جھوٹ بولنے والا درویش، ۲- کجس جو دوسروں کے حقوق ادا نہ کرے، ۳- خیانت کرنے والا سوداگر۔

۷- اہل سلوک کی لازمی عبادات

شریعت کی پابندی کے ساتھ ساتھ مریدان پانچ عبادتوں پر پورا عمل پیرا ہے۔

۱- والدین کی خدمت، ۲- قرآن کریم کی پابندی سے تلاوت،

۳- علماء و مشائخ کی تعظیم، ۴- خانہ کعبہ کی تعظیم اور ہو سکے تو زیارت،

۵- اپنے شیخ کی خدمت۔

۸- طریقت میں یہ گناہ بھی کبیرہ ہیں:

۱- قبرستان میں قہقہہ لگانا، ۳- قبرستان میں کھانا پینا، ۳- کسی انسان کو تکلیف پہنچانا،

۴- خدا کا نام لیتے اپنے اندر کچی محسوس نہ کرنا۔

۹- عارف کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں بقدر طاقت بشری صفات الہیہ کا ظہور ہو۔ اللہ

رب العزت رزاق ہے۔ دینے سے خوش ہوتا ہے سالک کبھی بخیل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نیند

اور اونگھ سے پاک ہے سو سالک بھی راستہ کو بہت کم سوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کھانے پینے سے پاک

ہے اور سالک روزے میں اس کا قرب ڈھونڈتا ہے۔

۱۰- عارف جب خدا کی محبت میں ڈوبتا ہے تو وہ اپنے دل کے نور کو ظاہر کرنے میں خوش

محسوس کرتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے کرامات ظہور کرتی ہیں۔ جو کوئی اس کے سامنے مدعی ہو

کر آئے وہ کرامت سے اسے ملزم کر دیتا ہے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

اگر کے بروے بدعوی آید آن را بقوت کرامت ملزم کند

(دلیل العارفین ص: ۲۱)

آپ کی کرامات ولایت کا ایک نیا باب ہیں تذکرہ نویسوں نے بہت سے واقعات لکھے ہیں کہ کس طرح رب العزت نے مختلف کرامات سے آپ کو عزت بخشی۔ العزۃ للہ ولرسولہ ولائمة المسلمین۔

(۲) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

خانمان چشتیہ کے دوسرے مرکزی بزرگ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (۶۳۳ھ) ہوئے ہیں، ان کے جانشین پاکستان کے مشہور بزرگ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر ہوئے۔ حضرت بابا فرید الدین سے پھر یہ سلسلہ دولائسوں میں چلا (۱) ایک سلسلہ حضرت علی احمد صابر (۶۹۰ھ) کے نام سے اور دوسرا شاہ نظام الدین اولیاء (۷۳۵ھ) کے نام سے یہ دو سلسلے صابری اور نظامی کے طور پر مشہور ہوئے۔

اب ہم یہاں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا کچھ ذکر کریں گے۔ کاکی آپ کا حلقہ تھا جیسا کہ آپ کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے:-

من کاکی چہ بد کردم ہر آنچه ناسزا کردم
مکن چو کاک رخ زردم دراں بازار یا اللہ

نسب:

آپ ائمہ اہل بیت میں سے نویں امام تقی الجواد کی اولاد میں سے ہیں۔ ماوراء النہر کے قصبہ اوش میں پیدا ہوئے۔ آپ کے بارے میں بزرگوں کا تجزیہ ہے کہ آپ پیدائشی ولی تھے، بچپن میں ہی آپ سے کرامات کا ظہور شروع ہو چکا تھا۔ ڈیڑھ دو سال کی عمر میں آپ یتیم ہو گئے، والدہ نے آپ کی دینی تعلیم کی پوری فکر کی مولانا ابوالحکیم سے آپ نے دینی تعلیم حاصل کی اور کچھ آداب سلوک بھی حاصل کئے۔

ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قصبہ اوش میں تشریف لائے وہاں یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایسے حاضر ہوئے کہ پھر انہی کے ہو کے رہ گئے۔

ایک روایت کے مطابق آپ بغداد گئے تھے کہ وہاں حضرت خواجہ معین

الدين تشریف لائے۔ آپ کا قیام مشہور حنفی فقیہ امام ابو الیث سمرقندی کی مسجد میں ہوا۔ وہاں اور بھی بہت سے درویشان طریقت موجود تھے۔ خواجہ صاحب کے خلیفہ شیخ برہان الدین چشتی بھی وہاں موجود تھے۔ وہیں حضرت خواجہ قطب الدین حضرت خواجہ معین الدین سے بیعت ہوئے۔ (دیکھئے سیر الاقطاب ص: ۱۳۵)

بغداد میں آپ کی ملاقات شیخ بہاؤ الدین سہروردی، اوحہ الدین کرمانی اور شیخ جلال الدین تمیزی سے بھی رہی۔ بغداد ان دنوں اہل ولایت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ حضرت خواجہ معین الدین بغداد سے واپس خراسان چلے گئے اور پھر وہاں سے ہندوستان کا سفر فرمایا۔ خواجہ قطب الدین کا کی بھی آپ کے شوق محبت میں ہندوستان روانہ ہوئے، آپ کے ساتھ شیخ جلال الدین تمیزی بھی تھے۔ اس سفر میں حضرت خواجہ صاحب کے نقش قدم پر آپ بھی کچھ عرصہ ملتان ٹھہرے وہاں شیخ بہاؤ الدین زکریا سے بھی ملاقات ہوئی۔ ملتان سے آپ دہلی آئے، یہ اتیش کا دور تھا۔ ان دنوں شاہان سلطنت بھی شاہان طریقت کی خدمت میں سلام عقیدت کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ اتیش بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور التجا کی کہ آپ دہلی کو ہی اپنا مرکز بنائیں۔

آپ نے دہلی میں قیام فرمایا وہاں آپ کے شیخ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری بھی آپ سے ملنے آئے اور آپ نے انہیں اجمیر لے جانا چاہا لیکن بعد ازاں آپ نے انہیں دہلی رہنے کی اجازت دے دی۔ پھر آپ آخر دم تک دہلی ہی رہے، صرف ایک مرتبہ اپنے مرشد سے ملنے کے لیے اجمیر گئے۔ آپ کی واپسی کے بیس دن بعد حضرت خواجہ صاحب نے اجمیر میں وصال فرمایا۔

تالیفات:

آپ نے اپنے مرشد کے ملفوظات دلیل العارفین کے نام سے جمع کئے۔ خود اپنے مریدوں کے لیے جو ملفوظات فرمائے انہیں آپ کے خلیفہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے فوائد السالکین کے نام سے جمع کیا ہے۔ اس میں آپ کی سات مجلسوں کے فیوض ہیں۔ یہ چھتیس صفحات کا رسالہ مطبع مجبہائی دہلی میں چھپ چکا ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کے سالکین کے لیے سلوک کا ایک پورا لائحہ عمل مل سکتا ہے۔ ہم یہاں آپ کے چند ارشادات اپنے

لفظوں میں پیش کئے دیتے ہیں۔ جسے مرشد کی صحبت کم ملے وہ ان مرشدان گرامی کی مجلسوں کا فیض پالے۔

حضرت قطب صاحب کی مرشدانہ ہدایات

۱۔ سالک کم کھائے کم سوئے، کم بولے اور لوگوں سے کم اختلاط رکھے۔ حسب ارشاد حضرت تھانوی تصوف کی یہ چار بنیادیں ہیں۔ ۱۔ قلیل الطعام ہونا، ۲۔ قلیل المنام ہونا، ۳۔ قلیل الکلام ہونا، ۴۔ قلیل الاختلاط مع الانام ہونا۔

کھائے صرف اس نیت سے کہ اس سے اس کی عبادت کی قوت قائم رہے۔ جب تک سالک لوگوں سے قلیل الاختلاط نہ رہے اللہ کی حضوری اسے کیسے نصیب ہوگی۔ سالک عارف بھی بنتا ہے جب اسے اللہ کی حضوری ملے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا

جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

۲۔ سالک ہر وقت محبت الہی میں غرق رہے، شکر میں یہ حال ہو کہ پہاڑ بھی اس پر گرے تو اسے کوئی خبر نہ ہو۔ جو راہ سلوک کی تکلیفات میں فریاد کرتا ہے تو وہ اپنے دعوے محبت الہی میں جھوٹا ہے، سچی دوستی یہ ہے کہ جو کچھ اسے اللہ کی طرف سے پہنچے اسے ایک نعمت جانے کہ میں اس کی نظر میں تو ہوں بھی تو یہ مہمانیاں مجھے مل رہی ہیں۔ راہ سلوک میں نعمت دوست کی بلاعی کو کہتے ہیں۔

۳۔ اسرار الہی کو پوشیدہ رکھنے کی ہمت ہو راہ سلوک میں حوصلہ وسیع چاہئے۔ منصور عارف کامل نہ تھا کہ اس میں اسرار جاگزیں نہ ہو سکے۔ حضرت جنید بغدادیؒ پر حالت سکر میں بڑی کٹھن منزلیں آتیں مگر آپ یہی کہتے ہزار افسوس اس عاشق پر کہ وہ دوستی کا دم بھرے اور جب اس پر اسرار کھلیں تو وہ انہیں دوسروں کے آگے کھول دے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ سالک کو سکر سے لکھنا آتا ہو جب نماز کا وقت آئے تو وہ عالم صحو میں آسکے شریعت کو پامال کرنے کی سلوک میں کوئی راہ نہیں ہے۔

۴۔ ایک دفعہ سلوک کی مختلف منزلوں کا اس طرح پتہ دیا:

مشائخ نے سلوک کے ۱۸۰ درجے رکھے ہیں لیکن حضرت جنید بغدادیؒ نے اس کے سو درجے رکھے ہیں، حضرت ذوالنون مصریؒ نے ستر درجوں سے اس راہ کو عبور کیا ہے۔

حضرت بشر حائی کے ہاں اس کی پچاس منزلیں ہیں۔ حضرت ہازید بسطامی، حضرت عبد اللہ ابن مبارک اور حضرت سفیان الثوری کے ہاں سلوک کے کل پینتالیس درجے ہیں۔

یہ حقدین کے ہاں سلوک کی مختلف منزلیں ہیں، متاخرین میں رہروان راہ سلوک نے اس راہ کو نئے سرے سے مدون کیا ہے پھر ان سے چار سلسلے چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ باقاعدہ چلے۔ خواجگان چشتیہ راہ سلوک کو پندرہ درجوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان میں ایک درجہ کشف و کرامت کا ہے۔ کشف و کرامت میں سالک اپنے آپ کو ظاہر کر دیتا ہے سالک میں ہمت چاہے کہ اسرار الہی کو پوشیدہ رکھ سکے کشف و کرامت کا باب کبھی کبھی اس کے ہاں کھلے۔

وقت کا تقاضا ہوا تو خزان کا ایک بہتا دریا دکھا دیا

ایک دفعہ شاہی دربان اختیار الدین ایک آپ کے پاس آیا اور کئی گاؤں بطور نذرانہ پیش کیے آپ نے ایسا پیر نہ بنا چاہا جس کے بڑی جاگیریں ہوں آپ کوئی چیز اپنے پاس نہ رکھتے جو ملتی اسے فوراً تقسیم کر دیتے۔ قطب صاحب نے اختیار الدین ایک کو دکھا کر اپنے جانماز کا ایک گوشہ اٹھایا اور اختیار الدین ایک نے اپنی آنکھوں سے وہاں خزان الہی کا ایک دریا بہتا دیکھا۔ آپ نے اختیار الدین کو کہا جس کے ہاں یہاں خزان الہی کا دریا بہتا ہو وہ یہ چند گاؤں لے کر کیا کرے گا۔ جاؤ آئندہ درویشوں کے ساتھ ایسی گستاخی نہ کرنا۔

مشائخ چشتیہ کا ذوق سماع

مشائخ چشتیہ اپنے ذوق سماع کو کبھی چھوڑ نہ پائے تاہم انہوں نے کبھی اپنے آپ کو مفتیوں میں ظاہر نہیں کیا نہ کبھی سماع کو انہوں نے فتوے کی شکل دی۔ ان دنوں ہندوؤں کی عظیم آبادی کو اسلام میں کھینچنے کے لیے اس سے زیادہ زود اثر اور کوئی راہ نہ تھی۔ ہندو پنڈت مندروں میں گیت گا کر لوگوں کو خدا کی محبت میں کھینچتے، خواجگان چشت اپنی سماع کی مجلسوں سے ہندوؤں کے اس طلسم کو توڑتے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکئی بھی سماع کو بہت عزیز رکھتے۔ سید صباح الدین لکھتے ہیں:-

ایک بار شیخ بختانی کی خانقاہ میں محفل سماع تھی حضرت خواجہ صاحب بھی

وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ وہاں حضرت قطب صاحب پر اس شعر سے
وجد طاری ہو گیا۔

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر است
ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہر فیعلے کے آگے سر تسلیم خم کر چکے انہیں
مردہ نہ سمجھو انہیں ہر لمحہ عالم غیب سے ایک نئی زندگی ملتی ہے۔

قوال ہار ہار اس شعر کو پڑھتا رہا اور آپ کی روح کی منزلیں بڑی تیزی سے طے
ہوتی گئیں یہاں تک کہ آپ نے اسی سکر میں ۶۳۴ھ میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی۔
میر حسن نے اپنی ایک غزل میں اس شعر کو اس طرح نقل کیا ہے۔

جاں بریں یک شعر داد است آن بزرگ

عار این گوہر زکان دیگر است

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر است

آپ نے وصیت کر رکھی تھی کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس نے کبھی حرام کاری
نہ کی ہو۔ عصر کی سنتیں کبھی نہ چھوڑی ہوں اور ہمیشہ نماز باجماعت میں بکبیر ادائیگی پائی ہو۔ آپ
کے جنازہ میں ان شرطوں سے کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ تھی۔ یہ شرطیں سلطان شمس الدین
اتش میں پوری ہوتی تھیں۔ وہی آگے بڑھا اور اس نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

(۳) حضرت خواجہ فرید الدین مسعودی شکر (۶۶۳ھ)

والد کا نام مولانا کمال الدین تھا جو کابل کے شاہی خاندان میں سے تھے۔ آپ
فرخ شاہ کمال کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے دادا قاضی شعیب اپنے پورے خاندان کو لے
کر قصور آگئے۔ آپ حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ہیں، آپ کی والدہ قاسمہ بی بی ایک عالم
دین، ملا وجیہ الدین کی بیٹی تھیں جن کی گود میں آپ کی ابتدائی پرورش ہوئی۔ آپ کے والد
نے پھر ملتان کے ایک نواحی گاؤں کہوت وال کو اپنا مسکن بنایا اور یہیں آپ پیدا ہوئے۔

آپ نے حضرت معین الدین اجمیری کا بھی زمانہ پایا ہے۔ جب حضرت خواجہ قطب

المدین بختیار کا کی ملتان آئے تو یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی بیعت کی۔ جب حضرت بختیار کاکی دہلی کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے تکمیل علوم کے لیے مختلف بلاد کے سفر کیے بغداد بھی پہنچے۔ آپ نے وہاں شیخ شہاب الدین سہروردی کی بھی زیارت کی اور کئی دن ان سے اکتساب فیض رہا۔ آپ کے ملفوظات راحۃ القلوب کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

نوٹ: پہلے ہم جن بزرگوں کا ذکر کر آئے ہیں۔ ۱۔ حضرت علی ہجویریؒ، ۲۔ حضرت عثمان ہارونیؒ، ۳۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجیرئیؒ، ۴۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ یہ سب سادات کرام میں سے ہیں البتہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی صرف حضرت علیؒ کی اولاد میں سے تھے حضرت فاطمہؑ کی اولاد میں سے نہ تھے۔ حضرت خواجہ فرید الدین مسعود حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے تھے۔

آپ کو علوم شریعت میں خاص دسترس تھی۔ آپ باوجودیکہ حضرت خواجہ قطب الدین کاکی سے فیض یافتہ تھے آپ کو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بھی خاص عقیدت تھی۔ آپ ان کی کتاب عوارف المعارف کا تفسیر پیرائے میں درس دیتے، سامعین آپ کے درس میں ہوش کھو بیٹھتے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اس کتاب کے پانچ ابواب آپ سے سہتا پڑھے۔

آپ کو اپنے دور کے دیگر ائمہ کی بھی خاص طلب رہتی۔ آپ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو اپنے حلقہ کے باہر کے بزرگوں کی کوئی ضرورت محسوس نہ کریں ان دنوں بغداد بزرگان طریق کا مرجع خلافت تھا۔ بغداد کے ایک سفر میں آپ کو حضرت خواجہ معین الدین ہجویری اجیرئی کی بھی زیارت ہوئی۔ آپ نے خواجہ فرید الدین کو شکر عالم (تمام دنیا کی شیرینی) سے خطاب کیا اپنے قریب بلایا اور فرمایا:۔

یا شکر عالم نیک آوری بشین

اسی نسبت سے آپ سنج شکر کہلائے۔ کہتے کہ آپ کا پورا بدن اکثر اوقات شکر کی طرح میٹھا ہو جاتا اور روح کی مشاس تو اس سے بھی آگے کی ایک منزل تھی۔

آپ نے کن کن بزرگوں سے ملاقات کی:۔

۱۔ حضرت خواجہ معین الدین اجیرئیؒ سے بغداد میں،

۲۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بغداد میں،

۳۔ شیخ اوحید الدین کرمائی سے سیستان میں،

۴۔ شیخ سیف الدین باخرزئی سے بخارا میں،

۵۔ شیخ عبدالواحد نبیرہ حضرت ذوالنون مصریٰ سے بدخشاں میں۔

آپ نے بیت المقدس میں بھی چند دن گزارے اور حضرت زکریا کی بیروی میں وہاں جا رہے کسی کی۔ مرشد کی وفات پر دہلی آئے تو قاضی حمید الدین ناگوری نے جو حضرت خواجہ قطب الدین کا کی کے خلیفہ تھے آپ کو حضرت قطب الدین کا خرقہ پہنایا اور چند دوسری امانتیں آپ کے سپرد کیں۔

حضرت بابا فرید کا روحانی مقام

آپ کے روحانی مقام کے لیے یہی جاننا کافی ہے کہ سالار سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری نے اپنے خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو مخاطب کر کے ان کے اس نئے مرید کے بارے میں کہا ”قطب الدین تم نے ایک عظیم شاہباز پکڑا ہے۔ اس کا آشیانہ بجز سدرۃ البتھیٰ کے اور کہیں نہیں بن سکتا“

اجمیر اور دہلی مشائخ طریقت کے روحانی فیض سے پوری طرح بہرہ اندوز تھے۔ تاہم ضرورت تھی کہ خواجگان چشت کی یہ روحانی پرواز پنجاب اور سندھ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے۔ بابا فرید الدین گنج شکر نے پاکستان کو اپنا مرکز بنایا اور دیکھتے دیکھتے ان کے روحانی فیض کی لہریں پورے پنجاب پر محیط ہو گئیں۔ پھر یہاں خواجگان تونسہ اور خواجگان سیال، خواجگان چاچا اٹل شریف نے اپنے اپنے خیمے گاڑے اور پھر بالا کوٹ کی طرف سے حضرت شاہ سید احمد شہید اور مولانا اسلمعلیل شہید کی دعوت وسط سندھ پہنچی۔

اس پہلو سے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر ایک عہد ساز شخصیت ہو کر ابھرے۔ یوں سمجھئے کہ پنجاب کے مسلمانوں کیلئے خواجگان چشتیہ کا پاکستان میں ایک نیا دروازہ کھل گیا۔ اب جو بھی طریقت کی راہ سے اسلام میں داخل ہوا پاکستان کی زمین اس کے لیے ایک بہشتی دروازہ ثابت ہوئی۔ افسوس کہ نہ سمجھنے والوں نے وہاں ایک واقعی دروازہ نصب کر دیا اور اپنے عوام میں یہ بات پھیلا دی کہ من دخلہ کان امننا جو اس میں سے گزر گیا وہ ہمیشہ کا امن پا گیا۔ حالانکہ یہ مرکزی شان صرف بیت اللہ شریف کی تھی۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت بابا فرید الدین نے دہلی اور اجمیر سے جو فیض پایا تھا وہ آپ نے پنجاب میں

چاروں طرف بکھیر دیا۔

حضرت بابا فرید الدین مسعودی شکر کی دس ہدایات

- ۱۔ راہ سلوک میں جفاکشی اور عنایت بہت ضروری ہے۔ جب تک مجاہدات کاملہ اور ریاضت شاقہ نہ اٹھاؤ گے اعلیٰ مقام کو نہ پہنچو گے۔
- ۲۔ دنیا آدمی کی طرف پشت کئے ہے اور آخرت اس کی طرف منہ۔ یہ دنیا کے پیچھے بھاگتا ہے اور آخرت اس کے انتظار میں کھڑی ہے۔ سو چاہیے کہ سالک آخرت کو ترجیح دے آخرت ہی کام آئے گی، دنیا تو پشت دے چکی۔
- ۳۔ اللہ تعالیٰ جس کو سعادت ابدی عطا فرماتے ہیں اس کے لیے ذکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ (نقل عن الشیخ اوحید الدین الکرمانی)
- ۴۔ ایک دفعہ سلطان ناصر الدین نے اپنے وزیر کے ہاتھ آپ کے لیے چار گاؤں کا فرمان اور ایک بڑی رقم بطور ہدیہ بھیجی مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا اور فرمایا:۔
یہ ان کو دو جن کو ضرورت ہو، یہ ہم خواجگانِ چشت کی رسم نہیں ہے۔
آج کل کے پیر ان بزرگوں سے کتنے دور ہیں جو ہمیشہ مریدوں کی جیبوں پر نظر رکھتے ہیں، جتنا کوئی بڑا امیر ہوگا اس سے اتنے ہی گہرے تعلقات ہوں گے۔ خود یہ آگے نہ بھی ہوں تو ان کے صاحب زادگان برابر ان کے حالات پوچھتے رہیں گے۔ یاد رکھیے یہ اللہ والوں کی راہ نہیں ہے۔
- سلطان ناصر الدین کا یہ وزیر وہی ہے جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے تخت ہند کا وارث ہوا۔
- ۵۔ درویشوں کی صفت پردہ پوشی اور خود فراموشی ہے۔
پردہ پوشی سے مراد خدا کے بندوں کی پردہ پوشی ہے دوسروں کی کمزوریوں کو تلاش کرنا اور پھر ان کی اشاعت عام کرنا اللہ والوں کا طریقہ نہیں ہے۔ درویش کو چاہیے کہ چار باتیں اختیار کرے:۔

۱۔ اپنی آنکھیں بند کر لے کہ خدا کے بندوں کے عیوب نہ دیکھے۔

۲۔ کالوں کو بہرہ کر لے کہ جو باتیں سننے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ سن پائے۔

۳۔ اپنی زبان گونگی کر لے کہ جو باتیں کہنے کے لائق نہ ہوں وہ زبان پر نہ آئیں۔

۴۔ پاؤں کو لنگڑا رکھے کہ کسی غیر ضروری کام کے لیے نہ چل سکے۔

۶۔ درویش کا زہد تین چیزوں میں ہے:-

۱۔ دنیا کو جاننا اور پھر اس سے ہاتھ اٹھالینا،

۲۔ اللہ کی اطاعت کرنا اور آداب کی رعایت رکھنا،

۳۔ آخرت کی آرزو اور اس کو طلب کرنا،

جو آخرت کی طلب میں ہو اللہ تعالیٰ بھی اسے ملنا چاہتے ہیں اور جو آخرت سے

دوری چاہے اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنے سے دور رکھتے ہیں۔

۷۔ راہ سلوک میں وہی درویش مخلص ہے جو:-

رزق حاصل کرنے کے لیے پریشان خاطر نہ ہوتا ہو۔

آپ نے فرمایا رزق کی چار قسمیں ہیں:-

۱۔ رزق مقسوم، ۲۔ رزق مذموم،

۳۔ رزق مملوک، ۴۔ رزق موعود۔

۱۔ رزق مقسوم وہ ہے جو پہلے ہی لوح محفوظ پر لکھا جا چکا ہے یہ خدا کی تقسیم ہے

جو بندوں کے نام لکھی جا چکی ہے۔

نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحياة الدنيا (پ: الزخرف: ۳۲)

۲۔ رزق مذموم وہ ہے کہ جتنا ملتا جائے ہوس اور بڑھتی جائے اسے کسی مقام پر

قناعت نہ ہو۔ اس کا پیٹ جہنم بن چکا ہو جو کہیں بس نہ کرے گا۔

يوم نقول لجهنم هل امتلأت و تقول هل من مزيد (پ: الق: ۲۶، ق: ۳۰)

۳۔ رزق مملوک وہ رزق ہے جو ضروریات پورا ہونے کے بعد جمع کیا جائے۔

سالک اس میں قرآن کریم کے ایک سوال اور جواب کو سمجھے۔

يستلونك ماذا ينفقون قل العفو (پ: البقرہ: ۲۱۹)

ترجمہ: پوچھتے ہیں آپ سے کیا خرچ کریں آپ کہیں جو اپنی ضررات

سے بچ رہے۔

۴۔ رزق موعود وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے اس کی

ایک ترتیب ہے کہ یہ ان امور پر مرتب ہوتا ہے جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو۔ یہ اس راہ سے عمل میں آتا ہے۔

سالک اگر توکل سے کام نہیں لیتا اور رزق کے لیے اوندوہ گین ہوتا ہے تو وہ تصوف کی راہ میں گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے، ایسا درویش اللہ تعالیٰ کی تمام عنایات سے محروم ہو جاتا ہے سالک وہی ہے جو دنیا کے تمام معاملات میں اللہ پر توکل کرتا ہے۔

۸۔ راہ سلوک میں توبہ ایک نہایت اہم چیز ہے اس کی چھ قسمیں ہیں۔

۱۔ توبہ دل: اپنے ارادہ سے دل کی آلائشوں کو دور کرنا اور اندھیروں سے نکلنے کی کوشش کرنا، حسد و ریا اور تمام نفسانی لذات سے صدق دل سے باز آنا۔

اس توبہ سے بندہ اور مولیٰ کے درمیان کا حجاب اٹھ جاتا ہے۔

۲۔ توبہ زبان: ناشائستہ بے ہودہ اور ناروا کلمات سے زبان کو پاک رکھنا اور خدا کی یاد میں زبان کو ترک کرنا اس توبہ کے بغیر انوار عشق سامنے سے نہیں کھلتے۔

۳۔ توبہ چشم: نظر سے بچنا، کسی کا عیب نہ دیکھنا، کسی پر ظلم ہوتے نہ دیکھنا، دنیا کی کسی چیز پر لالچ کی نظر نہ ہو۔

۴۔ توبہ گوش: ہر چیز جو سننے کے لائق نہیں یا شریعت نے اس سے منع کیا ہو اسے نہ سننے کا قصد اور ارادہ کرنا۔ چلنے ہوئے بھی کان میں پڑے تو کانوں پر ہتھیلی رکھ لینا۔

۵۔ توبہ دست: کسی کو ناروا اور ناجائز ہاتھ نہ لگاؤ، کسی کو اپنے ہاتھ سے تکلیف نہ دو، کسی کے مال و جان پر ہاتھ نہ ڈالو۔

۶۔ توبہ نفس: کھانے پینے کی لذتوں کے درپے نہ ہو، اس لئے کھائے پئے کہ خدا کا نام لینے کی طاقت باقی رہے۔ انسان نے زندگی اسی لئے پائی ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی عبادت کر سکے۔

وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون

آپ نے اس کے علاوہ توبہ کی تین اور قسمیں بھی بیان کی ہیں:-

(۱) توبہ حال، (۲) توبہ ماضی، (۳) توبہ مستقبل۔

۱۔ توبہ حال: جو گناہ بھی ہو جائے اسی وقت اس پر پشیمانی آئے اور وہ ندامت اور

شرمندگی میں اللہ کے آگے جھک جائے۔

۲۔ توبہ ماضی: پچھلے گناہوں پر استغفار کرے، خدا سے مغفرت چاہے، بندوں کے جو حقوق اس کے ذمہ ہیں وہ ادا کرے اور کچھ زیادہ دے۔

۳۔ توبہ مستقبل: آئندہ تمام گناہوں سے پرہیز کرنے کا پھر سے عہد کرے اور اللہ تعالیٰ سے اس کی توفیق مانگے۔

۹۔ تصوف سالک کا پیرایہ اخلاق ہے۔ اہل تصوف ایک ایسی قوم ہیں جو اس طرح خدا سے ملے ہیں کہ انہیں پھر اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں سے کسی کی خبر تک نہیں رہتی۔

۱۔ سالک لوگوں سے بے نیاز رہتا ہے، وہ دنیا کی کبھی بھجو اور مذمت بھی نہیں کرتا اور نہ اس کی محبت اور طلب میں کبھی گرفتار ہوتا ہے۔

۲۔ سالک ایک مرشد سے وابستہ ہوتا ہے اور اس کی خدمت اور اس کے پاس بار بار کی حاضری میں روح کی خوشی اور عمل کی تربیت سمجھتا ہے۔

۳۔ سالک اپنی کسی بزرگی کے اظہار میں نہ پڑے، مقام کشف پائے تو اس کی کوشش نہ کرے اور پالے تو اس کے اظہار کی کوشش نہ کرے۔

۴۔ سالک کسی حال میں شاہراہ شریعت سے تجاوز نہ کرے۔ عام سکر کی حالت میں رہتا ہو تو نماز کے وقت ضرور حالت صحو میں آجائے، شریعت اسی ہوش سنبھالنے کا نام ہے۔

۱۰۔ جو شخص تین باتوں سے گریز کرے اللہ تعالیٰ اس سے تین چیزیں اٹھالیتے ہیں۔

۱۔ جو شخص زکوٰۃ نہیں دیتا اللہ تعالیٰ اس کے مال سے برکت اٹھالیتے ہیں اس کا مال بڑھ نہیں پاتا اور اس میں پاکیزگی نہیں رہتی۔

۲۔ جو شخص قربانی کرنا نہیں جانتا اللہ تعالیٰ اس سے عافیت چھین لیتے ہیں۔

۳۔ جو شخص نماز نہیں پڑھتا اللہ تعالیٰ اسے اس کے مرنے کے وقت ایمان سے محروم

کر دیتے ہیں۔ (ہلک عشرۃ کاملۃ)

حضرت بابا فرید کے ملفوظات

حضرت بابا فرید سنج شکر نے فرمایا کہ چار چیزیں ایسی ہیں جن کی بابت سات سو بزرگوں سے سوال کیا گیا اور سب نے ایک ہی جواب دیا کہ یہ چار باتیں اس راہ کے مسافروں کی اساس ہیں انہیں ہمیشہ ذہن میں رکھیں۔ اس سے اسے بزرگوں کی نسبت کا فیض حاصل ہوگا۔

سوال: سب سے زیادہ ٹھنڈ کون ہے؟

جواب: دنیا میں سب سے کم دل لگانے والا، دنیا میں بقدر ضرورت رہے اور آخرت میں اس کی فکر بقدر بقا آخرت ہو۔

سوال: تمام لوگوں میں سب سے بزرگ کون ہے؟

جواب: جس پر دنیا کا کوئی رنگ نہ چڑھے وہ کسی دنیوی چیز سے متغیر نہ ہو۔ سونا اسی لیے سب سے زیادہ قیمتی سمجھا جاتا ہے کہ اس پر کوئی رنگ نہیں چڑھتا۔

سوال: دنیا میں سب سے زیادہ مال دار کون ہے؟

جواب: قناعت کرنے والا، جو کچھ مل گیا اسے کافی سمجھے۔ قناعت کی تو ایک اپنی حد ہے، قناعت سے نکلنے والے کی کہیں کوئی حد نہیں آتی۔

سوال: دنیا میں سب سے زیادہ محتاج کون ہے؟

جواب: قناعت ترک کرنے والا۔ اس کی حاجات اور مانگنے کی حاجات کو موت کے سوا کہیں کوئی کنارہ نہ ملے گا۔

گفت چشم جنگ دنیا دار را

یا قناعت پر کند یا خاک گور

سوال: یہ دو سوال بھی آپ سے کیے گئے، ا۔ صوفی کون ہے؟

جواب: لفظ صوفی صفا سے ہے۔ صوفی وہ ہے جس کی برکت کی وجہ سے تمام چیزیں صفائی قبول کریں اور اسے کوئی چیز زنگ آلود نہ کر سکے۔ اللہ والے اثر دیتے ہیں اثر لیتے نہیں۔ سونے پر کوئی رنگ نہیں چڑھ سکتا۔

۲۔ وہ کون سی باتیں ہیں جو دلوں کو غافل کر دیتی ہیں؟

جن باتوں کا اول اور آخر خدا کے لیے نہ ہو۔

جس کا دل خدا سے غافل ہو اس سے بات چیت صرف غافلین ہی کر سکتے ہیں۔

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان امره فرطاً

سیر الاولیاء میں آپ کے یہ ملفوظات بھی ملتے ہیں:-

۱۔ جاہل نادان کو زندہ نہ خیال کر۔

۲۔ جو تم سے ڈرتا ہے تم اس سے ڈرو۔

- ۳۔ اپنی کمزوریوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھو۔
- ۴۔ جو تمہارا خیر خواہ نہیں اس سے کبھی مشورہ نہ کرو۔
- ۵۔ باطن ظاہر سے عمدہ اور بہتر رکھو۔
- ۶۔ علم دین کی حفاظت اور نگہداشت کرو۔
- ۷۔ اپنے خاندان کی عزت قائم رکھو۔
- ۸۔ اپنی آرائش اور نمائش میں زندگی ضائع نہ کرو۔
- ۹۔ اپنے آپ کو مال و دولت کے لیے ذلیل نہ کرو۔
- ۱۰۔ ایسی موت کی خواہش ہو جس سے ہمیشہ کی زندگی ملے۔
- ۱۱۔ غریبوں اور شکستہ دلوں میں بیٹھنے سے خوشی ہو۔
- ۱۲۔ خدا کی طرف سے کوئی تکلیف آئے تو اس کا شکوہ نہ کرو۔
- ۱۳۔ جو تمہارے ساتھ نیکی کرے تم بھی اس سے نیک رہو۔
- ۱۴۔ امراء کے ساتھ بیٹھو تو اس وقت دین کو فراموش نہ کرو۔

آپ کے ملفوظات دوسرے بزرگوں کی نسبت زیادہ ہیں۔ آپ نے پنجاب کے نئے ماحول میں کام کیا اس لیے آپ کا دائرہ قربت زیادہ وسیع رہا۔ آپ کے مرید بدر اسحاق نے سیر الاولیاء میں آپ کے بہت سے ملفوظات جمع کئے ہیں۔ سیر الاولیاء میں ۲۲ فصلیں ہیں اور ہر فصل میں علیحدہ علیحدہ موضوعات پر حضرت کے ارشادات جمع ہیں۔ آپ نے مختلف پہلوؤں سے شریعت میں نکھار پیدا کیا ہے یہ شریعت اور طریقت کا ایک امتیازی مطالعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

نقراء کا عشق الہی علماء اور دانشوروں کے عشق سے بالکل جدا ہے۔

آں عشق کہ بود کم نہ گردد

تا باشد ازاں قدم نہ گردد

آپ کے ملفوظات کا دوسرا مجموعہ آپ کے خلیفہ ارشد حضرت شاہ نظام الدین اولیاء نے ”راحت القلوب“ کے نام سے جمع کیا ہے۔ جس طرح ہر پھول کی خوشبو اپنی اپنی ہوتی ہے، بزرگان طریقت کے مشرب بھی اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر میں دنیا سے بے رغبتی، کھانے میں ریاضت اور خلق خدا سے دوری غالب تھی۔ فقر و فاقہ پر بھی سخاوت کا یہ حال تھا کہ جو چیز ہوتی اپنے حلقہ میں فوراً تقسیم کرتے۔ آپ کے خلفاء میں حضرت

شیخ علاء الدین صابر سلطان المشائخ شاہ نظام الدین اولیاء سیالکوٹ کے امام علی الحق اور شیخ برہان الدین ہانسوی زیادہ مشہور ہوئے۔ آپ نے ۶۶۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی اولاد

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے چھ بیٹے تھے۔ (۱) نصیر الدین، (۲) شہاب الدین، (۳) بدر الدین، (۴) نظام الدین، (۵) شاہ عبداللہ صدر الدین۔

حضرت بدر الدین آپ کے بڑے خلیفہ ہوئے۔ ان کے صاحب زادے، حضرت تاج الدین سرور (۷۳۸ھ) چشتیاں (نزد بہاولنگر) میں ٹھنڈی نیند سوس رہے ہیں۔ آپ نے اپنے دادا حضرت فرید الدین سے روحانی تربیت حاصل کی تھی۔ آپ نے (اس نئے) خطہ چشتیاں کو اپنے روحانی فیض سے آباد کیا۔

تحصیل پرورد ضلع سیالکوٹ میں ایک قصبہ کمال پور چشتیاں کے نام سے موسوم ہے، وہ حضرت تاج الدین سرور کے تیسرے فرزند شاہ حسن کی اولاد میں سے شاہ کمال الدین کا آباد کردہ ہے۔ ان دنوں پرورد میں راجہ جگت پال کی حکومت تھی یہ راجہ سان پال کا بھائی تھا۔ پرورد کا پرانا نام جگت پور تھا۔

شاہ کمال چشتی (قصور)

آپ کا شجرہ دس واسطوں سے حضرت بابا فرید الدین تک پہنچتا ہے۔ آپ کمال پور چشتیاں ضلع سیالکوٹ سے قصور تشریف لے آئے۔ یہیں آپ کا مزار ایک پہاڑی پر مرجع عوام و خواص ہے۔

اسی طرح حضرت بابا صاحب نے امام علی المعروف علی الحق کو کانگڑہ (بھارت) میں بھیجا۔ آپ سابق فوجی جرنیل تھے آپ نے بادشاہ فیروز تغلق کے حکم سے سیالکوٹ کے راجہ سان پال سے جنگ کی اور سیالکوٹ فتح کیا مگر اس معرکہ جہاد میں شہید ہو گئے۔ آپ کا مزار سیالکوٹ میں امام صاحب کے نام سے مرجع عوام و خواص ہے پورے محلہ کا نام محلہ امام صاحب ہے۔

(۴) حضرت شاہ علاؤ الدین شیخ احمد علی صابر از کلیر شریف (۶۹۰ھ)

آپ نہا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے پڑپوتے ہیں اور اپنے مرشد حضرت بابا

فرید الدین گنج شکر کے بھانجے تھے۔ حضرت بابا صاحب نے اپنے ہاں ٹھہرنے والے فقراء و مساکین کے لیے لنگر تقسیم کرنے کا کام ان کے سپرد کر رکھا تھا۔ نماز اشراق کے بعد آپ یہ لنگر تقسیم کرتے اور پھر اپنے حجرہ میں چلے جاتے پھر مغرب کی نماز کے بعد آپ یہ لنگر تقسیم کرتے۔ آپ کا لنگر تقسیم کرنے کا کام اور اس سے خود نہ کھانے کا اہتمام آپ کو صابر کے مقام پر لے آیا آپ اسی سے علی احمد صابر کہلائے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے اپنی بیٹی خدیجہ جو سلطان غیاث الدین بلبن کی نوایسی تھی، حضرت شاہ علاء الدین علی احمد کے نکاح میں دی۔ اب آپ بابا صاحب کے بھانجے ہونے کے ساتھ حضرت بابا صاحب کے داماد بھی ہوئے۔

حضرت شیخ کی نظر میں حضرت علی احمد صابر کا مقام

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے اپنے حلقہ کے درویشوں میں جس طرح حضرت علی احمد صابر کو رشتہ کا قرب بخشا، معرفت میں بھی آپ کو بڑی سبقت بخشی۔ ایک دفعہ فرمایا:-
میرے سینہ کا علم شیخ نظام الدین بدایونی کو ملا ہے اور میرے دل کا علم شیخ علی احمد لے گئے۔

ضیاء الدین برنی نے تاریخ فیروز شاہی میں سلطان علاء الدین خلجی کے دور میں مشائخ سلوک کے بارے میں لکھا ہے:-

سجادہ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین اولیاء، شیخ الاسلام علاء الدین علی احمد صابر اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا۔ ایک دنیا ان کے انفاں حسیب کہ سے روشن ہو گئی اور ایک عالم نے بیعت میں ان کا ہاتھ پکڑا۔ ہزاروں گناہگاروں نے ان کے فیض صحبت سے اپنے گناہوں سے توبہ کی۔ ہزاروں بدکاروں اور بے نمازوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا اور ہمیشہ کے نمازی بن گئے۔ دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے کام آنے اور ان کی فرمانبرداری کا سبب بنے ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ان کے تجرد کے معاملات دیکھ کر ان کے دلوں سے کم ہو گئی۔ راہ سلوک کے مسافروں کو نوافل و وظائف کی رغبت اور اوصاف عبودیت کی محبت دلوں میں پیدا ہونے لگی۔

ان شاہان تصوف کے اخلاق اور زہد و تزکیہ سے اللہ تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں برسی اور آسمانی معیبتوں کے دروازے بند ہو گئے۔ یہ امور ان تینوں بزرگوں کے

وجود سے ظہور میں آئے اور یہ شعائر اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئے۔ حضرت شیخ علی احمد صابر اپنے حلقہ بیعت میں مخدوم کے لقب سے معروف ہوئے۔

حضرت مخدوم کی کلیر میں آمد

حضرت شیخ علی احمد صابر حضرت بابا فرید الدین کے حکم سے کلیر خیمہ زن ہوئے وہاں کے بعض علماء نے آپ کو نہ پہچانا اور ان اہل سلوک کو پہلی صف میں بیٹھنے سے منع کیا۔ آپ جلال میں آگئے اور فرمایا:

تم سب ابھی مر جاؤ گے اور یہ شہر بھی تباہ ہو جائے گا۔

آپ کا جذب و جلال انتہا کو پہنچا ہوا تھا کلیر اس تباہی کے بعد پھر مزار حضرت مخدوم سے آباد ہوا، اب آپ ہی ان دیار میں صاحب سلطنت تھے۔ حضرت بابا فرید الدین شیخ شکر نے شیخ شمس الدین ترک کو آپ کی خدمت کے لیے بھیج دیا۔ آپ چوبیس سال حضرت مخدوم کی خدمت میں رہے۔

جب شمس الدین ترک دولت باطنی سے مالا مال ہو گئے تو آپ نے انہیں شاہی فوج میں نیکی پھیلانے اور انہیں اللہ کی راہ بتلانے کے لیے بھیج دیا اور فرمایا۔ ”جس روز تم سے کوئی کرامت صادر ہوگی وہ میرے انتقال کا دن ہوگا۔“

سلطان علاؤ الدین خلجی کو قلعہ کے سر کرنے میں خاصی مشکلات کا سامنا ہوا۔ وہ فقراء اور مشائخ کی تلاش میں نکلا، ایک باخدا آدمی نے بتلایا کہ تم فقراء اور درویشوں کی تلاش میں کیوں پریشان ہو خود تمہارے لشکر میں ایک ایسا باخدا موجود ہے اگر وہ دعا کرے تمہاری فتح یقینی ہوگی اس شخص کی پہچان یہ ہے کہ آج رات کو جب تیز ہوا چلے گی تو سب لشکروالوں کے چراغ بجھ جائیں گے صرف اس کا چراغ روشن رہے گا۔ اور وہ اس وقت تلاوت کلام اللہ مصروف ہوگا۔

اگر کیتی سراسر بادگیر
چراغ مقبلاں ہرگز نہ میرد

سلطان علاؤ الدین خلجی نہایت بے چینی سے رات کا انتظار کرنے لگا، رات ہوئی اور پھر سخت آندھی بھی آئی اور سب لشکروالوں کے چراغ واقعی بجھ گئے، صرف ایک چراغ روشن رہا اور اس وقت حضرت شمس الدین ترک واقعی تلاوت میں مصروف تھے۔ بادشاہ آپ کے سامنے

آکر بڑے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سلطان کو دیکھا تو آپ بھی تعظیم سے اٹھے، سلطان نے معذرت کی کہ میں آپ کی قدر و منزلت نہ کر سکا آپ مجھے معاف کر دیں اور پھر اس نے آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا میں یہاں سے تیس کوس دور جا کر دعا کروں گا۔ آپ نے اس فاصلہ پر جا کر دعا کی اور قلعہ فتح ہو گیا۔ اس دم آپ کو اپنے مرشد حضرت مخدوم علی بن احمد صابر کی بات یاد آئی کہ حضرت مخدوم کا انتقال ہو گیا ہے۔ اسی وقت آپ کلیر پہنچے کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت شیخ کی میت کے گرد جنگلی جانور حفاظت کا پہرہ دے رہے ہیں۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا نظریہ درویشی

آپ نے فرمایا درویشوں کو فاقہ سے موت آجائے تو اس سے بہتر ہے کہ لذت نفسانی کے لیے وہ مقروض ہوں۔ قرض اور توکل میں بعد المشرقین ہے۔ اگر کسی مقروض درویش کو اچانک موت آجائے تو قیامت میں اس کی گردن قرض کے بار سے جھکی رہے گی۔

(تذکرۃ اولیاء کرام ص ۱۳۴)

مولانا بدرالدین اسحاق نگر خانہ کے لیے جنگل سے لکڑیاں لاتے شیخ حسام الدین کالمی پانی بھرتے اور برتنوں کو دھوتے تھے۔ حضرت بابا صاحب کے ہاں نگر میں مولانا بدر الدین اسحاق شیخ جمال الدین ہانسوی اور خواجہ نظام الدین ایک ہی پیالہ میں ایک ساتھ کھاتے لیکن حضرت علی بن احمد کے مبر و قناعت کی کسی کو خبر نہ ہوتی۔ آپ اپنے اس حال کو اپنے ساتھیوں سے ہمیشہ چھپائے رکھتے۔

(۵) حضرت شاہ نظام الدین اولیاء (۷۳۵ھ)

آپ کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا اور لاہور سے پھر بدایوں پہنچا۔ والد کا اسم گرامی سید احمد اور دادا کا نام سید علی تھا۔ پندرہ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی تک جا پہنچتا ہے۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے، آپ کی والدہ ماجدہ بڑی نیک اوصاف اور صاحب کرامت خاتون تھیں۔ انہوں نے آپ کی بہت اچھی تربیت کی یہاں تک کہ آپ علوم شریعت سے فارغ ہوئے۔ ان دنوں علوم ہائے کی بڑی شخصیت حضرت بابا فرید الدین گنج شکر تھے، آپ نے ان کے حالات سنے اور پاکستن جا کر ان سے بیعت ہوئے۔ پھر ان کے حکم سے

دہلی آئے اور دہلی کے قریب ایک گاؤں غیاث پور کو اپنا مسکن بنایا۔

ظاہری علوم کے اساتذہ کرام

ان دنوں ہدایوں میں علم اصول اور فقہ کے بڑے عالم مولانا علاء الدین اصولی تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے حفظ قرآن کی سعادت حاصل کرنے کے بعد قدوری مولانا علاء الدین اصولی سے پڑھی، فقہ میں آپ کے تبحر علمی کی اس سے بڑی سند کیا ہو سکتی ہے۔ باقی تعلیم دہلی کے مولانا شمس الدین اور مولانا کمال الدین زاہد سے مکمل کی۔ مشارق الانوار حضرت مولانا کمال الدین سے پڑھی۔

یہ ہر دو عالم سلطان غیاث الدین بلبن کی نظر میں بڑے اونچے درجے کے مالک تھے اور سلطان ان کا بہت قدر دان تھا۔ سلسلہ چشتیہ میں اب تک جتنے چشتی بزرگ گزرے انہوں نے اپنی روحانی قوت سے خطہ پاک و ہند میں اسلامی انقلاب پکا کیا۔ اس سلسلہ کے خلفاء میں حضرت شاہ نظام الدین اولیاء علوم شریعت میں نہایت نمایاں اور راسخ نظر رکھتے تھے۔ آپ اپنے شیخ کی وفات کے وقت پاک تپن میں نہ تھے۔ حضرت بابا فرید الدین نے اپنا عصا اور خرقہ جو بابا صاحب کو خوبہ قلب الدین بختیار کاکی نے دیا تھا، مولانا بدر الدین اسحاق کے سپرد کیا کہ وہ انہیں دہلی میں حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے پاس پہنچادیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا:

”میرے سینہ کا علم شیخ نظام الدین ہدایونی کو ملا ہے اور میرے دل کا علم

شیخ علی احمد کے پاس ہے۔“

اس سے بھی اس خیال کی تائید ملتی ہے کہ علم شریعت میں حضرت شاہ نظام الدین اپنے وقت میں زیادہ نمایاں رہے ہیں۔ آپ نے روحانی تربیت کے ساتھ ساتھ دین کی علمی خدمات بھی سرانجام دیں۔ دعوت کے کام کے لیے علم شریعت کی از بس ضرورت ہے۔ اللہ کے علم میں تھا کہ آئندہ اس بستی سے دعوت کا کام بڑی قوت سے چلے گا۔ آپ بیعت و تربیت کے ساتھ ساتھ علم روایت میں بھی خاصے ممتاز تھے۔ بستی نظام الدین میں دعوت کا کام جس عزیمت کے ساتھ ہو رہا ہے اور یہ ہر لمحہ زیادہ پھیل رہا ہے اس میں آپ کی روحانیت کے بھی خاصے اثرات نظر آتے ہیں۔

حضرت بابا صاحب کی نظر میں آپ کا مقام اصحاب تذکرہ لکھتے ہیں کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے آپ کے لیے ان لفظوں میں دعا کی:-

”الہی میرا یہ مرید جو کچھ تجھ سے مانگے اسے عطا فرمایا کر!“
آپ نے انہیں یہ بھی فرمایا:-

”انشاء اللہ تم ایسا درخت ہو گے جس کے سایہ میں مخلوق خدا آرام پائے گی اور اسے فیض عام ملے گا۔ مجاہدہ برابر کرتے رہنا، اس سے کبھی غافل نہ رہنا۔“

آپ نے انہیں یہ دو نصیحتیں کیں:-

۱۔ اگر کسی سے قرض لینا تو اسے جلدی ادا کرنے کی کوشش کرنا۔

۲۔ اپنے دشمنوں کو ہر حال میں خوش کرنے کی کوشش کرنا۔

یہاں وہ دشمن مراد انہیں جن سے اصول دین کے باعث کچھ دوری ہو۔ جو بغض محض اللہ کے لیے ہو شریعت سے ختم کرنے کی دعوت نہیں دیتی۔ درویش توجہ ڈالنے کے لیے انہیں کبھی قریب کرے تو یہ امر دیگر ہے۔

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے ہاں ہمیشہ عسرت کا دور دورہ رہا۔ آپ کا مقام ریاضت بہت اونچا تھا۔

آپ کا غیاث پور کا زمانہ بھی مرشد کے اسی دور کا عکاس تھا سلطان علاؤ الدین خلجی نے آپ کی خدمت کرنا چاہی تو آپ نے اسے قبول نہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک گھوڑی پوش درویش آپ کے سامنے حاضر ہوا وہ ارباب خدمت میں سے تھا اس نے آپ کی فقیری کی دیگ توڑ دی اور آپ کے حلقے کی یہ حالت معاہدہ گئی۔

ایک مرد غیبی کی آمد اور فتوحات کا کھل جانا

حضرت محبوب الہی کو اپنے شیخ کی ریاضت اور اس کی پیروی میں جو مزہ ملتا تھا اسے شاید ہفت الہیم کے درویش بھی نہ پاسکتے تاہم الہی نکوین کے تحت کبھی یہ راہیں بدل بھی جاتی ہیں۔ محبوب الہی حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے ہاں آپ کے دو خادمان خاص کا ذکر ملتا

ہے۔ (۱) شیخ برہان الدین غریب اور (۲) شیخ کمال الدین یعقوب۔ یہ دونوں حضرات بالآخر آپ کی خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ شیخ کمال الدین کھانا بنانے کی خدمت کرتے تھے۔ ایک دفعہ مسلسل کئی دن کا فاقہ ہو گیا۔ شیخ کمال الدین نے آنے کو ہنڈیا میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا۔ جب وہ دلیہ پکنے کے قریب ہوا تو اچانک ایک گدڑی پوش فقیر نمودار ہوا اور کچھ کھانے کو مانگا۔ مانگنے والا کون تھا؟ یہ بات اسرار میں سے ہے۔

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

جب سائل نے کچھ کھانے کو مانگا تو حضرت محبوب الہی نے ہنڈیا اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی اس نے کچھ گرم گرم لقمے لئے اور پھر ہنڈیا کو اٹھا کر زمین پر پٹک دیا اور یہ کہتا ہوا خلا میں گم ہو گیا۔

شاہ نظام الدین اولیاء کو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے نعمت باطن سے نوازا میں نے ان کی فقیری کی دیگ کو توڑ ڈالا اب وہ ظاہر اور باطن کی نعمتوں کے سلطان ہو گئے۔ (تذکرہ اولیاء پاک و ہند ص: ۸۸)

اس عجیب و غریب واقعہ کے بعد حضرت محبوب الہی پر فتوحات کے دروازے کھل گئے فقر و فاقہ ہمیشہ کے لیے جاتا رہا، دولت کا دریا دروازہ کے آگے بہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کی محبوبیت اور ہر دلعزیزی بہت بڑھ گئی۔ ہر وقت آپ کی خانقاہ کے گرد ایک ہجوم ہوتا اور امیر و غریب سب یکساں آپ کے فیض سے فیضیاب ہوتے۔ آپ کی زندگی میں آپ کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ آپ کا فیض چین تک پھیل گیا وہاں آپ کے پہلے خلیفہ خواجہ سالار بن تھے۔

آج بھی بستی نظام الدین میں دعوت کے سالانہ اجتماع پر کھانے کے جو دسترخوان بچتے ہیں ان سے حضرت محبوب الہی کے لنگر کی عجیب یاد تازہ ہوتی ہے۔

حضرت محبوب الہی کی جو دو سخا اور اہل دنیا سے بے نیازی

آپ کی خانقاہ میں مطبخ ہمیشہ گرم رہتا۔ کئی ہزار فقراء و مساکین روزانہ کھانا کھاتے تھے۔ مگر آپ کا اپنا یہ حال تھا کہ جب تمام مہمان کھانا کھا لیتے تو سب سے آخر میں آپ آدمی یا

زیادہ سے زیادہ ایک روٹی سبزی یا تلخ کر لیلے سے کھاتے۔ آپ کے شیخ حضرت ہابا فرید الدین نے انہیں اسی پر لگایا تھا اور یہ بات فتوحات کے اس دور میں بھی آپ کے سامنے رہتی تھی۔
ایسی حالت میں جب کہ ہزاروں بندگان خدا سڑکوں پر بھوکے پڑے ہیں، میں عمدہ اور لذیذ کھانے کھا کر ان کو کیونکر بھول سکتا ہوں۔

تاہم آپ نے ایک دن حضرت شاہ نظام الدین کو حالت بدلنے کی یہ خبر بھی دی تھی۔ ”نظام میں نے تیرے لئے دنیا کی ایک کافی مقدار خداوند کریم سے طلب کی ہے۔“
حضرت محبوب الہی فرماتے ہیں میں یہ سن کر سر سے پاؤں تک لرز گیا لیکن اس کے ساتھ ہی حضرت ہابا صاحب نے کہا:-

”تم خاطر جمع رکھو دنیا تمہارے لیے فتنہ نہ ہوگی“
میں یہ سن کر بہت خوش ہوا اور سجدہ شکر بجالایا۔

دنیا آپ کے سامنے ایک تمثیلی پیرائے میں

دنیا حضرت محبوب الہی کے سامنے کئی تمثیلی پیرایوں میں ظاہر ہوئی۔ آپ نے اسے ایک خادمہ کے پیرائے میں بھی دیکھا وہ آپ کے گھر جھاڑو دے رہی تھی، آپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں دنیا ہوں۔ آپ نے اسے سختی سے باہر نکالا۔ ایک دفعہ دنیا سنہری سانپوں کی شکل میں آپ کے سامنے آئی، آپ نے ان پر اپنی پگڑی ڈال دی اور وہ سانپ سونے کے ٹکڑے بن گئے، آپ نے اپنی پگڑی اٹھالی اور سونے کا ڈھیر وہیں اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔ یہ آپ کے بچپن کا واقعہ ہے۔ آپ کو اسی وقت یہ بات سمجھا دی گئی تھی کہ سونے کی حقیقت سانپ کی ہے اہل ولایت کے سامنے ان کا ڈنگ جاتا رہتا ہے۔

شاہان سلطنت شاہان تصوف کی دلہیز پر

شاہان تصوف کے ہاں ایک غریب کو تو یہ حق حاصل تھا کہ وہ جب چاہے ان کی مجلس میں جا بیٹھے لیکن وہ بادشاہوں کو اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ بے تکلف آپ کی مجلس میں آئیں۔

سلطان جلال الدین خلجی کو حضرت شاہ نظام الدین اولیاء سے ملنے کی بڑی تمنا رہی لیکن آپ نے اسے ملاقات کا موقع نہ دیا البتہ اس کے بیٹوں خضر خاں اور شادی خاں کو حضرت نے بیعت بھی فرمایا۔ ہاں آپ سلطان علاؤ الدین کے لیے غائبانہ دعا کر دیتے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کی بھی بڑی تمنا رہی کہ کسی طرح محبوب الہی سے ملاقات ہو جائے مگر حضرت نے ہمیشہ گریز کیا۔ معز الدین کی قیادت کو بھی آپ سے بڑی عقیدت تھی مگر اسے بھی آپ نے اپنی خانقاہ میں آنے کی اجازت نہ دی۔

حضرت محبوب الہی کی مسند رشد و ہدایت

۱۔ اشراق کی نماز کے بعد آپ اپنی مسند پر جا بیٹھتے۔ صوفیہ کرام اور فقراء کا ایک بڑا مجمع ہوتا، آپ اس میں سلوک و طریقت کے مسائل بیان کرتے تھے۔ دوسری طرف مجلس ظہر سے لے کر عصر تک ہوتی، یہ مجلس زیادہ تر علمی ہوتی، اس میں طلبہ اور علماء حضرات شریک ہوتے، ہر شخص محسوس کرتا کہ الہامی علوم بیان ہو رہے ہیں۔

۳۔ آپ نے فرمایا علم کتابی ہے اور عقل فطری، علم سے انسان لوگوں میں عزت پاتا ہے اور عمل سے اللہ رب العزت کے ہاں۔ علم نہ ہو تو انسان عقل کی فطری رہنمائی سے آنکھ بند نہ کرے۔

۴۔ آپ نے فرمایا: سالک میں چار چیزوں سے کمال پیدا ہوتا ہے:-

۱۔ کم کھانے سے، ۲۔ کم بولنے سے،

۳۔ کم سونے سے، ۴۔ اختلاط کم رکھنے سے۔

۵۔ اگر کوئی شخص کسی مقام سے گرے تو شرع سے تو نہ گرے اگر کسی مرحلے میں شریعت سے گرا تو پھر اس کے لیے کوئی ٹھکانہ نہیں۔

۶۔ سماع چند شرطوں سے جائز سمجھا جائے:

۱۔ سنانے والا مرد ہو، لڑکا یا عورت نہ ہو۔

۲۔ جو کلام سنا جائے وہ لغویات اور خلاف شرع امور سے پاک ہو۔

۳۔ جو سنے خدا کی محبت میں سنے، اس کا قرب پانے کے لیے سنے۔

۴۔ اشعار کے ساتھ گانے کے آلات نہ ہوں نہ ان میں گانے کا پیرا یہ ہو۔

۷۔ آپ کے خلفاء میں چراغ دہلی حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ، حضرت امیر خسرو، حضرت شیخ حسام الدین، حضرت شیخ برہان الدین اور شیخ شمس الدین زیادہ معروف ہیں۔

عمال سلطنت میں آپ کا اثر و فیض

۱۔ آپ کی عبادت اور صحت معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہونے لگی۔

۲۔ مساجد میں نمازیوں کے ہجوم اس طرح ہونے لگے جس طرح آج کل دعوت کی محنت سے تبلیغی مسجدیں اجتماع میں تبلیغی نمازیوں سے بھر پور ہوتی ہیں۔

۳۔ سلطان علاؤ الدین خلجی نے تمام نشہ آور چیزوں اور فسق و فجور کے سامان کو سختی سے روک رکھا تھا۔

۴۔ ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے۔

۵۔ آپ کے خلیفہ خواجہ برہان الدین غریب نے دکن میں اور شیخ شرف الدین یوٹی قلندر نے پانی پت میں ہزاروں طالبین کو داخل دائرہ اسلام کیا۔ یہ محبت الہی کا جذب تھا جس سے غیر مسلم اسلام میں کھچے چلے آتے تھے۔

وفات سے کچھ دن پہلے حضور اکرم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا ”نظام الدین تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ او کما قال النبی ﷺ۔ آپ نے وہ عصا اور خرقہ جو حضرت بابا صاحب نے آپ کو بھیجا تھا اپنے خلیفہ خواجہ نصیر الدین چراغ کو دیا آپ کو دہلی رہنے کا حکم دیا۔ لوگوں کی سختیاں برداشت کرنے کی تعلیم دی۔ صبح کی نماز پڑھی اور جب سورج طلوع ہو رہا تھا آپ سے رویم سے رویم کہتے ہوئے ۱۸ ربیع الاول ۷۳۵ھ کو اس دنیا سے الوداع ہوئے۔

(۶) چراغ دہلی حضرت شیخ محمد نصیر الدین (۷۷۷ھ)

حسینی سادات میں سے تھے والد کا نام سید یحییٰ اور دادا کا نام سید عبداللطیف تھا۔ دادا خراسان سے ہندوستان آئے اور لاہور میں مقیم ہوئے، لاہور سے پھر اودھ چلے گئے اور اسی کو اپنا وطن بنایا۔ آپ اودھ میں پیدا ہوئے تھے، نو سال کی عمر تھی کہ یتیم ہو گئے اور آپ کی تعلیم و تربیت سب آپ کی والدہ نے کی۔ آپ کے اساتذہ میں یہ نام اہم ہیں۔

۱۔ قاضی محمد الدین کاشانی، ۲۔ علامہ عبدالکریم شیردانی، ۳۔ مولانا افتخار الدین گیلانی۔

بچپن میں ہی خلوت گزریں تھے زیادہ جنگلوں میں رہے اور مختلف جنگلوں میں رہے، مختلف درویشوں سے ملاقات ہوتی اور زیادہ وقت ان کے ساتھ ہی گزارا۔ عمر چالیس سال سے تجاوز تھی کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بیعت کا

شرف حاصل کیا اور تھوڑے سے عرصہ میں علم باطن کی بھی تکمیل کرنی۔
تاہم آپ لوگوں کے کثرت اختلاط سے پریشان ہوتے تھے آپ نے امیر خسرو
سے کہا کہ مجھے حضرت سے کسی ویرانے میں رہنے کی اجازت لے دیں۔ آپ نے اجازت نہ
دی اور امیر خسرو سے فرمایا:

اسے کہہ دو کہ تجھے مخلوق خدا کے درمیان میں ہی رہنا چاہئے اور لوگوں کے ظلم و ستم
برداشت کرنے چاہئیں۔ کچھ عرصہ شیخ کی خدمت میں رہے اس کے بعد آپ واپس اودھ چلے
گئے۔ آپ اپنے علم و عرفان میں پورے دہلی کا چراغ تھے آپ کی ذات شریعت و طریقت کا
حسین امتزاج تھا اور فقر و صبر اور رضا و تسلیم آپ کا درویشی مشرب تھا۔ آپ کی مجالس میں
زیادہ قرآن کریم اور حدیث کا ذکر رہتا۔ ایک دفعہ فرمایا:

”لوگوں نے قرآن کریم اور حدیث شریف کو عملاً چھوڑ دیا ہے۔ اس
لیے خراب و پریشان ہیں۔“

آپ اس مجلس سماع میں نہ بیٹھتے تھے جہاں مزا میر ساتھ ہوں فرمایا یہ طریق سنت
کے خلاف ہے۔ آپ کی یہ بات حضرت شاہ نظام الدین اولیاء تک پہنچائی گئی۔ آپ نے کہا
حق وہی ہے جو آپ فرماتے ہیں۔

حضرت چراغ دہلی کے ارشادات

۱۔ جب کوئی طریقت میں داخل ہو تو اسے چاہیے کہ (۱) آستین چھوٹی کرے
(۲) دامن کو تھوڑا اونچا کرے اور (۳) اپنے سر کو منڈا دے۔

آستین چھوٹی کرنے سے مراد یہ ہے کہ اب اپنا ہاتھ وہ مخلوق کے سامنے نہ پھیلائے
گا، دامن اونچا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اب اس کا سر جہاں کہیں معصیت ہوگی وہاں کسی کے
ہاں نہ جھکے گا اور سر منڈانے سے مراد یہ ہے کہ اب اس نے راہ محبت میں اپنا سر کاٹ دیا ہے۔

۲۔ ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد دو چیزیں ہیں (۱) ایک یہ کہ خدا اور اس کے
رسول نے جو فرمایا اس کی متابعت کرے اور دوسری یہ کہ (۲) جس سے منع کیا اسے چھوڑ دے۔

ما اتاکم الرسول فخلوہ و ما نہاکم عنہ فانتہوا

(پ: ۲۸، الحشر: ۵۹)

۳۔ ایک مرید کے لیے تین طرح کا غسل ضروری ہے۔ (۱) غسل شریعت (جسم

سے ناپاکی کو دور کرنا)، (۲) غسل طریقت (خلوت کو اختیار کرنا)، (۳) غسل حقیقت (توبہ باطن کہ اندر کوئی ناپاکی نہ رہے)۔

جلوت سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا

ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

۴۔ قرآن کریم کی تلاوت میں دو فائدے ہیں:۔ (۱) آنکھوں کی بینائی کبھی کم

نہیں ہوتی۔ (۲) قرآن پڑھنے والا ہمیشہ امراض چشم سے محفوظ رہتا ہے۔

۵۔ سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ آدمی کسی کے دل کو راحت پہنچائے کسی کو

آزردہ دل نہ کرے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

۶۔ اگر کوئی طریقت سے گرے تو کم از کم شریعت میں تو رہے اگر وہ یہاں بھی نہ رہا

تو کہاں جائے گا اور کس طرح نجات پائے گا۔

۷۔ (ایک دفعہ سلطان محمد تغلق نے آپ کو سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا دیا)

آپ نے برتن سے کھانا نکال کر اپنے ہاتھ پر رکھا اور پھر اسے کھایا، سونے چاندی کے برتنوں

میں نہ کھایا اور بادشاہ سے وعدے کا انکار کر کے اس کی مخالفت بھی نہ لی ارشاد نبوت کی تعظیم

اپنی جگہ قائم رکھی۔

الذی یاکل ویشرب فی آنیۃ الذهب والفضۃ انما یجرجر

فی بطنہ نار جہنم

ترجمہ: جو شخص سونے چاندی کے برتنوں میں کھاتا ہے اور پیتا ہے وہ اپنے

پیٹ میں جہنم کی آگ بھڑکاتا ہے او کما قال النبیؐ رواہ مسلم۔

حضرت چراغ دہلی اپنے مرشد حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی طرح زندگی بھر مجرد

سے رہے، یہ اس لیے نہیں کہ آپ اس میں رضا الہی سمجھتے تھے بلکہ اس لئے کہ اہل وعیال کے

ساتھ شاید آپ اپنی طریقت کی ان ذمہ داریوں کو نبھانہ سکیں اور آپ کی وجہ سے کوئی خاتون

پریشان حال رہے۔

آپ نے اپنا جائشیں کسی کو مقرر نہ کیا۔ وصیت فرمائی کہ حضرت محبوب الہی کا عطا

کردہ خرقة میرے سینے پر، اور آپ کا عصا میرے پہلو میں اور آپ کی چوٹی لعلین میری بغل میں رکھ دینا۔ حضرت خواجہ گیسو دراز (۸۲۵ھ) نے آپ کو غسل دیا اور آپ کی اس وصیت پر اسی طرح عمل کیا گیا جس طرح آپ نے فرمایا تھا۔ ۱۰ رمضان ۷۷۷ھ شب جمعہ کو یہ آفتاب علم و عرفان غروب ہو گیا۔ آپ کی وفات سے وہ سلسلہ خواجگان چشت جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجیری سے ایک تسلسل کے ساتھ چلا تھا اپنے اختتام کو پہنچا۔ اب آپ کے بعد متعدد سلسلے چلے لیکن یہ چراغِ دہلی اپنے مرشد کا خرقة اپنے ساتھ ہی کفن میں لے کر چلے گئے۔

چشتی سلسلہ کے اس دور کے تین اور نامور بزرگ

حضرت بابا فرید الدین گنج شکر سے خواجگان چشتیہ آگے دو لائٹوں میں چلے (۱) حضرت علی احمد کی لائن میں شیخ شمس الدین ترک پانی پتی (۷۶۵ھ) اور حضرت امیر خسرو دہلوی (۷۸۶ھ)، اور حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی لائن میں حضرت نصیر الدین چراغ دہلی (۷۵۷ھ)، شاہ محمد اشرف جہانگیر سمنانی (۸۰۸ھ) یہ نو حضرات ہوئے۔ سید السادات حضرت شیخ گیسو دراز (۸۲۵ھ) اس سلسلے کے دسویں بزرگ ہیں۔ انہوں نے چراغ دہلی شیخ نصیر الدین کو آخری غسل دیا۔ پہلے چھ بزرگوں کے ساتھ ہم ان چار بزرگوں کا بھی یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔ تک عشرۃ کاملتہ۔ یہ دس حضرات سلسلہ چشتیہ کے دور اول کے اساطین ہیں۔ اس امت کے دوسرے ہزار سال میں اس سلسلہ میں کون کون بزرگ زیادہ نامور ہوئے۔ ان کا ذکر ہم انشاء اللہ العزیز دوسرے ہزار سال کے بزرگوں میں کریں گے۔ واللہ هو الموفق والمعین۔

(۷) خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی (۷۶۵ھ)

آپ ترکستان کے سادات میں سے تھے۔ والد کا نام خواجہ احمد یسوی تھا۔ خواجہ شمس الدین نے علم شریعت حاصل کرنے کے بعد راہ سلوک میں قدم رکھا اور اللہ والوں کی طلب میں ہندوستان کا رخ کیا اور پاک تپن میں حضرت بابا صاحب سے ملے کچھ روحانی تربیت کے بعد حضرت بابا صاحب کے حکم سے کلیر پنچے اور وہیں حضرت علی احمد سے بیعت کی۔ آپ نے انہیں اپنا فرزند قرار دیا اور انہیں کہا:۔

شمس الدین تو میرا بیٹا ہے میں نے خدا سے التجا کی ہے کہ ہمارا یہ سلسلہ تمہارے ذریعہ سے جاری ہو اور قیامت تک جاری رہے۔

(تذکرۃ الاولیاء ص: ۱۶۷)

آپ نے یہ کہا اور اپنی ترکی کلاہ ان کے سر پر رکھ دی۔ حضرت خواجہ شمس الدین ترک پھر گیارہ سال حضرت کی خدمت میں رہے۔ شیخ نے اب آپ کو پانی پت جانے کا حکم دیا کہ وہاں جا کر لوگوں کو خدا کا نام بتائیں اور اس کی راہ پر لائیں۔

آپ ہندوستان تو چلے آئے لیکن شیخ بن کر بیٹنے کی آپ نے ہمت نہ کی اور سلطان غیاث الدین بلبن کی فوج میں دہلی میں ملازمت کر لی۔ ایک قلعہ کی فتح کے دوران سلطان پر آپ کا روحانی مقام کھل گیا۔ بادشاہ نے آپ سے معذرت کی اور کہا۔

”یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ جیسے بزرگ میرے عہد میں موجود ہیں لیکن ہزار افسوس کہ میں ابھی تک قلعہ چتوڑ فتح نہیں کر سکا۔“

حضرت نے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا کہ اسی وقت حملہ کیا جائے خدا نے چاہا تو فتح ہوگی۔ غیاث الدین بلبن نے ایسا ہی کیا اور قلعہ معاف ہو گیا۔ اپنا روحانی مقام کھل جانے کے باعث آپ اب فوج میں نہ رہ پائے اور حسب ارشاد مرشد اب پانی پت کا رخ کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جس میں بوعلی قلندر بھی وہاں موجود تھے۔ شیخ بوعلی قلندر، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے ان کے والد ۴۰۰ھ میں عراق سے ہندوستان آئے تھے۔ شیخ بوعلی قلندر نے ۷۲۳ھ میں وفات پائی۔

حضرت خواجہ شمس الدین ترک نے ایک دودھ بھرا پیالہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس پر گلاب کا پھول رکھا اور دودھ گرنے نہ پایا۔ خادم نے پھر وہ پیالہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس میں آپ نے حضرت خواجہ شمس الدین کو یقین دلایا تھا کہ آپ کی روحانی سلطنت میں میری وجہ سے کوئی تخفیف نہ آئے گی۔ میں آپ کے ساتھ پانی پت میں گلاب کے پھول کی طرح رہوں گا جس کا پھیلاؤ پہلے دودھ کو کہیں نہ گرائے۔ حضرت بوعلی قلندر حضرت شاہ نظام الدین اولیاء سے نسبت رکھتے تھے۔

خواجہ شمس الدین ترک کے بڑے خلفاء میں کبیر الاولیاء شیخ جلال الدین پانی پتی

(۷۶۵ھ) بھی ہوئے۔

(۸) حضرت امیر خسرو (۷۷۸ھ)

ابو الحسن نام اور خسرو حطیس تھا۔ والد کا نام سیف الدین لاجپن تھا اور وہ بلخ کے رہنے والے تھے، آپ کے نانا کا نام عماد الملک تھا۔ سلطان اتش کے دور میں ہندوستان آئے اور ضلع لہہ میں موضع پٹیالی میں خیمہ زن ہوئے محبوب الہی حضرت شاہ نظام الدین اولیاء سے سلوک کی منزلیں طے کیں، شعر و ادب میں بڑا اونچا مقام پایا، ملک الشعراء کہلائے۔ اہل ایران نے ہند میں سے صرف ان کی فارسی دانی کا سکھانا ہے۔ عبادت و ریاضت سے آپ کو غیر معمولی لگاؤ تھا۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی اس شہادت کے بعد اور کسی شہادت کی ضرورت نہیں رہتی۔ آپ فرماتے ہیں۔

”قیامت کے روز اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ آخرت میں تو اپنے لیے کیا لایا ہے تو میں عرض کروں گا کہ اس ترک (امیر خسرو) کے سینے کی سوزش لایا ہوں۔“

اپنے مرشد سے والہانہ محبت کا عجیب واقعہ

حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی وفات کے وقت آپ سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ بنگال گئے ہوئے تھے۔ آپ بے تاب ہو کر دہلی دوڑے اور آتے ہی شیخ کے حزار پر آگرے۔ ایک بیچ کی آواز آئی آپ نے کہا۔

”عجب ہے کہ آفتاب زمین میں چھپ جائے اور خسرو زندہ رہے۔“

آپ پھر دنیا میں اتنا ہی زندہ رہے جتنا عرصہ حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء حضور اکرم ﷺ کے بعد دنیا میں زندہ رہی تھیں۔ ۸ شوال ۷۷۸ھ میں آپ نے وفات پائی۔ حضرت محبوب الہی نے ایک درویش کو اپنی جوتیاں دی تھیں وہ درویش کہیں آپ کے پاس سے گزرا آپ نے اسے کہا مجھے تجھ سے اپنے مرشد کی خوشبو آ رہی ہے۔ پھر آپ نے اس سے وہ جوتیاں پانچ لاکھ روپے میں خریدیں اور انہیں سر پر رکھ کر عجیب جذب و کیفیت سے چلے۔ یہ رقم بادشاہ نے آپ کو ایک قصیدہ کے صلہ میں دی تھی۔

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

(۹) شیخ محمد اشرف جہانگیر سمنانی (۸۰۸ھ)

تاریخ اسلام کئی ایسے لوگوں کا بھی پتہ دیتی ہے جنہوں نے خدا کی لگن میں تاج و تخت کو چھوڑا اور آخرت کی فکر دنیا کی ہر فکر سے مقدم رکھی۔ ان میں عراق کے حضرت سید محمد اشرف سمنانی بھی ہیں جو حضرت خضر کے ارشاد پر وارد دیار ہند ہوئے اور بخارا اور سمرقند سے ہوتے ہوئے اوج (ملتان) وارد ہوئے۔ آپ کے والد محمد ابراہیم سمنان کے سلطان تھے۔ والد کی وفات کے بعد آپ والی سلطنت ہوئے آپ کے حالات لطائف اشرفی ایک مستقل کتاب میں دو جلدوں میں ۱۲۹۵ھ میں نصرت المطالع دہلی سے شائع ہوئے۔ یہ آپ کے حالات، آپ کے کمالات اور آپ کی کرامات کا ایک قیمتی مجموعہ ہے۔

آپ نے سلطنت سمنان اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کی اور اوج میں حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیاں کی خدمت میں حاضری دی، آپ نے انہیں کہا کہ حضرت شیخ علاؤ الدین چشتی تمہارے منتظر ہیں دیکھنا کہیں رستے میں نہ رک جانا۔ حضرت شیخ، حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ شیخ سراج الدین کے خلیفہ تھے۔

حضرت سید محمد اشرف سمنانی نے مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے اوج میں بھی پورا روحانی فیض پایا اور پھر دہلی حاضر ہوئے یہاں کے بہت سے اہل کمال سے ملاقات کی وہاں سے صوبہ بہار میں آئے یہاں حضرت شرف الدین صیری کا جنازہ پڑھایا کچھ دن آپ ان کے حزار پر بھی مراقبہ میں رہے اور پھر آپ نے بنگال کا رخ کیا اور پنڈرہ (ایک گاؤں) کے قریب حضرت شیخ علاؤ الدین آپ کے استقبال کے لیے نکلے، آپ نے وہیں ان سے بیعت کی اور ان کے حضور بارہ سال تک وادی سلوک میں رہے آپ کو جہانگیر کا لقب بھی حضرت شیخ نے دیا اور آپ نے سلسلہ چشتی میں خلافت بھی ان سے پائی، اوج میں بھی آپ نے حضرت مخدوم جہانیاں سے بہت روحانی کمالات حاصل کئے تھے۔ اب حضرت شیخ علاؤ الدین نے آپ کو جو پنور جانے اور وہاں کی آبادیوں کو سلوک و احسان کی راہوں کی تلقین و تربیت کا حکم فرمایا۔ آپ خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی سے اکتساب فیض کے لیے ماوراء النہر بھی گئے اور ان سے بھی عظیم روحانی فیض پایا۔

حضرت شیخ کبیر سرور پوری اور قاضی شہاب الدین جیسے بڑے بڑے حضرات بھی آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کی خلافت پائی۔ قاضی شہاب الدین کو آپ نے ہی ملک

العلماء کا خطاب دیا تھا، آپ خود بھی اپنے وقت کے ایک بڑے جلیل القدر عالم تھے۔
 آپ اودھ بھی گئے اودھ کے حاکم نواب سیف اللہ خاں کو بھی اپنے حلقے میں جگہ
 دی، اس لئے آپ سے فرقہ خلافت پایا، اودھ کے نامدار عالم شیخ شمس العلماء نے بھی آپ سے
 خلافت پائی۔ آپ بنارس بھی گئے اور وہاں ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد کو حلقہ بگوش اسلام فرمایا۔
 آپ اپنے اہل اقتدار متوسلین کو سورہ مجادلہ کی تلاوت کی تلقین کرتے۔ سلطان
 ابراہیم شاہ شرعی آپ کا مرید تھا اس نے نفاذ شریعت کے لیے فتاویٰ ابراہیم شاہی مرتب
 کرایا۔ یہ عظیم خدمت ملک العلماء قاضی شہاب الدین نے سرانجام دی۔ آپ نے سید
 عبدالرزاق السلقب بہ نور العین کو اپنا جانشین بنایا اور وفات کے وقت اپنے بزرگان چشت
 کے تبرکات ان کے سپرد کیے۔

حضرت سید محمد اشرف سمنانی کی تعلیمات

آپ نے فرمایا:

کوئی شخص اس وقت تک ولی نہیں بن سکتا جب تک وہ ظاہراً، باطناً، قولاً، فعلاً،
 اعتقاداً اور حالاً شریعت کا پابند نہ ہو۔ آپ کی تعلیمات (۱) بشارات المریدین، (۲) مکتوبات
 اشرفی اور (۳) لطائف اشرفی میں بڑی تفصیل سے ملتی ہیں۔ آپ نے اپنے عقیدہ توحید کو
 بڑے بسط سے بیان فرمایا ہے اور اس کی اس طرح مختلف پہلوؤں سے تفصیل کی ہے۔

۱۔ توحید ایمانی، ۲۔ توحید علمی،

۳۔ توحید رسمی، ۴۔ توحید حالی۔

۱۔ توحید ایمانی

قرآن پاک اور حضور کے ارشادات کو صدق دل سے حق جاننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ
 ساری کائنات کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہے۔ تصدیق رسالت ہر بات میں ہو اس سے
 طالب کو توحید ایمانی میسر آتی ہے۔

۲۔ توحید علمی

اپنے ادراک باطن سے توحید ایمانی کو درجہ یقین میں لانا کہ پوری کائنات میں
 ایک اللہ کے سوا کوئی موجود حقیقی اور موثر مطلق نہیں ہے۔ یہ مرتبہ توحید مراقبہ سے ملتا ہے اور

توحید ایمانی توحید برہانی میں آجاتی ہے

۳۔ توحید رسمی

مطالعہ کائنات سے اپنی ذہانت سے اس نتیجہ پر پہنچنا کہ ساری دنیا کا پیدا کرنے والا صرف ایک ہے۔ یہ توحید رسمی کسی کو کوئی فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ طالب اس عقیدہ کو رسالت کی راہ سے نہ پائے ہاں توحید ایمانی پا چکا ہو تو یہ مطالعہ کائنات بھی اہل دانش کو بہت فائدہ دیتا ہے۔

۴۔ توحید حالی

یہ سالک کا اپنے خالق اور مالک کے درمیان میں اس درجہ ڈوب جانا ہے کہ اسے اس کی ذات و صفات کے سوا کچھ بھی نظر نہ آئے اس میں سالک کے اپنے لوازم بشریت سب فنا ہو جاتے ہیں۔

یہ مرتبہ مومن کورات کے اندھیروں میں خدا کے ذکر اور کثرت نوافل سے ملتا ہے اس میں سالک کا نصیب کبھی اتنی مقبولیت بھی پالیتا ہے کہ خدا خود اس کا کان ہو جائے جن کانوں سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جائے جس آنکھ سے وہ دیکھتا ہے اس کا ہاتھ ہو جائے جس سے وہ کوئی چیز پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں ہو جائے جس سے وہ چلتا ہے۔

(دیکھئے صحیح بخاری جلد: ۱، ص)

اس مقام پر اگر اسے ملی الارض جیسی کرامتیں نصیب ہو جائیں تو یہ کوئی محل تعجب نہیں، اب وہ سالک اپنی ذات سے باقی نہیں رہ العزت کے ارادہ سے حالی ہے۔

پیر و مرید کے اپنے اپنے آداب

حضرت شیخ سمنانی کے ہاں شیخ اور طالب کے اپنے اپنے آداب ہیں اور انہی سے وہ سلوک و احسان میں کسی درجے تک پہنچتا ہے۔ لطائف اشرفی میں اس کی پوری تفصیل دی گئی ہے۔

شیخ کے آداب تربیت

۱۔ مرید کی استعداد اس کی نظر میں ہو یعنی اس کی انفرادی صلاحیت اور قابلیت کو پیش نظر رکھ کر وہ راہ سلوک میں اس کی تربیت کرتا ہو۔

۲۔ وہ مرید کے مال و متاع سے استفادہ کرنے کی لالچ سے بالکل پاک ہو۔ (ج: ۱، ص: ۱۸۵)

۳۔ وہ صاحبِ ایثار ہو۔ (ج: ۱، ص: ۱۸۶)

۴۔ اس کے فعل اور قول میں مطابقت ہو۔ (ج: ۱، ص: ۱۸۸)

۵۔ وہ کمزوروں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہو۔ (ج: ۱، ص: ۱۸۹)

۶۔ اس کی گفتگو نفسانیت کے شائبہ سے پاک ہو۔ (ج: ۱، ص: ۱۹۰)

۷۔ وہ کنایہ میں گفتگو کرتا ہو اور تصریح سے اجتناب کرتا ہو۔

(ج: ۱، ص: ۱۹۱)

۸۔ اس کے احوال کا غلبہ اس کے اعمال صالح میں مانع نہ ہو۔

(ج: ۱، ص: ۱۹۳)

۹۔ وہ اپنے مرید سے تعظیم کی توقع نہ رکھتا ہو۔ (ج: ۱، ص: ۱۹۶)

۱۰۔ وہ مرید سے نہ زیادہ قریب ہو اور نہ زیادہ دور۔ (ج: ۱، ص: ۱۹۸)

اب جو پیر اپنے مریدوں سے چاہیں کہ جب وہ آئیں تو مرید ان کی تعظیم میں کھڑے ہو جائیں اور ہر آمد پر پیروں کی یہی شان استقبال رہے ظاہر ہے کہ وہ پیر جو اپنے اہل و عیال کا خرچہ بھی ان پر ڈالیں، بزرگوں کے طریقہ پر نہیں ہیں۔

اب مرید کے آداب بھی ان پہلے بزرگوں کے ارشادات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ وہ شیخ کی محبت کو اپنے لیے فتحِ الباب سمجھتا ہو۔ (ج: ۱، ص: ۲۰۰)

۲۔ وہ شیخ سے تسلیم و رضا کا تعلق رکھتا ہو۔ (ج: ۱، ص: ۲۰۱)

۳۔ دنیا اور آخرت کا کوئی کام شیخ کی اجازت کے بغیر نہ کرتا ہو۔

(ج: ۱، ص: ۲۰۲)

۴۔ شیخ کی جگہ پر نہ بیٹھتا ہو۔ (ج: ۱، ص: ۲۰۳)

۵۔ اپنے خواب اور بیداری کے واقعات میں شیخ سے رجوع کرتا ہو۔

(ج: ۱، ص: ۲۰۴)

۶۔ شیخ کی محبت میں بلند آواز سے گفتگو نہ کرتا ہو۔ (ج: ۱، ص: ۲۰۵)

۷۔ شیخ سے کسی موقع پر بھی کوئی بات دلیرانہ طریقہ پر نہ پوچھتا ہو اور نہ

کہتا ہو۔ (ج: ۱، ص: ۲۰۶)

۸۔ شیخ جس چیز کو مخفی رکھتا ہو اس کو افشاء نہ کرتا ہو۔ (ج: ۱، ص: ۲۰۶)

۹۔ شیخ سے اپنے اسرار بیان کر دیتا ہو۔ (ج: ۱، ص: ۲۰۹)

۱۰۔ شیخ کی کوئی بات نقل کرتا ہو تو اپنے فہم کا خیال رکھتا ہو۔

(ج: ۱، ص: ۲۱۰)

حضرت شیخ سنائی یہ بھی فرماتے ہیں کہ شیخ میں حسب ذیل اوصاف ہونے چاہئیں:-

۱۔ اس میں خاص قسم کی عبدیت ہو،

۲۔ اس کو خدا سے براہ راست حقائق حاصل ہوں،

۳۔ اس پر خاص قسم کی رحمت مقام عبدیت کی (یعنی قربت) ہو،

۴۔ علوم کی تعلیم خدا سے حاصل کی ہو،

۵۔ علم لدنی کی دولت سے مالا مال ہو۔ (ج: ۱، ص: ۲۵۵)

پیر کامل کے ہاں مرید صادق کی تعلیم

مرید کی تعلیم دل کی صفائی سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے دل کی تاریکی جتنی کم ہوتی جاتی ہے اتنا ہی زیادہ اس کی روح میں نور پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنی چشم بینا سے دیکھتا ہے تو شروع میں یہ نور سرخ معلوم ہوتا ہے پھر دل کی صفائی کی زیادتی ہے سفید ہو جاتا ہے آخر میں مزید صفائی سے سبز ہو جاتا ہے اور جب دل بالکل صاف ہو جاتا ہے تو یہ نور آفتاب کی مانند چمک اٹھتا ہے اور اس پر مشکل سے نظر جمتی ہے اور جب اس نور کا عکس نور روح پر پڑتا ہے تو دل اور روح کے سارے تجاہات نظر سے دور ہو جاتے ہیں، پھر ایسے نور کا شہود ہوتا ہے جس میں نہ رنگ ہے نہ کیفیت، نہ حد ہے نہ مثل، نہ جملین ہے نہ ممکن اور اس کے لیے نہ طلوع ہے نہ غروب، نہ تحت ہے نہ فوق، نہ مکان ہے نہ زمان، نہ قرب ہے نہ بُعد اور نہ عرش ہے نہ فرش۔ یہ منزل ذکر اور فکر سے طے ہوتی ہے ذکر و فکر کی پہلی شرط توبہ ہے۔

توبہ سے کیا مراد ہے؟

توبہ سے مراد افعال ناپسندیدہ یعنی غل و غش، حسد، نفاق، کذب، بخل، حرص، طمع، غضب، تلبیس، ریا، بہتان اور غیبت وغیرہ سے قطعی اعراض ہے (ج: ۲، ص: ۱۵۰)۔ پھر توبہ

کے ساتھ شریعت کی ساری پابندیوں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد کو لازمی قرار دیا ہے البتہ ان چیزوں میں ایک عامی مسلمان اور ایک سالک کی پابندی میں جو فرق ہے اس کو بہت واضح طور پر بتایا ہے۔

شریعت طریقت کے آئینہ میں

حضرت علی ہجویری نے کشف المحجوب میں عبادات ظاہرہ سے جس طرح پردے اٹھائے ہیں اور بحر شریعت کا دوسرا کنارہ طریقت کے پیرائے میں پیش کیا ہے اسے آپ نے پے درپے کشف تجاہات سے تعبیر کیا ہے، یہی کشف المحجوب ہے۔ حضرت شیخ سمنانی بھی اسی طرح اعمال شریعت کے پیچھے طریقت کا آئینہ رکھتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت علی ہجویری سے بہت متاثر ہیں اور آپ سالکین کی تربیت میں اسی طرز پر چلے ہیں۔ محترم سید صباح الدین عبدالرحمن آپ کی تعلیمات طریقت اس طرح بیان کرتے ہیں:-

نماز کے لیے ایک سالک وضو کرتا ہے تو اس لیے کہ:

۱۔ اس کی جسمانی طہارت ہو،

۲۔ اس کی دماغی طہارت یعنی اس کا ذہن ادھام و دساؤں سے پاک ہو،

۳۔ اس کے حواس باطن پاک ہوں،

۴۔ اس کی روح پاک ہو۔

نماز میں خشوع و خضوع ضروری ہے ورنہ اس کی مثال قالب بے جان کی ہوگی۔

نماز میں حسب ذیل چیزوں سے لذت ملتی ہے:-

۱۔ حضور قلب، ۲۔ فہم معانی، ۳۔ تعظیم ماہیت،

۴۔ خوف ورجاء، ۵۔ حیا۔

نماز میں سالک نور کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس کے تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے اس سے اس پر سکر کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

(ج: ۲، ص: ۱۵۶)

سالک روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ حواس ظاہر و باطن کو مغلوب کر کے خود اپنے نفس کو اپنے سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اس طرح اپنے

باطن کو منور کر کے کشف حاصل کرتا ہے۔ (ج: ۲، ص: ۱۵۸)

شریعت کی زکوٰۃ کے علاوہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کا دل ذمائم سے پاک ہو۔ اولیاء و مشائخ علم سلوک کو سمجھائیں۔ مرید کو دل کی صفائی، روح کی تجلی، عشق، محبت، معرفت، قربت اور حقائق و معارف کی تعلیم دیں۔

ایک سالک کا حج یہ ہے کہ وہ احرام باندھتا ہے تو دنیا کے علائق و عوائق سے تجرید حاصل کرتا ہے۔ عرفات میں آتا ہے تو اسرار و معارف سے واقف ہوتا ہے۔ جب مزدلفہ پہنچتا ہے تو اس کی مرادیں پوری ہونی شروع ہوتی ہیں اور جب طواف کرتا ہے تو دل خدا کی طرف گردش کرنے لگتا ہے۔ جب صفا و مروہ میں سعی کے لیے جاتا ہے تو گویا بشری کدورت سے نکل کر ملکوتی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے جب منیٰ آتا ہے تو اس کے خیالات تمام خطروں اور وسوسوں سے پاک ہوتے ہیں، جب قربانی کرتا ہے تو اپنے نفس کے دیوکو ہمیشہ کے لیے ذبح کر دیتا ہے۔ (ج: ۲، ص: ۱۶۳)

حضرت اشرف جہانگیر نے جہاد کے متعلق یہ تعلیم دی ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے مقابلے میں خروج کریں تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا تمام مسلمانوں کا فرض ہے (ج: ۲، ص: ۱۶۵) اور اگر کوئی معذور ہو اور وہ حج کرے اور حج نہ بھی کرے تو جمعہ کی نماز میں شرکت کرے کیونکہ جمعہ کی نماز مسکینوں کا حج ہے۔ رسول ﷺ کی یہی تعلیم ہے۔ اسلام کے ان ارکان کی پابندی کے ساتھ توکل، تسلیم و رضا، جو دو ایثار وغیرہ کی بھی تعلیم دی ہے۔

اگر سالک ان چیزوں کو قبول کرتا ہے جو شریعت کی رو سے حرام ہیں تو وہ عاصی اور فاسق ہے۔ توکل کی علامت یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے کسی سے سوال نہ کیا جائے اور جب غیب سے فتوح آئے تو قبول کر لے اور جب قبول کرے تو اس کو اپنے پاس نہ رکھے۔

ایک سالک کا توکل یہ ہے کہ وہ سمجھے کہ خداوند تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے اور واپس لے لیتا ہے لیکن وہ بہر حال روزی پہنچاتا ہے اس لئے اس کو یقین رکھنا چاہئے کہ روزی اس کے پاس پہنچے گی لیکن اس کا دل روزی

کے عدم وجود کو برابر سمجھے۔ (ج: ۲، ص: ۲۴۲)

خدا کی طرف سے کوئی نعمت ملتی ہو تو وہ خوش رہے لیکن کوئی بلا نازل ہو تو اس سے غمگین نہ ہو یہی تسلیم و رضا ہے لیکن ہر حال میں روزی کے لیے کسب کرنا لازم ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت اشرف جہانگیر کے ملفوظات ملاحظہ ہوں۔

حضرت قدوۃ الکبراء نے فرمایا، اکثر مشائخ ہمیشہ کوئی پیشہ کرتے تھے اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے۔ اگلے مشائخ و علماء بھی پیشے میں مشغول رہتے تھے اور ان کو موجب عزت سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں پیشہ کرنا بدترین خصلت سمجھا جاتا ہے اسی وجہ سے محتاجی اور فقیری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاء کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے۔ لوگوں نے کہا ہے کہ جو لوگ توکل کے آخری درجہ تک نہیں پہنچتے ہیں اگر وہ پیشے میں مشغول رہیں تو ان کے لیے جائز بلکہ لازم ہے۔

(ج: ۲، ص: ۲۴۳)

کسب روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود اور ایثار ہو، وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دے دیتا ہو اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو تو وہ سخی ہے لیکن اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ جواد ہے اور سب کچھ دے کر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہو تو وہ صاحب ایثار ہے۔ (ج: ۲، ص: ۲۴۷)

حضرت اشرف جہانگیر نے ایک سالک کو معاشرتی حیثیت سے بھی اعلیٰ قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کی تلقین کی ہے۔ مثلاً کھانے پینے کے آداب یہ بتائے ہیں:-

زندہ رہنے کے لیے کھانا فرض ہے۔ خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کے لیے کھانا سنت ہے۔ سیر ہو کر کھانا مباح ہے لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے۔

ایک سالک کے لیے کھانے میں چار چیزیں فرض ہیں:-

۱۔ جو چیزیں کھاتا ہو وہ حلال ہوں، ۲۔ کھاتے وقت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ چیز خداوند تعالیٰ کی طرف سے ہے، ۳۔ راضی برضا ہو کر کھاتا ہو،

۴۔ کھانا عبادت و طاعت کے لیے کھاتا ہو۔

اسی طرح اس کے لیے چار چیزیں سنت ہیں:-

۱۔ کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے، ۲۔ کھانا ختم کرنے کے

بعد الحمد للہ کہے، ۳۔ کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ دھوئے،

۴۔ کھانے کے وقت دایاں پاؤں اٹھائے اور بائیں پاؤں گرا دے۔

کھاتے وقت کھانا اس کے سامنے ہو، لقمہ چھوٹا ہو، اس کو خوب چباتا ہو، دوسروں

کے لقمے نہ دیکھتا ہو، کوئی ٹکڑا گر جاتا ہو تو اس کو کھالیتا ہو، انگلیاں چاٹ کر صاف رکھتا ہو، کھانا

سوگھ کر نہ کھاتا ہو۔ (ج: ۲، ص: ۱۸۷)

سالک پر مہمانداری کے یہ فرائض ہیں:-

وہ مہمان کو اپنے لیے باعث برکت سمجھے۔ وہ آئے تو حاضر یا شربت

حاضر کرے، کھانے کے وقت جو موجود ہو مہمان کے سامنے رکھ دے،

اس کی خاطر داری میں اپنے اوپر تکلیف نہ اٹھائے، اگر قدرت ہو تو

حسب طاقت تکلیف اٹھائے اور اعزہ اقربا کو بھی بلائے لیکن ان کو

بلانے میں امیر و غریب کا امتیاز نہ کرے۔ مہمان سے یہ نہ پوچھے کہ

کھانا لایا جائے بلکہ خود کھانا لے آئے۔ کھانے کا آغاز مہمان ہی

کرے، کھانے میں مہمان کو جلد کرنے کی فہمائش نہ کرے، مہمان کے

سامنے بچوں پر غصہ کا اظہار نہ کرے، مہمان کو وضو اور استنجا کرنے کی

جگہ دکھلا دے۔ (ج: ۲، ص: ۱۹۳)

مہمان کو لازم ہے کہ وہ میزبان کے گھر پہنچ کر نفل روزہ نہ رکھے۔ دائیں بائیں نہ

دیکھے ہر چیز کو دیکھتا نہ رہے۔ اس سے دناءت کا اظہار ہوتا ہے اور میزبان یہ سمجھتا ہے کہ وہ ان

چیزوں کا طلب گار ہے۔ (ج: ۲، ص: ۱۹۵) (تذکرہ اولیاء کرام ص: ۳۶۲ ادبستان)

(۱۰) سید السادات شیخ گیسو دراز (۸۲۵ھ)

آپ کا نام محمد اور کنیت ابو اللیث تھی، صدر الدین لقب تھا، والد کا نام یوسف تھا،

لوگ انہیں سید راجہ کہہ کر ذکر کرتے تھے۔ آپ سیدنا حضرت امام حسینؑ کی اولاد میں سے تھے۔

یہ خاندان ہرات میں اقامت گزریں تھا پھر یہ حضرات دہلی آگئے، یہیں ۷۲۱ھ میں ابوالفتح سید گیسو دراز کی ولادت ہوئی۔ دہلی میں آپ نے چراغ دہلی حضرت شاہ نصیر الدین کا اسم گرامی اپنے نانا سے سن رکھا تھا، آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ علم شریعت بھی آپ نے اپنے بزرگوں سے پڑھا تھا۔ آپ نے قرآن کریم کی ان آیات کے جن سے طریقت کے چشمے پھوٹتے ہیں پہلی مختلف تفاسیر سے تفسیری نوٹ یکجا جمع کیے آپ کا یہ الفاظ تفسیر المستقط کے نام سے معروف ہے۔ آپ کی لکھی تفسیر ”المستقط“ لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔

مخدوم محترم بدر طریقت سید انور حسین تیس رقم حضرت مرحوم کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے اس کی نقل حاصل کرنے میں جو محنت شاقہ اٹھائی وہ آپ کا ہی حصہ ہے۔

آپ نے اس کا عکسی فوٹو ۷۳۲ء اور ۱۰۵ صفحات دو جلدوں میں مکتبہ نفاس القرآن لاہور سے شائع کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی ان مساعی جلیلہ کو قبول فرمائے۔

حضرت شاہ نصیر الدین چراغ دہلی نے اپنے شیخ کا عطا کردہ خرقہ اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی تھی اور ساتھ ہی اپنے شیخ کا عطا کردہ عصا اپنے ساتھ قبر میں رکھوایا تھا۔ اس سے تمام تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ آپ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا، یہ صحیح نہیں، خود حضرت محمد ابوالفتح گیسو دراز سے کہا لوگوں سے بیعت لیا کرو۔

آپ نے ہی حضرت چراغ دہلی کو غسل دیا تھا بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے، جس پتنگ پر غسل دیا تھا آپ نے اس کی رسیاں پتنگ سے الگ کر کے اپنی گردن میں ڈال لیں کہ یہ میرا خرقہ ہے۔

(تذکرہ اولیائے پاک و ہند ص: ۱۱۱)

خواجگان چشت کا فیض و کن میں

جس طرح حضرت بابا فرید الدین گنج شکر حضرت شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے یہ روحانی دولت لے کر پاک تہن آئے اور آپ کے فیض الطاف سے پنجاب اور سندھ میں حضرات خواجگان چشت کا فیض پہنچا۔ حضرت خواجہ محمد ابوالفتح گیسو دراز آٹھویں صدی ہجری کے ختم ہوتے ہی دہلی سے نکل پڑے، آپ نے دہلی میں پچاس سال کے قریب دنیا کو خدا کا

نام بتایا تھا اور اس ہائلی نسبت سے آشنا کیا جس کے چراغ کبھی نہیں بجھے۔ اب آپ لوہیں صدی شروع ہوتے ہی ۸۰۱ھ میں دکن کے شہر گلبرگہ میں مقیم ہوئے۔ ان دنوں دکن میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کی حکومت تھی۔ آپ نے یہاں زندگی کے چھبیس ۳۳ سال طالعین و سالکین کو اللہ کا نام بتایا اور اس کا پتہ دیا۔ آپ نے خواجگان چشت میں سب سے لمبی عمر پائی اور ۱۰۳ سال کی عمر میں ۸۲۵ھ میں سفر آخرت پر چلے گئے۔ آپ کے خلفاء میں گوالیار کے مولانا علاؤ الدین، ان کے بیٹے مولانا رکن الدین، مولانا محمد علی سامانی مولف سیر محمدی خاص طور پر معروف ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:-

آپ دکن میں بہت ہی ہر دل عزیز ہوئے ان علاقوں کے رہنے والے ہمیشہ ان کے گرویدہ اور فرمانبردار رہے۔

اور یہ بھی لکھا ہے:-

سرداری، علم اور ولایت آپ کی ذات میں جمع تھے..... اسرار حقیقت جس طرح انہوں نے کھولے وہ انہی کا حصہ ہے۔

علم سے مراد علم شریعت اور ولایت سے مراد علم سلوک ہے خواجگان چشت میں سے کسی نے اتنا علمی ذخیرہ نہیں چھوڑا جو آپ نے سپرد قلم فرمایا۔ سہروردی سلسلہ کے بزرگوں شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) اور شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) کی کتابیں آداب المریدین اور عوارف المعارف تصوف کی قدیم علمی کتابیں تھیں۔ آپ نے ان کی شرحیں لکھیں حدیث کی مشہور کتاب ”مشارق الانوار“ کی بھی شرح لکھی۔ آپ کی تالیفات میں اسماء الاسرار شرح رسالہ قشیر یہ حدائق الانس بھی خاصی معروف ہیں۔

دوسرے کئی چشتی بزرگوں کی طرح آپ بھی سماع کے قائل تھے لیکن شریعت کی پوری پابندی کرتے اور کرتے تھے۔

یہ دور اول کے دس چشتی حضرات کا ذکر ہے اب ہم اس پہلے دور کے کچھ سہروردی حضرات کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔

سہروردی سلسلے کے پہلے بزرگ

سہروردی سلسلے کے پہلے بزرگ عراق سے اٹھے اور پھر ان کا فیض ہندوستان بھی پہنچا اور ان کی اس راہ کی خدمات سے برصغیر پاک و ہند ان حضرات کی روحانی نعمتوں سے مالا مال ہوا۔ اس سلسلہ کے پہلے بزرگوں میں حضرت شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۹۳ھ) اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) اس راہ کی علمی اور تاریخی خدمات میں گویے سبقت لے گئے۔ آج اس موضوع کا کوئی طالب علم ان کی کتابوں سے مستغنی نہیں گودہ سلوک و طریقت کی کسی راہ سے بھی اس وادی میں آیا ہو۔ سہرورد علاقہ بغداد میں ایک گاؤں کا نام ہے ہم یہاں سہروردی سلسلہ کے چند ان بزرگوں کا ذکر کرتے ہیں جو راہ سلوک کی اس محنت کے لیے ہندوستان میں آئے۔ ان میں سرفہرست شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ حمید الدین ناگوری (۶۳۱ھ) ہیں۔ اس سلسلہ کے دوسرے بزرگ بہاؤ الدین زکریا (۶۶۶ھ) اور پھر ان کے بیٹے اور چالیسین صدر الدین عارف (۶۸۴ھ) ہیں۔

شیخ بہاؤ الدین زکریا کے پوتے شیخ ابوالفتح رکن دین (۷۳۵ھ) بھی اس سلسلہ کے نہایت روشن چراغ گزرے ہیں۔ پھر ہندوستان میں اس سلسلہ کے ایک اہم بزرگ شیخ ضیاء الدین نقشبندی (۷۵۱ھ) ہوئے ہیں۔ پہلے ہم دس چشتی حضرات کا مختصر تعارف کراچکے ہیں آئیے اب سہروردی سلسلہ کے دس حضرات کا بھی کچھ تعارف کرا دیں جو سب سے پہلے وارد دیار ہند ہوئے۔ سید جلال الدین مخدوم جہانیاں (۷۸۵ھ) اس سلسلہ میں بہت نامور ہوئے۔ ان حضرات کی محنتوں اور ریاضتوں سے آج برصغیر پاک و ہند کی ایک دنیا احسان اور سیر و سلوک سے آباد ہے۔

(۲) برصغیر پاک و ہند میں سہروردی بزرگوں کا چشمہ ولایت

(۱) حضرت شیخ حمید الدین ناگوری (۶۳۱ھ)

آپ بخارا کے رہنے والے تھے، شہاب الدین غوری کے دور میں بخارا سے ہندوستان آئے ان کے عہد میں دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قطب ولایت تھے، آپ ان کے پاس بھی کافی عرصہ رہے اور ان سے سیر و سلوک کی راہ میں بہت نفع اٹھایا۔ وفات کے بعد آپ انہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

آپ شیخ طریقت حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی مولف عوارف المعارف سے

بیعت اور صاحب خلافت تھے اور آپ میں سہروردی اور چشتی دونوں نسبتیں جمع تھیں۔
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:-

اوجامع بود میان علوم شریعت و طریقت و حقیقت (اخبار الاخیار ص:)
سیر العارفین میں آپ کو علم و وقار کا کوہ قاف اور بحر اسرار کا منبع انوار کہا گیا۔ تاہم
آپ اکثر مشائخ چشتیہ کی طرح محفل سماع کے بھی دلدادہ رہے۔ اس وجہ سے مولانا رکن
الدین سمرقندی جو اس وقت کے نہایت جید عالم تھے، آپ کے خلاف ہو گئے تھے لیکن آپ
اپنی راہ میں عجیب شان بے نیازی سے چلے۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے
حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی آپ کی بہت سی تالیفات کا ذکر کرتے ہیں لیکن
اس وقت آپ کی ایک کتاب طوابع الشمس کا ہی پتہ ملتا ہے۔ اس میں اللہ رب العزت کے
نانوے ناموں کی شرح ہے جو دو جلدوں میں ہے اس میں ہر جگہ اسرار حقیقت کی موجیں اٹھ
رہی ہیں۔

(۲) حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی (۶۶۶ھ)

سہروردی سلسلہ کے پہلے بزرگ جو برصغیر میں مقیم ہوئے شیخ حمید الدین ناگوری
تھے۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے دوسرے بڑے خلیفہ شیخ بہاؤ الدین زکریا ہیں۔
آپ کا مزار ملتان میں مرجع خواص و عوام ہے۔ آپ کے نام سے ملتان میں بہاؤ الدین
یونیورسٹی قائم ہوئی۔ اس نام سے ملتان سے بہاؤ الدین زکریا ٹرین کراچی تک چلتی ہے۔
شیخ بہاؤ الدین کے دادا حضرت کمال الدین شاہ قریشی مکہ معظمہ سے چنگیز خاں کے
دور میں خوارزم آئے اور وہاں سے وہ ملتان آئے۔ یہیں آپ کے والد شیخ وجیہ الدین پیدا
ہوئے۔ ان کی شادی ملتان کے ہی ایک عالم شیخ حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی سے ہوئی
اور اس سے شیخ بہاؤ الدین زکریا پیدا ہوئے۔

حضرت نے دینی تعلیم کہاں پائی؟

قرآن کریم کے حافظ تھے اور سب سے بڑے قاری تھے۔ آپ تعلیم کے لیے خراسان گئے

اور سات سال مختلف علماء کی خدمت میں حاضری دی۔ خراسان سے بخارا گئے، بخارا سے حج کے ارادہ سے حجاز کا رخ کیا، مدینہ میں پانچ سال قیام کیا۔ مدینہ میں مولانا کمال الدین یحییٰ سے حدیث پڑھی پھر بغداد آئے، یہاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور سترہ دن میں خرقہ خلافت پایا۔ شیخ نے ملتان لوٹنے کا حکم دیا اور آپ بحکم شیخ ملتان میں فرودکش ہوئے۔ یہاں آپ نے پورے پنجاب اور سندھ کو اپنی روحانی تجلیات کا مرکز بنایا۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) شیخ بہاؤ الدین زکریا کے بارے میں لکھتے ہیں:-

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا ہندوستان کے بزرگ ترین اولیاء اللہ میں سے تھے، صاحب کرامات اور صاحب مقامات تھے۔ حسینی اور شیخ فخر الدین عراقی جیسے حضرات آپ کے فیض باطنی سے مستفیض ہوئے۔

(اخبارالاکھیار)

آپ کے دور میں ملتان کی سیاسی صورت حال

آپ کے دور میں ناصر الدین قباچہ جو تخت دہلی کی طرف سے ملتان کا حاکم تھا، قطب الدین ایبک کے بعد مرکز دہلی سے علیحدہ ہو گیا اور اس نے سلطان اتش کے مقابل ملتان میں ایک متوازی حکومت قائم کر لی تھی۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کی ہمدردیاں سلطان اتش کے ساتھ رہیں۔ وہ زاہد اور متقی شخص تھا اور فقراء اور اولیاء کا بڑا خدمت گزار تھا۔ آپ نے اس سے ذرا بے رخی نہ کی۔

آپ کی عائلی زندگی

آپ نے دو نکاح کئے۔ پہلی بیوی سے آپ کے جانشین شیخ صدر الدین سہروردی پیدا ہوئے۔ آپ صدر الدین عارف کے نام سے مشہور ہیں۔ دوسری بیوی سے چھ لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ملتان کے قریشی لوگ بیشتر آپ سے ہی نسبت رکھتے ہیں۔ آپ کے خلفاء کرام میں شیخ فخر الدین عراقی، شیخ حسن افغانی، شیخ امیر حسین اور شیخ نجیب الدین سرفہرست ہیں۔

شیخ بہاؤ الدین زکریا کی تعلیمات

آپ فرماتے ہیں:-

- ۱- عبادات و افکار میں شرک اور بدعت سے پرہیز کیا جائے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ بندہ اپنے باطنی احوال کو درست کرے۔
 - ۲- ذکر کو اپنے اوپر لازم کر لو، ذکر ہی سے طالب ذات باری تک پہنچ سکتا ہے۔
 - ۳- محبت ایک ایسی آگ ہے جو تمام میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے۔ اللہ کی محبت ایسی پیدا کر کہ دل کا سب میل کچیل اس سے جل جائے۔
 - ۴- بدن کی سلامتی تموڑا کھانے میں ہے اور روح کی سلامتی گناہ سے دور رہنے میں ہے۔
- دروو میں دین کی سلامتی کا راز

دروو میں بندہ مومن اللہ رب العزت سے حضور اکرم ﷺ کے لیے رحمت مانگتا ہے اس سے دو عقیدے بنتے ہیں:-

- ۱- اللہ کی رحمت بے پایاں ہے، اس کا کوئی نقطہ انتہاء نہیں۔ وہ لامحدود صفات رکھتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ پر کروڑوں رحمتیں فرما کر بھی اللہ کی رحمت کہیں ختم نہیں ہوتی، وہ چاہے تو اتنی رحمتیں اور فرما دے اس کے خزانہ رحمت میں پھر بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہ عقیدہ نہ ہوتا تو طالب حضور ﷺ کے لیے دن رات اور رحمتوں کی دعائیں کیوں مانگتے۔
 - ۲- حضور اکرم ﷺ جس رحمت سے دن رات نوازے جا رہے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے کمالات علمی ہوں یا عملی کبھی اپنے نقطہ انتہاء کو نہیں پہنچتے۔ ہر آن ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سو یہ کہنا صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو کمالات آپ کو دینے تھے سب دے دیئے۔ (علم بھی کل عطا فرما دیا اب اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا ہے۔ معاذ اللہ) آپ کا علم بھی ہر آن بڑھتا ہے۔
- آپ کا علم مبارک کسی ایک حد پر نہیں ٹھہرا ہر آن اس میں اضافہ وازدیاد ہے۔ نہ اللہ کا دینا ختم ہوتا ہے، نہ آپ کا لینا ختم ہوتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ دینے والا اور لینے والا کسی سطح پر بھی کبھی برابر نہ ہو سکیں گے۔ یہ درود شریف ہے جس نے مسلمانوں کے عقیدہ توحید کو محفوظ کیا ہے کہ حضور ﷺ کے لیے لینے کی منزل کہیں ختم ہو نہیں پاتی۔

عیسائیوں میں اگر درود شریف ہوتا تو وہ کبھی شرک کی دلدل میں نہ گرتے۔

(۳) شیخ صدر الدین عارفؒ

حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے بیٹے تھے اور باپ کے طریق پر اپنے وقت کے شیخ کامل تھے۔ قرآن کریم کی تلاوت کے دوران ان پر قرآن کریم کے رموز و اسرار اترتے۔ تاریخ فرشتہ میں ہے:-

دے را عارف ازاں گویند کہ ہر بار کہ ختم کلام اللہ کر دے سند فکرت

اللہ تعالیٰ نے آپ میں صلاحیت اصلاح خاص پیمانے میں اتاری تھی۔ آپ کی محبت اور تربیت سے بہت سالکین منزل تک پہنچے۔ پھر ان مسترشدین نے اپنے گرد و پیش لوگوں کی اصلاح میں تاریخی کام کیا۔

۱۔ شیخ جمال خنداں نے اوج کے لوگوں میں یہ محنت کی، ان کا مزار وہیں ہے لیکن شیخ صدر الدین عارف اپنے والد کے مقبرہ میں ایک طرف مدفون ہیں۔

۲۔ مولانا علاؤ الدین غلجی نے بھی آپ سے بڑا فیض پایا، چودہ برس آپ کی خدمت میں رہے۔ شیخ صدر الدین انہیں اللہ کا محبوب کہتے تھے۔

۳۔ شیخ احمد قدحاری اپنے وقت کا ایک بڑا تاجر تھا۔ ملتان میں ایک دفعہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے ایک لقمہ اسے کھانے کو دیا لقمہ کھاتے ہی اس کی دنیا بدل گئی وہ سات سال تک وہیں رہا ان سالکین میں یہ تاجر شیخ احمد معشوق کے نام سے معروف تھا۔

۴۔ خواجہ ضیاء الدین بھی مدقوں اپنے شیخ کی خدمت میں فروش رہے انہیں شیخ کے ملفوظات لکھنے کا بہت شوق تھا اور بھی متعدد طالبین آپ کے چشمہ تربیت سے مصلح ہو کر نکلے۔

آپ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ کنوز الفوائد کے نام سے معروف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں اس کے بہت سے حوالے دیئے ہیں۔

حضرت شیخ صدر الدین کے ہمت افزاء اقوال

آپ نے طالبین و سالکین کی ہمت بندھانے کے لیے بہت سے تربیتی ارشادات فرمائے مثلاً:

۱۔ لا الہ الا اللہ، اللہ کا قلعہ ہے جو اس میں داخل ہو گیا وہ ہر طرح کے عذاب سے حفاظت پا گیا (آپ نے یہ بھی کہا کہ) قلعہ کی تین قسمیں

ہیں (۱) ظاہر، (۲) باطن، (۳) حقیقت۔

۱۔ اس قلعہ کا ظاہر یہ ہے کہ بندہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی سے خوف زدہ نہ ہو اور نہ کسی کے سہارے کے درپے ہو۔

۲۔ اس قلعہ کا باطن یہ ہے کہ اسے یقین ہو جائے کہ موت سے پہلے جو کچھ پیش آتا ہے وہ بالکل عارضی ہے کچھ وقت کے لیے ہے اور اس پر فنا کے بادل منڈلا رہے ہیں۔

۳۔ اس قلعہ کی حقیقت یہ ہے کہ بہشت کی آرزو اور دوزخ کے ڈر کے بغیر اللہ کی ذات میں کھو جائے اور اس سے علیحدہ نہ رہے جب وہ اس مقام پر آئے گا تو بہشت خود بخود اس کے پیچھے چلی آئے گی۔

آپ نے ایمان کے لوازمات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

۱۔ عقیدہ توحید

پوری رغبت اور محبت اور معرفت سے دل میں یہ بات لائے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا اور اپنی صفات میں یگانہ ہے۔

۲۔ ایمان کی صحت

اگر بندہ کوئی نیک کام کرے تو اسے خوشی محسوس ہو اور اگر کوئی برا کام کرے تو اس کو ناگوار لگے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسے ایمان کی صحت حاصل ہے۔

۳۔ ایمان بالرسالہ

سب پیغمبر اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔

۴۔ ایمان کی استقامت

وہ صرف علما نہیں اپنے ذوق و حال سے اللہ اور اس کے رسول پاک ﷺ سے محبت رکھے۔ آپ کے یہ چند نصائح بھی یاد رہیں۔

۱۔ کوئی سانس ذکر کے بغیر نہ ہو، جو دم خالی ہے وہ دم قائل ہے۔

۲۔ دوسوں سے گریز چاہئے، دوسے ذکر کے نور سے جل جاتے ہیں

بھردل میں نور اترتا ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ زبان سے ذکر کرنے والے کو دل کے ذکر کی توفیق دے دیتے ہیں پھر اگر زبان ذکر سے خاموش بھی رہے تو دل خاموش نہیں ہوتا یہی ذکر کثیر ہے۔

۴۔ باطن کا لگاؤ صرف خدا سے ہونا چاہئے اس کے سوا کسی سے بھی تعلق باطن ہو تو یہ نفاق ہے۔

(۴) شیخ فخر الدین عراقی (۶۸۸ھ)

حضرت بہاؤ الدین زکریا کے بھانجے تھے۔ ہمدان کے قریب کسی قصبہ کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام محمد شہر یار تھا۔ ہمدان میں آپ نے دینی علوم کی تکمیل کی۔ ہمدان سے بغداد آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت کی۔ نہایت بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ نے انہیں ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ آپ یہاں ملتان میں شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے شیخ فخر الدین کو اس طرح اپنی طرف کھینچا ہے جیسے مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ شیخ عراقی کے ساتھ کچھ قلندر تھے، وہ آپ کو ملتان سے دہلی لے گئے۔ آپ نے جب ان سے مخلصی پائی تو پھر دہلی سے ملتان چلے آئے۔ اب شیخ بہاؤ الدین نے ان پر اپنی گرفت تیز کر دی۔ اس دن انہیں اپنی صحبت میں رکھا اور ان پر پوری توجہ کر دی۔ اب یہ انہی کے ہو کے رہ گئے۔ شیخ فخر الدین عراقی پر ایک عجیب کیفیت وارد تھی اور آپ نے اسی جذب میں کہا تھا:-

نخسین بادہ کاندہ جام کردند
ز چشم مست ساقی دام کردند
چو بے خود ساجد اہل طرب را
شراب بے خودی در کام کردند
بہ عالم ہر کجا رنج و بلا بود
بہم بردند عشقش نام کردند

ترجمہ: پہلی شراب معرفت جب پیالے میں ڈالی تو ساقی نے اپنی مست آنکھ سے اسی وقت شکار کر لیا، جب خوش رہنے والے اہل طرب کو بے

خود کر دیا تو بے خودی کی شرابِ حلق میں اتار دی، دنیا میں جہاں کہیں
 بھی رنج و بلا تھی جب سب کو اکٹھا کیا تو اس کا نام عشق رکھ دیا گیا۔
 (اب خوشیوں میں رہنے والے اہل طرب رنج و بلا کی راہوں کے
 مسافر ٹھہرے۔ اور انہوں نے اس راہ میں مشقوں پر مشقیں کیں)

جب ذاتِ برحق نے خود ہی اپنا راز کھول دیا تو پھر مجھ پر بے خود ہونے کی جرح
 کیسی؟ میں نے بھی تو اسے ہی نمایاں کیا ہے۔

عراقی اسی بے خودی میں پھر یہاں تک کہہ گئے:-

در کوئے خرابات کے را کہ نیاز است

ہشیاری و مستیش ہمہ عین نماز است

ترجمہ: اس کوئے خرابات میں جس نے بھی رسائی پائی۔ پھر اس کی

حالت صحو ہو یا سکر اس میں وہ عین نماز میں ہے۔

یہاں اس نماز کا انکار نہیں جو راہِ شریعت میں ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس نماز کے
 علاوہ بھی اس راہ کے مسافر اپنے جملہ اوقات و لمحات اسی شانِ جذب میں رہتے ہیں۔ ایک نماز
 پڑھ کر دوسری نماز کے انتظار میں رہنے والوں کو بھی حالتِ نماز میں رہنے والوں کا نام دیا گیا
 ہے۔ اہل جذب کے اس قسم کے اشعار پر وہی لوگ جرح کر سکتے ہیں جن کی نظر شریعت پر نہ ہو۔
 اس سے انکار نہیں کہ فخر الدین عراقی پر جذب و اضطراب کی یہ کیفیت مستقل طور پر
 رہی اور حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے انتقال پر آپ کے دوسرے خلفاء کرام آپ کے اس انداز
 بیان کو پسند نہ کرتے تھے۔ آپ نے ان حالات میں ملتان چھوڑ دیا اور عدن چلے گئے، وہاں علماء
 اور صلحاء نے آپ کا شاندار استقبال کیا اور وہاں سے حج کے ارادے سے مکہ معظمہ چلے آئے۔

مدینہ منورہ سے آپ بلادِ روم کی سیاحت کے لیے نکلے پھرنے کا آپ کو بہت شوق
 تھا، تو نیہ پہنچ کر آپ ابنِ عربی کے خلیفہ شیخ صدر الدین سے ملے، وہاں آپ نے فصوص الحکم کا
 گہرا مطالعہ کیا اور اس موضوع پر ایک کتابِ لمعات لکھی۔ یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ بڑے
 بڑے علماء نے اس کی شرحیں لکھیں۔ ملا جامی نے اشعۃ اللمعات کے نام سے اور مولانا صاحب
 الدین اصفہانی نے ضوء اللمعات کے نام سے اس کی شرحیں لکھیں۔ سیر العارفین میں عراقی کی
 اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے:-

ارباب بصیرت پر یہ بات چھپی نہیں کہ لمعات روحانی فیض کے بادل کا ایک قطرہ ہے جو شیخ بہاؤ الدین زکریا نے دریائے معرف سے فخر الدین کی زبان پر ڈالا۔
آپ کی قبر شیخ ابن عربی (۶۳۲ھ) کی قبر کے پاس ہے اور مشہور محدث شیخ کرمانی کی قبر بھی وہیں ہے۔

شیخ فخر الدین عراقی کی تعنیفات میں الممعات کے علاوہ ایک مثنوی بھی ہے اور آپ کا ایک مستقل دیوان بھی ہے جو چھپ گیا ہوا ہے۔

(۵) مخدوم بدر الدین (..ھ)

آپ کے آباء محمد بن قاسم کے ساتھ وارد سندھ ہوئے اور خیر پور میرس آگئے۔ مخدوم بدر الدین مخدوم نور الدین ولد وحید الدین کے بیٹے تھے، آپ نے ۶۶۵ھ میں حضرت بہاؤ الدین زکریا کے خلیفہ مخدوم شاہ چمائیہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور سہروردی سلسلہ میں اپنے علاقہ میں ارشاد و اصلاح کا بہت کام کیا۔

(۶) شیخ صدر الدین احمد بن نجم الدین امیر حسینی (۷۱۹ھ)

آپ بھی حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے خلیفہ تھے۔ بعض مورخین کا بیان ہے کہ آپ اپنے حضرت کے داماد بھی تھے۔ آپ ہرات کے رہنے والے تھے، وہاں سے اپنے والد کے ساتھ ایک تجارتی سفر میں ہندوستان آئے اور ملتان میں حضرت بہاؤ الدین زکریا کی خدمت میں رہے اور پھر اپنے والد کے ساتھ ہرات چلے آئے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد پھر آپ ملتان آئے اور تین سال متواتر حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر رہے۔ تصوف میں آپ کی دو کتابیں خاص معروف ہیں۔

۱۔ نزہۃ الارواح ۲۔ طرب المجالس

نظم میں آپ نے ”زاد المسافرین“ اور ”کنز الامور“ لکھیں۔ زاد المسافرین کا آخری شعر ملاحظہ ہو، اس سے پتہ چلتا ہے آپ ۷۱۹ھ میں بقید حیات تھے:-

در ہفت صد و بست و نہ زہجرت

گشت آفر این کتاب خجعت

مولانا جامی لکھے ہیں کہ آپ کا ایک دیوان بھی ہے جو نہایت لطیف اشعار پر مشتمل ہے۔ آپ نے اس میں اپنے شیخ کی منقبت میں بھی کچھ اشعار لکھے ہیں۔

(۷) شیخ شرف الدین بوعلی قلندر (۷۷۲۳ھ)

سہروردی سلسلہ کے یہ بزرگ شیخ فخر الدین عراقی کے بیٹے تھے۔ یہ حضرات نہایت حضرت امام ابوحنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے بڑے بیٹے کا نام شیخ نظام الدین تھا۔ بچپن میں ہی عراق سے ہندوستان آگئے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد شیخ فخر الدین عراقی بھی اپنے بیٹے کی محبت میں ہندوستان چلے آئے۔ آپ نے پانی پت میں قیام فرمایا، یہیں آپ کے ہاں شیخ بوعلی قلندر ۶۰۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے وقت کے نامور علماء سے دین کی تعلیم حاصل کی مگر پھر جذب و سکر میں ایسے کھوئے گئے کہ قلندر آپ کے نام کا جزو بن گیا۔ راہ سلوک کے مسافر آپ کو مست المست کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جو رب العزت کے سوال المست ہو حکم کی لذت میں اس قدر کھو گئے کہ دیوانہ وار پھر وہ اسی کے ہو کر رہ گئے۔ اس مقام کے لوگوں کو مست المست کہتے ہیں۔

نوٹ: سہروردی سلسلہ کی اصل پہچان اس کے پہلے دو بزرگوں شیخ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ) اور شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۲ھ) کی کتابوں ”آداب المریدین“ اور ”معارف المعارف“ سے ہے۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں شریعت اور طریقت ہرگز کوئی دو متوازی راہیں نہیں۔ جذب و سکر میں اس راہ کا کوئی مسافر اگر کہیں راہ سے نکلا دکھائی دے تو وہ معذورین میں شمار ہوگا۔ مبتدعین میں نہیں، مبتدعین وہ ہیں جو نیت سے غیر دین کو دین بناتے ہیں، انہی کے لیے حدیث میں یہ وعید وارد ہے:-

من أحدث فی أمرنا ما لیس منه لہو رد او کما قال النبی ﷺ
ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں نہ تھی
وہ اللہ کے ہاں ہرگز لائق قبول نہیں۔

(۸) شیخ ابوالفتح رکن الدین رکن عالم (۷۷۳۵ھ)

آپ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا کے پوتے تھے۔ خواجہ شمس الدین نے انہیں رکن

عالم کا لقب دیا اور آپ اس نام سے ہی زیادہ معروف ہوئے۔ ملتان میں آپ کا حرار اسی نام سے معروف ہے۔ آپ نے تعلیم اپنے والد شیخ صدر الدین سے اور روحانی تربیت اپنے دادا سے پائی۔ ۳۶ سال کی عمر تھی کہ آپ اپنے والد کی مسند خلافت پر بیٹھے۔ ان دنوں دہلی میں خاندان چشتیہ کے بزرگ شاہ نظام الدین کا دور تھا، آپ ان کی ملاقات کے لیے اکثر دہلی جاتے۔ حضرت شاہ نظام الدین بھی آپ کا بہت اکرام فرماتے۔ یہ نسبت چشتیہ اور سہروردی کا قرآن المسعدین تھا۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ کالمین ان نسبتوں کے فرق کی وجہ سے کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں رہے۔ چشمہ معرفت سب کا ایک رہا ہے۔

چشتیہ سلسلے کے بزرگ سماع میں بہت نرم گوشہ رہے ہیں، شرائط پورا کرتے یہ حضرات مجلس سماع قائم کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت رکن عالم دہلی میں حضرت شاہ نظام الدین کے پاس مقیم تھے کہ آپ کے ہاں مجلس سماع قائم ہوئی۔ حضرت شاہ نظام الدین پر وجد طاری ہو گیا، اس بے خودی میں آپ کھڑے ہونے لگے تو حضرت رکن عالم نے ان کا دامن پکڑ کر انہیں بٹھا دیا، کچھ لمحات کے بعد پھر حضرت شاہ نظام الدین وجد میں آئے اور بے خودی میں کھڑے ہو گئے اب شاہ رکن عالم نے انہیں نہ بٹھایا بلکہ اور مشائخ کی طرح خود بھی کھڑے ہو گئے، کسی عالم نے آپ سے پوچھا کہ آپ نے پہلی مرتبہ تو حضرت شاہ صاحب کو کھڑے ہونے سے روکا تھا اب دوسری بار آپ نے انہیں کیوں نہ سنبھالا؟ آپ نے فرمایا:-

پہلی بار آپ ابھی عالم ملکوت تک پہنچے تھے وہاں تک میری رسائی ممکن تھی، میرا ہاتھ ان تک پہنچ گیا۔ دوسری بار آپ عالم جبروت تک پہنچے ہوئے تھے، وہاں تک میری رسائی نہ تھی اس لئے میں آپ کو روک نہ سکا۔ (سیر العارفین)

فقراء کے سلاطین وقت سے تعلقات

”بہس المقیر علی باب الامیر“ اس وقت ہے جب کوئی فقیر اپنی کسی غرض کے لیے کسی امیر کے دروازے پر آئے لیکن یہ شاہان فقر اس مقام پر تھے کہ خود شاہان سلطنت ان کے دروازوں پر حاضری دیتے تھے۔

حضرت شاہ رکن عالم کے تعلقات علماء الدین ظہمی، قلب الدین ظہمی، غیاث الدین تعلق اور محمد تعلق سے بہت قریب کے رہے۔ یہ شاہان فقر ان سے بھی محض اس لئے مراسم

رکتے تھے تاکہ جہاں تک ہو سکے وہ ان لوگوں کے کام آسکیں جو ان شاہان سلطنت تک رسائی نہیں رکھتے۔ حدیث میں ہے کہ لوگوں میں اچھا وہ ہے جو لوگوں کو ان کی ضرورتوں میں فائدہ دے سکے۔ حضرت شاہ رکن عالم حضرت شاہ نظام الدین کی وفات کے بعد دس سال زندہ رہے، آپ کا مرقد ملتان میں حضرت شاہ بہاؤ الدین زکریا کے پاس ہی ہے۔

حضرت شاہ رکن الدین کے کشف و کرامات

ایک دن آپ سلطان غیاث الدین تغلق کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ اچانک اٹھے اور فرمایا جلد یہاں سے نکلو یہ عمارت ابھی گر جائے گی۔ سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لیے فرمایا وہ نکل نہ سکا اور آپ کھانا چھوڑ کر فوراً باہر نکلے، اتنے میں عمارت گر پڑی اور سلطان اس کے نیچے دب گیا۔ (تاریخ فرشتہ: ۲، ص: ۴۱۱)

حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کے آخری وقت میں آپ ان کے پاس دہلی میں تھے آپ نے ان سے گزارش کی کہ انبیاء کو موت اور زندگی کا اختیار دیا جاتا ہے۔ اولیاء بھی انبیاء کے جانشین ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو بھی موت اور زندگی کا اختیار ملتا ہوگا۔ آپ کی حیات کچھ دن اور ہوتی کہ ناقصوں کو آپ کمال تک پہنچاتے۔

حضرت شاہ نظام الدین نے کہا مجھے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے

نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ (سیر الاولیاء ص: ۱۴۱)

حضرت شاہ رکن عالم کو ابوالفتح کی کنیت و صفی حاصل تھی یہ اس لیے کہ آپ اپنے نور باطن سے اپنے مریدوں کے دلوں کو پڑھ لیتے تھے۔ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کی نماز جنازہ حضرت شاہ رکن عالم نے پڑھائی اور اسے آپ بہت بڑی عزت سمجھتے تھے۔

حضرت شاہ رکن عالم کی تعلیمات

۱۔ جنابت دو قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) جنابت جسم اور (۲) جنابت دل۔ جنابت جسم جس کا سبب تو بالکل ظاہر ہے مگر دل کی جنابت ناہموار آدمیوں کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے۔ جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے مگر دل کی جنابت ندامت کے آنسوؤں سے دور ہوتی ہے۔ یہ آنکھوں کا پانی ہے جو دل کی جنابت کو دھوتا ہے۔

۲۔ آدمی دو چیزوں سے عمارت ہے صورت اور صفیت سے۔ ان میں سے قابل اعتناء

آدمی کی صرف صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ صورتوں کو نہیں دیکھتا وہ صرف تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اگر کسی کا دل بری صفات سے پر ہے تو اس کا شمار چھ پایوں میں ہے۔ اوصاف ذمہ کو دور کرنے کے لیے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے۔

۳۔ کسی بندے پر خدا کا فضل و رحمت ہے یا نہیں، اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم پینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں اور عظمت الہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظروں میں بیچ ہو جاتی ہے۔ دنیا کے مجیدوں میں پھنپھنے رہنے والوں کی وقعت بالکل اس کے دل سے نکل جاتی ہے۔

۴۔ جب کسی کے دل پر اللہ کے انوار اترتے ہیں تو اس میں فرشتوں کے سے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس میں ظلم کی بجائے غنوغضب کی بجائے حلم، کبر کی بجائے تواضع، بخل کی بجائے سخاوت، حرص کی بجائے بے نیازی کی خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۵۔ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً و عملاً و دینہ باز رکھیں۔ لایعنی مجالس سے پرہیز کریں۔ بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے۔ بطال وہ لوگ ہیں جو طالب حق نہیں، انہیں اپنی آخرت کے بارے میں کچھ سوچنے کی فرصت نہیں ہے۔ (ملخصاً لمانی اخبار الاخیار للشیخ عبدالحق) اب آئیے آپ کو سہروردی سلسلہ کے ایک ساتویں بزرگ سے ملاقات کرا دیں جو بہاولپور کے قریب اوج شریف میں آرام فرما ہیں۔

(۹) ضیاء الدین خمشی (۷۵۱ھ)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ آپ شیخ حمید الدین ناگوری کے پوتے شیخ فرید الدین ناگوری کے خلیفہ تھے۔ آپ کی کتاب سلک السلوک مسائل تصوف کے بیان میں ہے۔ شروع میں آپ نے مصطلحات تصوف کی کچھ شرح کی ہے پھر مسئلہ تصوف پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اس کتاب کے کل ۱۵۱ باب ہیں۔

عشرہ مبشرہ میں کلیات و جزئیات گل ریز بھی آپ کی تالیفات ہیں طوطی نامہ آپ نے ۷۳۰ھ میں لکھی، اس میں آپ نے ۵۲ کہانیاں لکھی ہیں جن میں آپ نے نہایت دلنشین ہیرائے میں مسائل تصوف سمجھائے ہیں اس میں آپ حضرت مولانا روم کے طرز پر چلے ہیں۔ آپ نے ان کہانوں میں کہیں کہیں اپنے قطعات بھی دیئے ہیں جو آپ کے ذوق شعری کا

بہترین نمونہ ہیں۔

ایک مقام پر آپ نے یہ روایت لکھی ہے کہ حضرت کعب احبار نماز کے لیے مسجد میں آتے تو کچھلی صف میں کھڑے ہوتے اپنے آپ کو پہلی صف میں نمایاں نہ کرتے۔ یہ صحیح ہے کہ پہلی صف میں ثواب زیادہ ہوتا ہے لیکن آپ اصلاح نفس کے لیے اپنے آپ کو کچھلی صف میں رکھتے۔ آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:-

توریت میں ہے کہ آخری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ ابھی پہلی صف والوں نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے طفیل کچھلی صفوں کو بخش دے گا میں کچھلی صف میں اس لئے کھڑا ہوتا ہوں کہ ان اگلی صف والوں کے طفیل میرا کام بھی بن جائے۔

یہاں اس قطعے کو ملاحظہ فرمائیں:

نُفُصِی دَر مِیَاں بِہِی خُود رَا
قَطْرَہ رَا چَہ پِی لَے خَوَانِی
ہَمہ کَس دَر طِفْلِی تُو گَر دَد
مَر تُو خُود رَا طِفْلِی کَس دَانِی

ترجمہ: نَفُصِی اپنے آپ کو درمیان میں رکھ، قطرہ کو تو ریلہ کیوں سمجھے بیٹھا ہے۔ سب لوگ تیرے طفیل بن جائیں اگر تو اپنے آپ کو کسی کا طفیل جان لے۔

حکم صرف اسی کا چلنا ہے، اس پر لکھتے ہیں:

نُفُصِی حَکْم عَطْلِق حَظْرَے نِیَسْت
مَر دِ اِی رَاہ کَبَاسْت دَر عَالَم
دَر جِہَاں گُفْتہ سَچ کَس نَشُود
حَکْم حَکْم خُدا اسْت دَر عَالَم

ترجمہ: نَفُصِی مخلوق کے حکم کی یہاں کوئی حقیقت نہیں، ایسا جہاں میں کون ہے جو اس راہ کا مرد ہو اس جہاں میں کسی کا کہا نہیں چلنا حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے جس پر (مکوئی طور پر) یہ دنیا چل رہی ہے۔

(۱۰) حضرت سید جلال الدین بخاریؒ مخدوم جہانیاں (۵۷۸۵ھ)

آپ سید جلال الدین بخاری کے پوتے تھے۔ بخارا ان کا وطن تھا، بخارا سے یہ بھکر آئے اور بھکر سے ملتان پہنچے اور حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا سے بیعت کی اور خرقہ خلافت پایا۔

ان کے تین بیٹے ہوئے: ۱۔ سید احمد، ۲۔ سید احمد اور ۳۔ سید بہاؤ الدین۔

یہ سید احمد کبیر کے بیٹے تھے ان کے اور ان کے دادا کے نام میں لفظ سرخ کا فرق ہے۔ سید جلال الدین بخاری کی زندگی پیش تر سیاحت میں گزری اس لیے انہیں جہاں گشت بھی کہتے ہیں۔ مخدوم جہانیاں بھی آپ کا ایک لقب تھا۔ آپ نے ملتان میں حضرت بہاؤ الدین زکریا، شیخ صدر الدین اور حضرت شاہ رکن عالم کے مزاروں پر مراقبے کئے اور ان سے توجہ چاہی ان سب نے آپ کو مخدوم جہانیاں کی دعا دی۔

آپ کے دادا سید جلال الدین حضرت بہاؤ الدین زکریا کے خلیفہ تھے اور آپ نے ان کے پوتے شیخ ابوالفتح رکن الدین کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہی سے آپ نے خلافت پائی۔ آپ کے ملفوظات میں ہے کہ حضرت شاہ رکن عالم نے خواب میں آپ کو خرقہ پہنایا اور قطب عالم کا لقب دیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنے وقت کے قطب تھے۔

آپ کی ولادت اچ شریف میں ہوئی۔ آپ سات سال کے تھے کہ آپ کے والد نے آپ کی ملاقات اچ کے ایک بزرگ شیخ کمال خنداں سے کرائی آپ نے اچ کے قاضی علامہ بہاؤ الدین سے ہدایہ اور اصول بزدوی پڑھیں اس سے آپ کے علمی مقام کا پتہ چلتا ہے۔ آپ سب سے بڑے قاری بھی تھے۔

آپ کے اہل بدعت سے معرکے

آپ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:-

میں جب مکہ معظمہ سے بھکر آیا تو لوگ مجھ سے ملنے آئے اور انہوں نے الور کے ایک درویش کا پتہ دیا جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے تکلیفات شرعیہ اٹھالی ہیں۔ اور نماز تک اسے معاف کر دی ہے۔ الور کے لوگ عجیب ہیں جو ایسے زندیقوں کو بھی پہنچا ہوا سمجھ لیتے رہے۔ علامہ اقبال نے نصیحت کی تھی کہ الور کی زمین میں کبھی انسانیت کی تلاش نہ

کرنا آسمان نے یہ دانہ اس زمیں میں بویا ہی نہیں۔

گر فلک در الور امداد ترا
اے کہ سے داری تمیز خوب و زشت
آدمیت در زمیں او بچو
آسمان این دانہ در الور نہ کشت

مخدوم جہانیاں نے اس بدعتی سے درگزر نہ کی بدعتیوں کے ہجوم میں وہاں پہنچے اور ان کے سامنے حضور ﷺ کی یہ حدیث پڑھی:-

الفرق بین المؤمن و الکافر الصلوۃ

اس بدعتی نے جواب دیا:-

سید میرے پاس جبریل آتے ہیں بہشت کا کھانا لاتے ہیں، خدا تعالیٰ کا سلام پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں خدا تعالیٰ نے تمہیں نماز معاف کر دی ہے اور تم خدا کے مقرب ہو گئے ہو۔ میں انہیں کیا کہوں؟ آپ نے شریعت کی غیرت کھائی اور برملا کہا:

بے ہودہ مت بگو۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے تو نماز معاف نہیں ہوئی، تم جیسے جاہل کے لیے کیسے معاف ہو سکتی ہے وہ شیطان ہے جو تیرے پاس آ کر ایسی بات کہتا ہے کہ میں جبریل ہوں، جبریل وحی کے فرشتے ہیں جو پیغمبر کے سوا کسی کے پاس نہیں آتے اور وہ جو کھانا تمہارے پاس آتا ہے وہ گندگی ہے۔

اس درویش نے کہا وہ کھانا بہت ہی لذیذ ہوتا ہے میں اس میں بہت لذت محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے کہا جب وہ پھر تمہارے پاس آئے تو پڑھنا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم دوسرے دن جب وہ فرشتہ اس کے پاس آیا تو اس نے آپ کے کہنے پر لا حول ولا قوۃ اس کے سامنے پڑھ دیا، وہ اچانک غائب ہو گیا اور وہ کھانا گندگی کی صورت میں وہیں گر پڑا۔ یہاں سے اس زندیق کو توبہ نصیب ہوئی یہ شیطان کا استدراج تھا جو اس ولی کی کرامت سے ٹوٹا۔

آپ کے ملفوظات کے تین مجموعے ہیں:

۱- خزانہ جلالی، ۲- سراج الہدایہ، ۳- جامع العلوم۔

ہندوستان میں چشمی اور سہروردی سلسلوں کے دس دس بزرگوں کا یہ مختصر تعارف

آپ کے سامنے آچکا اب ہم قادری اور نقشبندی سلسلوں کے ہندوستان آنے والے پہلے بزرگوں کا کچھ ذکر کرتے ہیں۔

طریقت کے چار مشہور سلسلوں میں صرف چشتی سلسلہ کے بزرگ پہلے ہندوستان میں خیمہ زن ہوئے۔ اس سلسلے کا آغاز، جیسا کہ ہم پیچھے ذکر کر آئے ہیں، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سے ہوا۔ ہندوؤں کی اصلاح کے لیے اس سے بہتر اور کوئی راہ طریقت یہاں کامیاب نہ ہو سکتی تھی۔ سہروردی اور قادری سلسلوں کے چشمے بغداد سے پھوٹے۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) کا حرار بغداد میں ہے۔ سہروردی بھی مضافات بغداد کا ایک قصبہ ہے جہاں حضرت شیخ ضیاء الدین (۵۶۳ھ) اور شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۳ھ) فردوس ہوئے۔ نقشبندی سلسلہ کے بزرگ ہمارے بلاد میں افغانستان کی طرف سے پہنچے ہیں۔ سو یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں طریقت کی راہیں سب سے پہلے چشتیہ حضرات نے ہموار کیں۔ ہندوستان جیسے بڑے ملک میں ہندوؤں کو جوق در جوق اسلام کے دائرہ میں لانا بس انہی کا کام تھا اور انہوں نے کر دکھایا۔ فجز اہم اللہ احسن الجزاء اب آئیے قادری سلسلے سے بھی کچھ تعارف کیجیے۔

سرخیل سلسلہ قادریہ

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) کی ہمہ گیر شان و ولایت

قادری سلسلے کا آغاز حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) سے ہوتا ہے۔ آپ تمام اہل ولایت اور تمام سلاسل اولیاء کا قطب سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کی روحانی تربیت میں صرف آپ کے مشائخ ہی نہیں حضرت خضر سے بھی آپ نے روحانی تربیت پائی۔ گو آپ بطور قادری معروف ہوئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ تمام سلسلوں کے اکابر نے آپ سے روحانی فیض پانے کا اقرار کیا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی بھی لکھتے ہیں:-

مجدد الف ثانی دریں مقام نائب مناب حضرت شیخ است و بہ نیابت

حضرت شیخ ایں معاملہ باو مربوط است چنان کہ گفتہ اند نور القمر

مستفاد من نور الشمس (مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۱۲۳)

ترجمہ: دوسرے ہزار سال کا مجدد بھی اس مقام میں حضرت شیخ

عبدالقادر جیلانی کا نائب مناب ہے اور حضرت شیخ کی نیابت سے

اسے ائمہ اہل بیت سے ارتباط حاصل ہوا ہے جیسے کہتے ہیں چاند کی روشنی نے سورج کی روشنی سے ہی ظہور پایا ہے۔
 آپ ائمہ اہل بیت کے روحانی تسلسل کو حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی شاہراہ سے وابستہ بتلاتے ہیں آپ کہتے ہیں، آپ نے بھی اسی شاہراہ سے ائمہ اہل بیت کا فیض پایا ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

نوبت محضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسید قدس سرہ وچوں نوبت ہایں
 بزرگوار شد منصب مذکور ہا و قدس سرہ مغوض گشت و مابین ائمہ مذکورین و
 حضرت شیخ پچ کس بریں مرکز مشہود نے گردود (ایضاً)
 ترجمہ: یہ دریا ئے معرفت جب حضرت شیخ جیلانی تک پہنچا تو اب یہ
 منصب آپ کے سپرد ہو گیا ائمہ اہل بیت اور حضرت سید عبدالقادر
 جیلانی کے مابین اور کوئی ایسی بڑی شخصیت نظر نہیں آتی۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا فیض سہروردی سلسلہ میں

شیخ شہاب الدین سہروردی (۶۳۳ھ) صاحب عوارف المعارف سہروردی سلسلہ
 کے سربراہ ہیں، آپ نے بھی حضرت سے فیض پایا۔ اس راہ کے محققین حضرت شیخ عبدالقادر
 جیلانی کو ذوالجناحین کہتے ہیں۔ جناح اول شیخ شہاب الدین سہروردی اور جناح دوم محی الدین
 ابن العربی (۶۳۸ھ) کو کہا جاتا ہے۔ حضرت شیخ جیلانی نے کسی عارف کو کشف میں فرمایا:-

علم رسول ﷺ کو میں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ شہاب
 الدین کو دیا اور وہ علم شرائع اور اجاب سنت ہے اور دوسرا حصہ محی الدین
 ابن عربی کو اور وہ علم حقائق اور علم معارف ہے اور وہ ذات بحث تعالیٰ
 شانہ سے متعلق ہے اور یہ دونوں علم یکجا نہیں ہوتے۔ الا دربطن
 رسول ﷺ کے (تحفۃ الابرار جدول ثالث در بیاں حضرات قادر یہ ص:

(۴۸) اس میں ائمہ اہل بیت کی جامعیت کی طرف اشارہ ہے۔

سو جس طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ جیلانی سے بھی فیض
 پانے والے تھے، سہروردی سلسلہ میں بھی آپ کے بہت سے کمالات اترے ہیں اور شیخ اکبر
 ابن عربی کے مکاشفات میں بھی آپ کے فیوض کا جام چھلکتا ہے۔

شیخ عثمان عمر صدیقی (۵۵۷۵)، شیخ ابوالسعود بن شبلی (۵۵۷۹)، شیخ موفی الدین ابن قدامہ الحسینی (۵۶۲۲)، شیخ صدر الدین القنوی (۵۶۳۰)، عبداللہ یافعی (۵۷۵۵) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے متوسلین میں سے تھے مگر ان میں سے کوئی ہندوستان نہیں آیا۔
حضرت مولانا روم (۵۶۷۲) اور حافظ ابن تیمیہ (۵۷۲۸) جیسے بحار العلوم راہ طریقت میں اسی راہ کے راہی بنے ان کی روحانی نسبت قادری تھی۔

حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی الحسینی نے خرقہ ولایت متحدہ طرق سے پایا۔

۱۔ اپنے آباء کرام ائمہ اہل بیت سے،

۲۔ حضرت شاہ ابوسعید ابوالخیر بن علی الملک (۵۱۳) سے،

۳۔ تاج العارفین حضرت شیخ ابوالوفاء سے،

۴۔ واقف اسرار کونین حضرت خضر علیہ السلام سے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کو اس وسیع سلسلہ فیض کے باعث پیران بھر کہتے ہیں،

آپ کو تمام دینائے ولایت میں اپنے وقت کے سب پیروں کا پیر مانا جاتا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی کس طرح آپ کی شان میں رطب اللسان ہیں اسے آپ پیچھے دیکھ آئے ہیں۔ چاچا ان کے مشہور بزرگ خواجہ غلام فرید نے ۱۳۱۱ھ میں اپنی ایک مجلس میں آپ کا اس طرح ذکر کیا ہے، آپ کے ایک مرید کو لکھتے ہیں:-

ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ کرسی پر بیٹھے وعظ فرما رہے تھے اسی اثناء

میں عالم غیب سے ایک عجیب حالت آپ پر طاری ہوئی، اس وقت

جناب رسالت مآب مع اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم (ایک روحانی

صورت میں) تشریف فرما تھے تمام انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ مقربین

بھی رونق افروز نظر آئے بس جناب باری کی طرف سے آواز آئی کہ

اے عبدالقادر ہم نے ہر ولی کو تمہارے زیر قدم کیا ہے ان کو کہہ دو کہ

تمہارے زیر قدم آجائیں اس کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا:-

قدمی ہلہ علی رقبۃ کل ولی اللہ... میرا قدم ہر ولی کی گردن پر ہے۔

یہ زبان عام آداب و عوت کی نہیں لسان قطبیت ہے۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے بھی ایک ایسے حال جذب میں کہا تھا، حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے۔

انسوس کہ بریلوی حضرات سرکار بغداد شیخ عبدالقادر جیلانی کے اس مقام کو سمجھ نہ پائے اور انہوں نے سردار اولیاء کی شان میں بہت بے ادبی کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق دے۔ ذرا توبہ سے اُن کی گستاخیاں.....

حضرت پیران پیر کی شان میں گستاخی

۱۔ حضرت شیخ کا کلام قدیمی حلدہ علی رقبہ کل ولی اللہ ایسا ہے جس سے خود بینی ظاہر ہوتی ہے۔

(حکایت قدم غوث مصدقہ مولانا محمد اشرف سیالوی ص: ۱۱۷)

۲۔ غوث پاک کے قدم کی فضیلت ہر زمانے میں ماننے والے جاہل اور متعصب ہیں۔ (ایضاً ص ۲۰۴)

ہم بھی آپ کو اپنے سے پہلے کے اولیاء کرام سے افضل نہیں کہتے لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ کا قدم ہر آپ کے بعد آنے والے ولی اللہ کی گردن پر ہے اور بقول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ہر ولی کا نور آپ کے نور سے مستفاد ہے جس طرح چاند اپنی روشنی سورج سے لیتا ہے ہر ولی نے آپ سے فیض پایا ہے۔ حضرت پیران پیر کی شان میں بریلویوں کی ایک اور گستاخی ملاحظہ ہو:-

۳۔ حضرت پیران پیر تادمت حیات صاحب مقام نہ ہو سکے

صاحب حال ہی رہے اور صاحب حال پردوں میں ہوتے ہیں ان کی آنکھوں سے پردے نہیں اٹھ سکتے۔ (حکایت قدم غوث ص: ۲۸۲)

اور اس پر ان کی یہ خود سری بھی ملاحظہ:-

۴۔ ہمارا جوابی دعویٰ بدستور باقی ہے جسے کوئی حالی تا قیامت

توڑ نہیں سکے گا یعنی سب قادریوں کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہو جانا

چاہیے۔ (ایضاً ص: ۳۱۱)

حضرت شیخ کو پتھر مارنے کی ایک وضع کردہ کہانی

ابراہیم قدوسی مجذوب ایک رات غوث پاک کے ساتھ مسجد میں اکٹھے ہوئے..... حضرت غوث پاک کے سرہانے ایک بڑا پتھر لے کر کھڑے ہو گئے اور کہا جی چاہتا ہے کہ سر پھیل دوں مگر تیری ماں ضعیف ہے اسے صدمہ ہوگا۔ (ایضاً ۲۷۹)

حیرت ہوتی ہے کہ جب وہ بزرگ آپ کا سر پھیلنے کے درپے تھے اور اس وقت بھی آپ غوث پاک تھے اور جہاں کہیں آپ کا کوئی مرید آپ کو آواز دے آپ اس کی فریاد رسی کے لیے اٹھتے تھے اور اس کے پاس پہنچ جاتے تھے تو پھر پتھر مارنے والے کو آگے بڑھنے کی جرات کیسے ہوتی تھی۔ پتھر مارنے کی تمنا بس اس کے دل میں ہی رہی۔ افسوس صد افسوس۔

حضرت پیران پیر کی شان میں ایک اور گستاخی

بریلوی کہتے ہیں حضرت پیران پیر کا یہ کہنا کہ قدمی ہلذہ علی راس کلّ ولی اللہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی جہنم سے نکلنے والا یہ سمجھے کہ میرے جیسا کوئی نہیں۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ حضرت پیران پیر کی شان میں یہ گستاخی کی انتہاء ہے، ان گستاخوں کو کون سمجھائے۔

مولانا محمد اشرف سیالوی کی تصدیق کردہ یہ گستاخانہ توجیہ ملاحظہ ہوں:-

یہ تو جب ہی ممکن ہے کہ ہر ایک صاحب کمال نے اپنے زعم اور اپنے خیال میں اپنے عطا کردہ مرتبہ و مقام کو بے مثال اور منفرد و ممتاز سمجھا ہو جیسے آخری شخص جو دوزخ سے چھٹکارا حاصل کر کے جنت میں داخل ہوگا وہ اللہ کے فضل و کرم سے مشرف ہو کر پکاراٹھے گا جو کچھ مجھے دیا گیا کسی کو نہیں دیا گیا۔

بریلویوں کے مولوی محمد احمد چشتی نظامی بصیر پوری نے گو اس بات کا انکار کیا ہے کہ آپ نے قدمی ہلذہ علی راس کلّ ولی اللہ کہا ہو لیکن آپ نے یہ کہہ کر ”یہ تو جب ہی ممکن ہے“ آپ کی شان میں ایک اور گستاخی کر دی ہے اور مولانا محمد اشرف سیالوی بھی اس کتاب پر تصدیق لکھ کر اس گستاخی میں محمد احمد چشتی کے برابر کے شریک ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں ان دونوں بریلوی حضرات پیران پیر کے خلاف کیوں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

عام چشتی مشائخ کو پیران پیر کے ہم مرتبہ شمار کرنا

مولوی محمد احمد چشتی اور محمد اشرف سیالوی کی ایک اور گستاخی ملاحظہ ہو:-
ہم اپنے شیخ کی سنت ادا کرتے ہوئے علی رؤس الاشهاد کہتے ہیں کہ ہم
اپنے اکابر مشائخ کرام کو سمیت عبدالقادر جیلانی کے کسی بھی سلسلہ
کے اکابر مشائخ سے کم نہیں سمجھتے اگر کسی کا یہ عقیدہ نہیں تو وہ اپنے عظیم
مشائخ کے فیض سے محروم ہے۔ (حکایت قدم غوث پاک)

حضرت پیران پیر پر ایک اور گستاخانہ حملہ ملاحظہ ہو

حضرت اپنی شان میں قصیدوں پر قصیدے لکھتے رہے اور ساری زندگی
دعاویٰ طویلہ و عریضہ کا اظہار فرماتے رہے..... مگر بوجہ سکر و حال معذور
تھے جب اس مقام سے آگے گزرے تو بہداشتغفار کی۔

(حکایت قدم غوث ص: ۲۸۰)

پھر اسی کتاب میں لکھا ہے:-

حضرت محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی ساری زندگی صاحب سکر و
حال و ادلال ہی رہے اور عمر شریف کے آخری چار دن میں عبدیت و
نزول کی طرف کسی قدر رجوع نصیب ہوا مقام عبدیت و نزول تاہم
حاصل نہ ہو سکا۔ (ایضاً)

ہم خوش ہیں کہ مولانا احمد رضا خاں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی شان میں
ایسی کوئی گستاخی نہ کی لیکن افسوس انہوں نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی شان میں
گستاخی کر دی اور حساب برابر ہو گیا۔ مولانا احمد رضا خاں اپنے ملفوظات میں فرما گئے:-

ہم تو ایسے شیخ کے غلام ہیں (حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے) جس
نے جو بتایا صحو سے بتایا خدا کے فرمانے سے کہا تمام جہان کے شیوخ
نے جو زبانی دعوے کئے ہیں ظاہر کر دیئے ہیں ظاہر کر دیا کہ ہمارا سکر
ہے اور ایسی غلطیاں دو وجہوں سے ہوتی ہیں نادانگی سے یا سکر سے۔
سکر تو یہی ہے (جو مجدد صاحب میں پایا جاتا ہے)۔

(ملفوظات حصہ ۳، ص: ۷۰)

سلوک کے روحانی سلسلوں کو آپس میں لڑانے کی یہ کوشش بہت مذموم ہے۔ اہل تصوف کے دل مرشدان گرامی کی محنت اور تزکیہ سے کینہ و بغض اور باہمی جذبہ مسابقت کی غلامت سے دھلے ہوئے ہوتے ہیں یہ لڑنا بھڑنا اور گرانا بڑھانا دنیا پرستوں کا نصیب ہے یہ اہل تصوف کا کام نہیں۔

اہل سلوک و محبت سب ایک ہی چشمہ معرفت سے بولتے ہیں اور ان میں سے ایک ایک کے دل میں خدا کی محبت کی گرمی اتری ہوئی ہوتی ہے۔ ہم بریلویوں کی اس جرأت پر اظہار افسوس کے بغیر نہیں رہ سکتے ہیں جو انہوں نے دنیائے ولایت کے ان مسلم بزرگوں کے خلاف اپنے دل و دماغ میں اتار رکھی ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر کی اولاد میں فیض پانے والے

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے آپ کے نونیوں نے نسبت سلوک پائی۔ (۱) سید شرف الدین عیسیٰ قتال (۵۵۷۳ھ) نے، (۲) عبدالرحمن عبداللہ صالح (۵۵۸۷ھ) نے، (۳) سید تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق (۶۰۳ھ) نے، (۴) سید شمس الدین ابوبکر عبدالعزیز (۵۵۸۹ھ) نے، (۵) ابوالفضل محمد (۶۰۰ھ) نے (۶) سید سیف الدین عبدالوہاب (۵۹۳ھ) نے، (۷) شیخ ابونصر موسیٰ ضیاء الدین (۶۱۸ھ) نے، (۸) سید ابواسحاق ابراہیم (۵۹۲ھ) نے، (۹) سید ابوزکریا بکھی (۶۰۰ھ) نے۔ حضرت سید احمد رفاعی (۵۷۷ھ) بھی اسی دور کے بزرگ گزرے ہیں۔

ان حضرات کے علاوہ بھی لاتعداد بزرگوں نے آپ کی تربیت میں روحانی سیر سلوک کی اور قبولیت الہی میں ہزاروں کرامات کے جلوے دیکھے۔ اس پہلو سے یہ سلسلہ باقی سب سلسلوں پر چھا گیا اور آپ کو ان مختلف سلاسل کے مشائخ بھی قادری نسبت حاصل کرتے ملیں گے۔ ہمارا اس وقت یہ موضوع نہیں کہ دنیائے اسلام کو اس چشمہ معرفت سے کیا ملا اور اس چشمہ کی شاخیں کہاں کہاں قائم ہوئیں ہمارا اس وقت کا موضوع یہ ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں پہلے دور میں اس چشمہ کے بڑے بڑے شاہد کون ہوئے اور پاک و ہند کی سرزمین نے ان بزرگوں میں سے کس کس کو اپنے ہاں جگہ دی۔ پہلے ہم انہی حضرات قادریہ کا ذکر کریں گے جو تاریخ اسلام کے پہلے ہزار سال میں ہوئے۔ چشتی

اور سہروردی نسبتوں کے بھی ہم نے صرف انہی بزرگوں کا ذکر کیا ہے جو اسلام کے پہلے ہزار سال میں ہوئے۔ ان میں بھی ہم انہی حضرات کا ذکر کریں گے جو پہلے ہزار سال کے نصف آخر میں ہوئے کیونکہ پہلے ہزار سال کے نصف اول کے ائمہ طریقت کا ذکر ان سلاسل سے نہیں چلا۔

دور اول کے بزرگوں کا تعارف ان آئمہ طریقت کے ناموں سے رہا

خواجہ داؤد طائفی (۱۶۵ھ)، شیخ معروف کرخی (۲۰۰ھ)، احمد نوری (۲۹۵ھ)، حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ)، حضرت سری سقطی (۲۵۰ھ)، حضرت بایزید بسطامی (۳۶۱ھ)، سہل بن عبد اللہ تسری (۳۸۳ھ)، ابوالحسن خرقانی (۴۲۳ھ)، حضرت ذوالنون مصری (۴۴۵ھ) سید احمد رفاہی (۵۷۸ھ) اور اس دور کے اور کچھ بزرگ ہوئے جن کے ناموں سے پہلے دور کے بزرگوں کی نسبت جانی جاتی تھی۔ جیسا کہ لاہور کے بزرگ حضرت علی ہجویری (۴۶۵ھ) کا مشرب تذکروں میں اس طرح ملتا ہے کہ آپ حضرت جنید کے طریق پر تھے اور ابھی یہ چار نسبتیں چشتی، قادری، نقشبندی اور سہروردی.... اس صورت میں معروف نہ ہوئی تھیں۔

ہندوستان میں آنے والے پہلے قادری حضرات

ہندوستان میں قادری سلسلہ کے بزرگوں میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے تین بیٹوں سید عبدالرزاق، سید عبدالعزیز اور سید عبدالوہاب نے ادھر کا رخ کیا۔ ان حضرات نے پہلے اوج شریف ضلع ملتان کو اپنا مرکز بنایا پھر ان میں سے بعض بزرگ جھنگ میں خیمہ زن ہوئے۔ دوسرے ہزار سال میں دین پور ضلع خانپور بھی ان حضرات کا مسکن بنا۔

یہ بزرگان طریقت سندھ اور پنجاب میں بھی متعدد علاقوں میں پھیلے اوج کے دونوں خاندان گیلانی ہوں یا بخاری قادری سلسلہ کے بزرگ تھے۔

ہندوستان میں قادری سلسلے کی پہلی کن حضرات سے ہوئی

ہندوستان میں اس سلسلہ کے پہلے بزرگ کہاں کہاں آئے۔ کلر کھار، چکوال میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۲ھ) کے بیٹے حضرت عبدالرزاق جیلانی کے دو شہید بیٹوں کے مزارات ہیں، ان صاحب زادوں کے نام محمد یعقوب اور محمد اسحاق بتائے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں جب مرہٹے زور پکڑ رہے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ یہاں مسلم حکمرانی نہ رہے تو

یہ حضرات بغداد سے چل کر مجاہدین کے ساتھ ہندوستان پہنچے اور انہوں نے یہاں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ یہ دونوں صاحب زادے غیر شادی شدہ تھے اور ان کی نسل آگے نہ چلی تاہم ان کے وجود سے یہاں قادری سلسلہ طریقت بے شک قائم ہو گیا۔ ان حضرات نے یہاں سلوک و احسان کو خوب رونق بخشی۔ فجزا ہما اللہ احسن الجزاء۔

ہم یہاں کچھ اور قادری بزرگوں کا بھی ذکر کئے دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ کس طرح یہ حضرات پورے برصغیر پاک و ہند میں پھیلے اور یہاں ان ائمہ طریقت نے کس طرح بہتی بہتی مختلف علاقوں میں اللہ کی محبت کی گرمی پیدا کی اور کس طرح اس راہ کے مسافروں کی روحانی رہنمائی کی۔ یہ سب حضرات اسلام کے پہلے ہزار سال کے ائمہ طریقت میں سے تھے۔

(۱) شیخ نور الدین (۷۰۰ھ) کشمیر میں فروکش ہوئے، (۲) رکن الدین فردوسی (۷۳۳ھ) دہلی میں آئے، (۳) شیخ شرف الدین سنیری (۷۸۲ھ) نے بہار میں ڈیرہ لگایا، (۴) شیخ سید علی ہمدانی (۷۸۶ھ) نے کشمیر اور بدخشاں میں خانقاہ بنائی، (۵) شیخ محمد معروف (۷۵۷ھ) نے یشادر میں قیام فرمایا، (۶) شاہ نعمت اللہ (۸۳۳ھ) کی پیش گوئیوں کی پورے کشمیر میں شہرت ہے۔ آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ شاہ اسماعیل بخاری (۸۵۰ھ) حضرت شیر شاہ بخاری (اوج شریف) کے خاندان میں سے تھے۔ آپ سید احمد کبیر کے نواسے تھے، آپ نے علاقہ جھنگ کو اپنے فیض کا مرکز بنایا، (۸) شیخ ختلانی احمسنی (۸۸۸ھ) نے بہاولپور کے وسیع علاقے میں قادری سلسلہ کی محنت کی، (۹) مخدوم شیخ جمال (۸۵۸ھ) نے اودھ کے علاقے میں اپنے روحانی فیوض جاری کئے، (۱۰) سید محمد غوث گیلانی (۹۲۲ھ) حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ لاہور آئے کچھ عرصہ یہاں ٹھہرے پھر ناگور چلے گئے، وہاں اپنے والد کی خدمت میں رہے ان کے انتقال کے بعد پھر ملتان آئے اور اوج شریف میں اپنا خیمہ لگایا، (۱۱) حضرت ثانی عبدالقادر جیلانی لاہوری (۹۳۲ھ) بغداد سے ہندوستان آئے اور امرتسر میں قیام فرمایا پھر باہری عہد میں لاہور تشریف لے آئے۔ (۱۲) حضرت سید بہاؤ الدین گیلانی المشہور بہ بہاول شیر قلندر (۹۷۳ھ) پہلے بدایوں ٹھہرے، حجرہ شاہ مقیم میں آپ کا مزار ہے۔ (۱۳) شاہ لطیف بری (۹۶۲ھ) راوولپنڈی میں ان کا مزار ہے، (۱۴) سید اسماعیل گیلانی (۹۷۸ھ) کا مزار لاہور مزنگ میں ہے، (۱۵) حضرت شاہ کمال کبھلی (۹۸۱ھ) بھی اسی سلسلہ کے بڑے بزرگ تھے، کبھلی کرتال کے

مضامات میں رہے۔ (۱۶) شیخ داؤد کرمانی (۱۹۸۲ء) چوہنیاں ضلع قصور میں ہوئے، (۱۷) سید عبداللہ ربانی (۱۹۷۸ء) اکبری عہد میں اوج میں فروکش ہوئے (۱۸) سید عبدالرزاق گیلانی (۱۹۳۳ء)، (۱۹) سید زین العابدین (۱۹۹۳ء) بنگال میں ہوئے (۲۰) حضرت شاہ قیس ساڈھوری (۱۹۹۲ء) ضلع اقبالہ میں ہوئے، (۲۱) سید جمال الدین موسیٰ پاک شہید (۱۰۰۱ھ) لٹان میں رہے۔

چوہنیاں ضلع قصور کے قریب ایک ہستی حجرہ شاہ مقیم ہے۔ (۲۲) شاہ مقیم حضرت سید بہاؤ الدین گیلانی (۱۹۷۳ء) کے پوتے تھے ان کے اجزاء بدایوں سے یہاں آئے اور انہوں نے یہاں قادری نسبت کے چراغ روشن کئے۔

مشرقی پنجاب میں تحصیل اقبالہ ضلع امرتسر میں قصبہ جگد پو خورد میں (۲۳) حضرت شاہ رحمن دیوان ثانی فروکش ہوئے یہ نہا صدیقی اور نسبتاً قادری تھے۔ شاہ رحمن ثانی کے بیٹے اور خلیفہ (۲۳) حضرت شیر محمد قادری تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے موضع ڈھوڑہ میں قیام پذیر ہوئے وہیں ان کا حزار ہے، ان کی اولاد صدیوں یہاں آباد رہی۔ شیخ بدر الدین (عرف بھولے شاہ) ان کی اولاد میں سے ہوئے۔ ان کے پوتے جناب پیر محمد غنی برسوں اقبالہ میں حکومتی سطح پر تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ ان کے بھائی محبوب عالم بھی سکول مدرس رہے۔ ان کے بیٹے نعمان اللہ گوجرانوالہ میں آباد ہوئے۔ ان حضرات نے اس پورے علاقہ میں قادری سلسلے پر محنت کی اور ان سے ایک دنیا فیض یاب ہوئی۔

تالیف میں ہم یہاں قادری ائمہ طریقت کے صرف دس حضرات کا تذکرہ کریں گے چشتی اور سہروردی سلسلوں سے بھی ہم نے اسلام کے پہلے ہزار سال کے تقریباً دس دس بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ نقشبندی سلسلہ کے پہلے دور کے صرف پانچ حضرات کا ہم نے ذکر کیا ہے، یہ سلسلہ برصغیر پاک و ہند میں آخر میں آیا ہے۔ ان کے بعد ہم انشاء اللہ العزیز دوسرے ہزار سال کے چاروں سلسلوں کے پندرہ پندرہ حضرات کا ذکر کریں گے جو اپنے اپنے وقت میں اس سلسلہ سیر وسلوک کے پیشوا رہے۔

واللہ هو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ

ہندوستان میں قادری سلسلہ کے پہلے ہزار سال کے دس بزرگ

قدس اللہ اسرارہم

(۱) حضرت رکن الدین فردوسی (۷۴۳ھ)

حضرت شیخ بدرالدین سمرقندی (۷۱۹ھ) کے خلیفہ تھے جو شیخ نجم الدین کے جانشین تھے، آپ کا مزار دہلی کہنہ میں ہے۔ آپ کے نام سے سلسلہ فردوسیہ نے بہت شہرت پائی۔ ہندوستان میں آپ کا سلسلہ نہایت دور دراز تک پھیلا ہے۔

(۲) شرف الدین منیری (۷۸۲ھ)

آپ حضرت رکن الدین فردوسی (۷۴۳ھ) کے سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔ حضرت رکن الدین شیخ بدرالدین سمرقندی (۷۱۶ھ) کے خلیفہ تھے۔ اور وہ حضرت نجم الدین بری۔۔ کے خلیفہ تھے۔ حضرت شرف الدین، حضرت شاہ نظام الدین اولیاء سے ملنے کے لیے دہلی آئے آپ اثناء راہ میں تھے کہ حضرت شاہ نظام الدین اولیاء کا انتقال ہو گیا۔ دہلی میں پہنچ کر آپ شیخ نجیب الدین فردوسی (۷۳۳ھ) سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی۔ چند سال بیابان میں عبادت و ریاضت میں رہے جب واپس آئے تو اشرف جہانگیر سمنانی سے بھی ملاقات کی۔ آپ نے عمر دراز پائی، آپ کی نماز جنازہ سید اشرف جہانگیر نے پڑھائی۔

(۳) شیخ مظفر بلخی بن شمس الدین (۷۸۸ھ)

آپ شیخ شرف الدین نجی منیری کے محبوب ترین خلیفہ تھے۔ آپ ہندوستان سے حج کے لیے مکہ گئے اور پھر وہیں مقیم ہو گئے، شیخ سے بذریعہ خط و کتابت سلوک کی تربیت پائی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کے اثناویس ۲۸ مکتوبات محفوظ رہے ہیں ان میں سے چند مکتوب برائے نمونہ آپ نے نقل بھی کئے ہیں۔ ان سے ان مکاتیب کی عظیم علمی مرتبت کا اندازہ ہوتا ہے۔ دیکھئے اخبار الاخیار (۱۱۳، ۱۱۷)

آپ کے جانشین شیخ حسین بلخی ہوئے جو آپ کے بیعتی تھے۔ آپ کے مکاتیب

حضرت شرف الدین محی منیری کے مکتوبات کے انداز کے ہیں۔ ان میں اسرار توحید مجیب
بھرائے میں ملتے ہیں۔ آپ کا ایک مکتوب معیت الہی پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر وقت ہمارے
ساتھ ہونے کا مفہوم کیا ہے اسے تختۃ الابرار مولفہ (۱۳۲۳ھ) کی جدول کے ص ۵۳۳ پر
ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) شاہ نعمت اللہ ولی (۱۸۳۴ھ)

آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت امام
عبداللہ یافعی قادری سے خرقہ خلافت پہنا اور کشمیر کے قصبہ پنگلی میں خیمہ زن ہوئے۔ آپ کی
رباعیات اس پہلو سے برصغیر پاک و ہند میں مشہور ہیں کہ ان میں آئندہ آنے والے حالات
پر بہت پیش گوئیاں ہیں مثلاً ”دو کس بنام احمد گمراہ کنند“ بے حد۔ دو شخص احمد نام
سے آگے آئیں گے اور لوگوں کو بہت گمراہ کریں گے۔

جس طرح ایران میں حافظ شیرازی کو لسان الغیب کہا جاتا ہے کشمیر میں شاہ نعمت
اللہ کی پیش گوئیاں حضرت مہدی کے دور تک نقل کی جاتی ہیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ ان میں
لوگوں نے بہت کچھ اضافے اور تحریفات بھی کی ہیں۔ آپ قادری نسبت کے امین رہے کچھ
لوگ محض شیعہ کی مخالفت میں خوارج کے بارے میں نرم گوشہ ہوئے تو آپ نے اہل بیت
کرام سے محبت کو اہل سنت عقیدے کی علامت قرار دیا اور اسے قادری سلسلہ کی روحانی آواز
کہا، فرماتے ہیں:-

| | | | |
|--------|-------|-------|-------------|
| دوشینہ | بما | درے | کشوند |
| اسرار | نہاں | بما | نمودند |
| ما | عاشق | آل | مصطفیٰ ایم |
| پیوستہ | گدائے | مرغسی | ایم |
| داریم | وقا | بال | حیدر |
| ظن | نہ | بری | کہ بے وقایم |
| بیگانہ | شدیم | از | خوارج |
| با | آل | علی | چو آشنا ایم |

درے کدہ شو جو نعمت اللہ
ما مست بادہ خدایم

ترجمہ: کل مجھ پر آسمان ولایت کا ایک دروازہ کھلا اور مجھ پر بڑے بڑے پوشیدہ راز کھلے، ہم حضور ﷺ کی اولاد کے جاں نثار ہیں اور ہمیشہ حضرت علی کے دروازے پر فقیروں کی طرح چھپے رہے ہیں، ہم آپ کی آل و اولاد کے پورے وفادار ہیں ہم بے وفا نہیں، آل علی سے آشنا ہو کر ہم خوارج سے کلیۃً بے گانہ ہیں، اے مخاطب! تو سے کدہ میں نعمت اللہ کی طرح ہو جا! ہم اپنے رب کی شرابِ محبت سے مست ہو چکے ہیں۔

(۵) شاہ اسماعیل بخاری (۸۵۰ھ)

حضرت شیر شاہ جلال بخاری کے خاندان میں سے ہیں، سید احمد کبیر کے نواسے تھے، اوج شریف کے بخاری سادات میں سے ہیں۔ چینیوٹ میں ایک محلہ کھٹنٹی سیدوں کے نام سے معروف ہے وہاں ان کا مزار ہے۔ آپ ۸۱۸ھ میں جھنگ وارد ہوئے۔ آپ کی خاندانی نسبت قادری ہے۔ پھر آپ نے چراغِ دہلی حضرت نصیر الدین کے ہاتھ پر بھی بیعت کی، آپ نے انہیں جھنگ جانے اور لوگوں میں اللہ کی محبت کی گرمی پھیلانے کی ہدایت کی۔ آپ سے یہاں بہت علم و معرفت کا نور پھیلا۔

(۶) سید محمد غوث گیلانی الحسینی (۹۲۲ھ)

آپ حلب کے رہنے والے تھے وہاں سے ہندوستان تشریف لائے والد کی محبت میں پھر حلب چلے گئے، والد کی وفات کے بعد آپ پھر ہندوستان چلے آئے اور اوج کو اپنا مرکز بنایا وہیں اوج گیلانیاں میں آپ کا مزار ہے۔ سلطان حسین مرزا (حاکم سندھ) اور سلطان سکندر لودھی (بادشاہ ہند) آپ کے ارادتمندوں میں تھے۔ قادری سلسلے کے مشہور بزرگ سید عبدالقادر جیلانی (ثانی) آپ کے صاحب زادے ہیں۔ آپ شاعر بھی تھے، دیوانِ قادری کے نام سے آپ کا دیوان چھپا ہوا ہے۔

آپ کے چار صاحبزادے ہوئے۔ (۱) سید عبدالقادر ثانی، (۲) سید عبداللہ ربانی،

(۳) سید مبارک حقانی، (۴) سید محمد نورانی۔ ان سب سے ہندوستان میں قادری سلسلے کا فیض جاری ہوا۔

سید مبارک حقانی پر جذب و استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ آپ حالت سکر میں اوج سے نکلے اور قریب کے ایک جنگل میں جو لکھی جنگل کے نام سے معروف تھا جا بیٹھے۔ آپ کسی آدم زاد کی صورت نہ دیکھنا چاہتے تھے، جس پر آپ کی نظر پڑ جاتی وہ فوراً مست اور مدہوش ہو جاتا۔ لوگ بھی آپ سے بہت بچتے تھے۔ شیخ معروف چشتی جو حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کی اولاد میں سے تھے پاک پتھن سے لکھی جنگل میں چلے آئے اور آپ سے قادری سلسلہ میں بیعت بھی کی اور خلافت بھی پائی۔ قادریوں کے نوشاہی سلسلہ کے آپ مورث اعلیٰ ہیں۔

(۷) بہاؤ الدین گیلانی المشہور بہ بہاول شیر قلندر

قلندر کا مفہوم کیا ہے؟ اسے تختہ الابرار (مولفہ ۱۳۲۳ھ) کی جدول ثالث کے ص ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

آپ پر سکر و جذب غالب تھا۔ آپ کا حجرہ نسب چند واسطوں سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ہندوستان آ کر بدایوں میں سکونت اختیار کی۔ آج کل حجرہ شاہ مقیم جس جگہ ہے وہاں کسی وقت دریا بہتا تھا۔ جس کے قریب قوم دھول آباد تھی۔ آپ کی کرامت سے دریا دور چلا گیا اور وہاں سے ایک بڑا ٹیلہ نمودار ہوا یہی وہ جگہ ہے جہاں حجرہ شاہ مقیم ہے۔ وہاں بزرگوں میں سے پہلا حزار انہی کا ہے جو وہاں بنا آپ کی یہ کرامت دیکھ کر آپ کے کئی مخالفین بھی آپ کے ارادتمند ہو گئے۔

(۸) حضرت شاہ کمال کیسلی (۹۸۱ھ)

شیخ فصیحی قادری کے خلیفہ تھے۔ نسبتاً قادری تھے لیکن اویسی نسبت آپ میں غالب تھی۔ شیخ عبدالواحد قادری جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے والد تھے، ان کے ہم عصر تھے۔

(۹) حضرت شاہ قیس گیلانی (۹۹۲ھ)

آپ کا اسم گرامی محی الدین اور لقب قیس ہے۔ بعض حضرات نے آپ کا اسم گرامی عبدالقادر بتلایا ہے۔ آپ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے والد سید ابوالحیات بغداد سے ہندوستان آئے اور بنگال میں قیام فرمایا، وہاں سے پھر ضلع

انبالہ قصبہ ساڈھورہ میں چلے آئے، یہیں حضرت شاہ قیس پیدا ہوئے۔ آپ کا بنگال میں بھی آنا جانا رہا۔ بنگال میں مسجد شاہ جلال ایک مشہور دینی مرکز ہے۔ آپ سے قادری سلسلہ ہندوستان میں بہت پھیلا۔ بنگال اور بہار میں آپ کو قادر قیس بھی کہتے رہے ہیں۔

حضرت شاہ قیس کے ایک جلیل القدر استاد ملا علاؤ الدین امورک بنگالی تھے۔ ان کے صاحبزادہ آپ کے ساتھ ساڈھورہ میں آئے اور آپ کے صاحبزادگان کو دینی تعلیم دیتے رہے۔

آپ نے روحانی تربیت اپنے والد سے پائی۔ آپ نے اپنے سفر حرمین میں شاہ جلال سے بیعت کی پھر آپ گنگوہ بھی تشریف لے گئے اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی خدمت میں حاضری دی۔ وہاں سے آپ قہامیر میں شیخ جلال الدین قہامیری کی خدمت میں آئے، شیخ جلال الدین المعروف شیخ جیوانے آپ کا پرتپاک استقبال کیا۔ تذکرۃ الرشید ج ۲ ص: ۲۳۶ میں ہے:-

ایک روز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ شیخ جلال الدین قہامیری اور حضرت شاہ قیس کا ایک ہی زمانہ تھا۔

آپ (حضرت شاہ قیس) کی سیاسی سطح پر بھی بہت قدر و منزلت تھی۔

بنگال میں والی سلطنت شاہ حسین آپ کا بہت معتقد تھا۔ آپ کی ہمایوں سے بھی ملاقات رہی۔ شیر شاہ سوری کی وفات کے بعد ہمایوں نے دوبارہ ہندوستان آنے کا قصد کیا۔ ہمایوں جب مبارکپور ٹھہرا ہوا تھا تو حضرت شاہ قیس سات سو درویشوں کی معیت میں اس کی حمایت کے لیے وہاں پہنچے، ہمایوں کا وزیر منعم خاں پہلے سے حضرت کا واقف تھا اس نے آپ کا ہمایوں سے تعارف کرایا اور بتایا کہ یہ حسین شاہ والی بنگال کے نواسہ ہیں۔

حکومت نے پورا قصبہ ساڈھورہ آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا مگر آپ نے استغناء کا اظہار فرمایا اور کہا کہ فقیر کو دنیوی مال و دولت کی ضرورت نہیں۔

بادشاہ اکبر کے دور میں بعض حاسدین نے اکبر کو آپ کے بارے میں بدگمان کرنا چاہا بادشاہ نے آپ کو دہلی بلایا آپ کے بیٹے سید شاہ محمد اور سید شاہ ابوالکلام اور کئی خدام بھی آپ کے ساتھ دہلی کے لیے چلے۔ رستے میں آپ رام پور میں اپنے خلیفہ شیخ جلال انصاری کے پاس ٹھہرے اور انہیں بتلایا کہ یہ آپ کا آخری سفر ہے۔ وہاں سے آپ نے اپنے صاحبزادگان کو ساڈھورہ واپس جانے کا حکم دیا اور خود دہلی تشریف لے گئے۔ بادشاہ اکبر نے

اپنے خاص آدمیوں کو آپ کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ دیکھیں کہ یہ مہمان کسی درجے کا ہے، اگر ایسا ہے کہ اس سے ملاقات کی جائے تو وہ اسے لے آئیں اور بادشاہ ان سے ملاقات کرے بادشاہ خود جہرہ کہ میں بیٹھ کر اس منظر کو دیکھنے کا خواہاں تھا کہ اللہ والوں پر اسرار الہی کس طرح کھلتے ہیں۔

وہاں ایک فرضی جنازہ لایا گیا ایک زندہ شخص کفن میں لپیٹا چار پائی پر رکھا گیا تھا۔ اور حضرت کو اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کہا گیا آپ نے نماز جنازہ پڑھنے سے پہلے اللہ رب العزت کے حضور عرض کی:-

قادرا قدرت تو داری ہرچہ خواہی سے کنی

مردہ را زندہ کنی و زندہ را مردہ کنی

پھر کیا ہوا؟ آپ کے اللہ اکبر کہتے ہی اس زندہ مردے کی روح نفس عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ کی ایک کرامت نے اس مردے کا لباس مجاز اتار کر اسے اسی کفن میں حقیقت آشنا کر دیا۔ حضرت شاہ قیس پھر دہلی سے عازم بنگال ہوئے اور وہاں اپنے والدین کی قبروں پر حاضری دی۔

آپ کی اولاد میں قادری نسبت کے مشہور بزرگ سید عاصم علی شاہ (۱۲۰۴ھ) بہ مقام پٹنلا (ضلع انبالہ) مقیم تھے، وہاں حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی (۱۲۳۶ھ) آپ سے بیعت ہوئے پھر آپ نے شاہ عبدالباری امر وہی سے سلسلہ چشتیہ میں سلوک کی منزلیں طے کیں اور پھر حضرت سید احمد شہید سے نقشبندی سلسلہ میں نسبت پائی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی شاہ عبدالرحیم ولایتی کی عظیم روحانی نسبت کا اعتراف کیا ہے۔ آپ نے شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحی اور حضرت مولانا اسلمعلیل شہید سے بھی علمی استفادہ کیا۔ حضرت میانجو نور محمد گھنچمانوی (۱۲۵۹ھ) بھی حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی سے بیعت ہوئے تھے۔

تصوف میں رہبانیت نہیں

ہم جلد اول میں اس پر تفصیل سے بحث کر آئے ہیں کہ اسلام میں رہبانیت نہیں نہ صوفیہ کرام کی خانقاہیں اس لئے ہیں کہ وہ سیرت نبوی کے خلاف لوگوں کو خانقاہوں میں بٹھائے رکھیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ حضرت معین الدین چشتی اجیرتی نے پرتھی راج کا مقابلہ کیا

اور اپنی پوری روحانی قوت سے جو گیان ہند کا جادو توڑا۔ حضرت شاہ قییس بھی اپنی زندگی کے آخری مرحلہ میں بہار کے ایک علاقہ میں کفار سے نبرد آزما ہوئے، کفار نے اس دوران حضرت کی متعدد کرامات دیکھیں اور وہ اپنے راجہ سمیت ہندو مذہب سے تائب ہو کر داخل دارہ اسلام ہو گئے۔ حضرت شاہ قییس نے پھر بہار میں چلہ کشی فرمائی۔

یہ حقیقت ہے کہ ان شاہان تصوف نے جس طرح لوگوں کو دلوں کی پاکیزگی کے درس دیئے اور ان کے دلوں میں محبت خداوندی کے چراغ روشن کئے اسی طرح انہوں نے دنیا والوں کو مال و دولت اور جاہ و حشمت پر زندگی لگانے سے بھی روکا۔ دنیا کی حقیقت انہیں فانی دکھائی دینے لگی اور خدا کی بادشاہی میں داخل ہونے کے لیے اب ان کے لیے موت کا پہلے عبور کرنا آسان ہو گیا۔

حضرت شاہ قییس بھی انہیں سعادت مندوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی جان کی وہ قیمت لگائی کہ اللہ رب العزت کے ہاں وہ اس کا درجہ پا گئے۔ آپ نے بنگال میں انتقال فرمایا اور وہاں سے آپ کی میت ساڈھورہ لائی گئی۔ آپ کا مزار وہیں مرجع عوام و خواص بنا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں:-

وفات شاہ قییس در بنگال واقع شد بتقریب آنکہ سلطان مہد الشان
آنجناب را در آنجا فرستادہ بود

(۱۰) حضرت شیخ وحید الدین علوی (۹۹۸ھ)

ایک دفعہ بابا اٹحق مغربی اپنی خانقاہ کی دہلیز پر کھڑے تھے کہ آپ نے مٹی کا ایک ڈھیلا ان کی طرف پھینکا اور کہا اے لڑکے کب تک فسق و فجور میں مبتلا رہے گا؟ یہ لڑکا اسی وقت بے ہوش ہو کر گر پڑا ایسا گرا کہ اب اس کی زندگی ہی بدل گئی۔ آپ نے اس کے منہ میں پانی ڈالا اور اسے ہوش میں لے آئے۔ اسی وقت شیخ وحید الدین آپ سے بیعت ہوئے اور چند دنوں میں ہی شیخ کامل نے آپ کو مقام قطبیت تک پہنچا دیا، پھر کیا دنوی و جاہت ملی؟ اکثر سلاطین ہند آپ کے مرید تھے۔ چودہ سو کے قریب آپ کے خلفاء تھے۔ پندرہ برس مجاورت رسول اللہ ﷺ میں گزارے پھر گجرات آ کر مقیم ہو گئے۔ آپ نے حضرت محمد غوث گوالیاری سے خلافت شطاریہ بھی حاصل کی۔ ہم یہاں اسلام کے پہلے ہزار سال کے ان دس

قادری بزرگوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

شاہان تصوف کے کفر سے معرکے

شاہان تصوف بے شک تزکیہ نفس کے لیے مراقبہ اور غلوت نشینی کرتے ہیں لیکن ان کے یہ اعمال اور ریاضتیں محض اس لئے ہوتی ہیں کہ وہ اپنے اخلاق اور قوت ارادی میں وہ استحکام پیدا کریں کہ پھر اگر حالات کا سامنا ہو تو وہ کفر و الحاد سے پوری مکر لے سکیں۔

ہم نے چشتی سلسلے، سہروردی سلسلے اور قادری سلسلے کے اسلام کے پہلے ہزار سال کے تقریباً دس دس بزرگوں کا یہاں مختصراً ذکر کر دیا ہے۔ آئیے اب نقشبندی سلسلہ کے بھی پہلے ہزار سال کے کچھ بزرگوں کا ذکر کریں۔ نقشبندی سلسلہ حضرت خواجہ محمد بہاؤ الدین نقشبند سے چلتا ہے، آپ خواجہ محمد بابا ساسی (۷۷۵ھ) کے خلیفہ تھے۔ آپ سے یہ سلسلہ مشہور مفسر قرآن حضرت خواجہ یعقوب چرنی (۷۷۱ھ) سے چلا، ان کے خلیفہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار (۸۹۵ھ) ہوئے۔ ان سے یہ سلسلہ ہندوستان پہنچا۔ یہاں سب سے پہلے خواجہ عبید اللہ احرار کے بیٹے حضرت شاہ عبدالحق تشریف فرما ہوئے۔

ہندوستان میں پہلے ہزار سال کے پانچ نقشبندی بزرگ

ان حضرات کی آمد پہلے افغانستان ہوئی پھر ہرات، غزنی اور کابل کی راہوں سے یہ مشائخ طریقت ہندوستان میں آئے۔ ان حضرات کی ہندوستان آمد چشتی، قادری اور سہروردی سلسلوں سے کچھ متاخر ہے یہاں سب سے پہلے حضرت شاہ عبدالحق (۷۷۱ھ) تشریف لائے آپ سے سید اجمل بہاؤی اور ان سے سید بڈھن شاہ بہاؤی نے خلافت پائی۔ سید بڈھن شاہ کے خلیفہ شیخ درویش تھے، حضرت مولانا درویش سے چشتی سلسلہ کے مرکزی بزرگ شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے بھی خلافت پائی۔

یہ نقشبندی سلسلہ کے برصغیر پاک و ہند کے پہلے پانچ بزرگ ہیں، پھر حضرت خواجہ ملکنسی کے خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ (۱۰۱۲ھ) شیخ کے حکم سے ہندوستان آئے۔ یہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے شیخ ہیں۔

پہلے ہزار سال کے نقشبندی بزرگوں میں سے ہم یہاں صرف پانچویں بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ باقی باللہ (۱۰۱۲ھ)

جس طرح ہندوستان میں پہلے مسلم فاتحین زیادہ تر افغانستان کی راہ سے آئے شاہان طریقت بھی زیادہ تر اسی راہ سے واردین دیار ہند ہوئے۔ نقشبندی نسبت کے پہلے بزرگ جو ہندوستان میں آئے وہ خواجہ عبید اللہ احرار کے بیٹے شاہ عبدالحق تھے۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کو اس پہلو سے زیادہ عظمت حاصل ہے کہ آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی کے شیخ طریقت ہیں۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ کامل کے ایک بڑے جلیل القدر عالم قاضی عبدالسلام کے ہاں ۹۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور ایک دوسرے نامور عالم مولانا محمد صادق سے دینی علوم کی تکمیل کی۔ مولانا محمد صادق باطنی کمالات میں بھی ایک برگزیدہ بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ باقی باللہ نے پہلا سفر اپنے شیخ کے ساتھ ماوراء النہر کی طرف کیا اور وہاں کے دوسرے علماء اور بزرگوں سے بھی استفادہ کیا۔

ان دنوں ان علاقوں میں ہندوستان کے اولیاء کرام کی بڑی شہرت تھی، آپ کے دل میں بھی ذامیہ پیدا ہوا کہ ہندوستان کا رخ کریں۔ صوفیہ کرام نے ہندوؤں میں کام کرنے میں بڑی دلچسپی لی اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان میں ایک بڑی تعداد میں ہندو مسلمان ہو گئے۔

افغانستان میں آپ نے جن بزرگوں کی خدمت میں حاضری دی ان میں خواجہ عبید اللہ احرار، امیر عبداللہ بلخی، شیخ سمرقندی اور شیخ بابا میوالی کے نام سرفہرست ہیں تاہم ابھی آپ اس مرد خدا کی تلاش میں تھے جس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر آپ اس بحر طریقت کو عبور کریں، ہندوستان میں بھی آپ اسی ارادہ سے آئے۔ آپ فرماتے ہیں یہاں حضرت بہاؤ الدین زکریا کی روحانی توجہ میرے شامل حال رہی۔

آپ پھر سمرقند اور ماوراء النہر چلے آئے۔ یہاں مراقبہ میں تھے کہ حضرت خواجہ ملکنگھی کی زیارت سے مشرف ہوئے یہی وہ مرد خدا تھے جس کی آپ کو تلاش تھی، آپ ان سے بیعت ہوئے خلافت پائی حضرت خواجہ ملکنگھی نے بھی آپ کو ہندوستان جانے کا کہا اور آپ آپ کے حکم کی تعمیل میں ہندوستان چلے آئے۔

شروع میں آپ نے لاہور میں قیام کیا پھر حضرت خواجہ ملکنگھی کے حکم سے آپ دہلی

چلے آئے اور وہاں اوراد و وظائف میں منہمک ہو گئے۔ آپ کا مزار دہلی میں صدر بازار کے قریب قطب روڈ پر واقع ہے۔

اب پیشتر اس کے کہ ہم برصغیر پاک و ہند کے دوسرے ہزار سال کے کچھ بزرگوں کا تذکرہ کریں ہم ان چار سلسلوں کے برصغیر پاک و ہند کے پہلے ہزار سال (نصف ثانی) کے بزرگوں کا ایک مختصر نقشہ ایک نئی ترتیب سے ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔ یہ ان سلاسل کے شجرے نہیں، معروف بزرگوں کے اپنے اپنے تذکرے ہیں۔

نقشبندی سلسلہ آگے چل کر زیادہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی نسبت سے معروف ہوا اور اس نے نقشبندیہ مجددیہ کا نام پایا۔

اسلام کے پہلے ہزار سال کے رجال تصوف برصغیر پاک و ہند میں

| سلسلہ چشتیہ | سلسلہ قادریہ | سلسلہ سہروردیہ | سلسلہ نقشبندیہ |
|-------------------------------|-----------------------------|---------------------------|----------------------------------|
| خواجہ یحییٰ بن اسماعیل اجمیری | شیخ رکن الدین | شیخ حمید الدین ناگوری | شاہ عبدالرحمن بن حمید اللہ احرار |
| (۵۶۲۳ھ) | فرودی (۷۳۳ھ) | (۵۶۳۱ھ) | میراں اہمل بہاؤنگی |
| خواجہ قطب الدین بختیار کاکی | شیخ شرف الدین منیری | سید شیخ جلال الدین ترمیزی | سید بزمین بہاؤنگی |
| (۵۶۳۳ھ) | (۷۸۲ھ) | (۵۶۳۲ھ) | خواجہ رودیش محمد قاسم |
| بابا فرید الدین گنج شکر | شیخ سید علی ہرانی (۷۸۶ھ) | سید جلال الدین بخاری سرخ | مولانا عبداللہ |
| (۵۶۶۲ھ) | شیخ محمد علی نور بخش (۷۵۷ھ) | (۵۶۹۰ھ) | حضرت خواجہ باقی باللہ |
| خواجہ علی احمد صاحب (۵۶۹۰ھ) | شیخ مظفر علی (۷۸۸ھ) | شیخ بہاؤ الدین زکریا | (۱۰۱۳ھ)۔ |
| شاہ نظام الدین اولیاء | نعت اللہ شاہ ولی (۸۳۳ھ) | (۵۶۶۲ھ) | |
| (۵۷۲۵ھ) | شاہ اسماعیل بخاری (۸۵۰ھ) | شیخ صدر الدین عارف | |
| شیخ نصیر الدین چراغ ولی | مخدوم شیخ جمال گجرہ | (۵۶۷۳ھ) | |
| (۷۷۵ھ) | (۸۵۸ھ) | شیخ فخر الدین عراقی | |
| خواجہ شمس الدین ترک | سید محمد غوث گیلانی (۹۲۳ھ) | (۵۶۸۸ھ) | |
| (۷۷۵ھ) | سید عبدالقادر گیلانی ثانی | شیخ صدر الدین امیر حسینی | |
| ابوالحسن امیر خسرو | (۹۳۲ھ) | (۷۷۱۹ھ) | |
| (۷۷۸۶ھ) | سید مبارک عثمانی (۹۵۶ھ) | شیخ شرف الدین بویلی | |
| سید محمد اشرف جہانگیر ستانی | سید محمد حضوری (۹۳۲ھ) | (۷۷۳۳ھ) | |
| (۸۰۸ھ) | شاہ لطیف بری (۹۶۲ھ) | شاہ رکن عالم (۷۷۳ھ) | |
| خواجہ گیسو دراز (۸۲۵ھ) | سید بہاؤ الدین گیلانی | علاء الدین مغانی (۷۷۳۰ھ) | |
| جلال الدین کبیر اولیاء | (۹۷۳ھ) | ضیاء الدین بخش (۷۷۵۱ھ) | |
| شیخ عبدالقدوس گنگوہی | شاہ کمال کبستی (۹۸۱ھ) | مخدوم جہانیاں (۸۰۸ھ) | |
| (۹۳۳ھ) | شاہ قمیس (۹۹۲ھ) | شاہ موسیٰ سہاک (۸۵۳ھ) | |
| وحید الدین طوی (۹۹۸ھ) | سید جمال الدین موسیٰ | شیخ حمزہ کشمیری (۹۸۳ھ) | |
| ناک شہید (۱۰۰۱ھ) | | | |
| | | | سراج دریا بخاری (۱۰۱۳ھ) |

احب الصالحین ولست منهم

لعل اللہ یوزقنی صلاحاً

ہم نے یہاں اسلام کے پہلے ہزار سال کے چاروں سلسلوں کے کچھ بزرگوں کا ذکر کر دیا ہے ان سے یہاں سلوک کے ان چار سلسلوں کا تعارف ہو گیا ہے۔ آئندہ ہم دوسرے ہزار سال کے کچھ بزرگوں کا اپنی نسبتوں سے ذکر کریں گے۔ واللہ هو الموفق لما یحبہ و یرضی بہ۔ ہم یہاں ان چاروں سلسلوں کا ایک مختصر تعارف ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

ہندوستان میں سلوک کے سلاسل اربعہ کا آغاز

ہندوستان میں آنے والے پہلے بڑے بزرگ قطب ولایت حضرت علی ہجویری لاہوریؒ (۳۶۵ھ) ہیں۔ سلوک و احسان میں آپ حضرت جنید بغدادی کے طریقہ پر تھے۔ اس وقت تک طریقت کے چار معروف سلسلے اس طرح قائم نہ ہوئے تھے کہ حضرت علی ہجویری کا کسی ایسے نام سے تعارف ہو۔ ان کے بعد یہاں وارد ہونے والے اولیاء کرام زیادہ انہی چار ناموں سے پہچانے جاتے رہے ہیں۔

۱۔ قادری سلسلے کا آغاز بغداد میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ) سے ہوتا ہے اور پھر آپ کی اولاد کے وساطت سے یہ سلسلہ ہندوستان میں آیا۔

۲۔ سہروردی سلسلے کا آغاز بھی بغداد سے ہوا شیخ ضیاء الدین سہروردیؒ (۵۶۳ھ) اس سلسلے کے پہلے بزرگ تھے، پھر شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (۶۳۳ھ) کا نام آتا ہے۔ پھر یہ سلسلہ شیخ طریقت حمید الدین ناگوریؒ (۶۴۱ھ) کے ذریعہ ہندوستان پہنچا۔ سیاسی سطح پر یہ شہاب الدین غوری کا دور تھا، سہرورد علاقہ بغداد میں ایک قبیلے کا نام ہے اس نام سے یہ سلسلہ معروف ہوا۔ ہم اس سلسلے کے دس بزرگوں کا ذکر پیچھے کر آئے ہیں۔

۳۔ چشتی سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ (ولادت ۵۳۷ھ، وفات ۶۳۲ھ) سے چلا۔ ہم نے اس سلسلے کے پہلے دور کے چھ بزرگوں کو ایک ترتیب سے ذکر کیا ہے پھر آگے چار اور بزرگ بھی ذکر کئے ہیں، ہم آئندہ انشاء اللہ امت کے اگلے ہزار سال میں اس سلسلے کے کچھ اور بزرگوں کا ذکر بھی کریں گے۔ چشتی صابری اور چشتی نظامی اس سلسلے کی دو مشہور شاخیں ہیں۔

۴۔ نقشبندی سلسلہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ (۷۹۱ھ) سے چلا اور ہندوستان میں

حضرت شاہ عبدالحق بن خواجہ عبید اللہ احرار کے ذریعہ پہنچا۔ تین واسطوں سے یہ سلسلہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی (۹۳۳ھ) تک پہنچا۔ آپ چشتی سلسلہ کے مرکزی شیخ تھے تاہم آپ نے یہ نسبت بھی حاصل کی، آگے چل کر مجددی سلسلہ قائم ہوا۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے بیٹے شیخ رکن الدین کے خلیفہ مولانا عبدالاحد قادری سلسلہ کے مجاز تھے آپ کے بیٹے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۳ھ) ہوئے جو یہاں مجددی سلسلہ کے امام ٹھہرے، آپ حضرت خواجہ باقی باللہ کے واسطے سے بھی حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند تک پہنچتے ہیں۔

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ ان سلسلوں میں کوئی تضاد کی نسبت نہ تھی بیشتر بزرگ چاروں نسبتیں رکھتے تھے گو وہ کسی ایک میں زیادہ معروف رہے ہوں، یہ اپنے مریدین میں جس کو جس سلسلہ میں مناسب سمجھیں بیعت کر لیتے تھے پھر جو خوش نصیب ان منزلوں میں کامیاب نکلے اسے بسا اوقات چاروں سلسلوں کی اجازت مل جاتی تھی۔

بحر طریقت کے چشمہ ہائے ولایت
اسلام کے دوسرے ہزار سال کے ائمہ تصوف
از پاک و ہند

الحمد لله و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعد!

اسلام کے پہلے ہزار سال کے نصف اول میں علماء اسلام زیادہ تر تدوین علوم میں مصروف رہے اور یہ دور حدیث و فقہ کا دور رہا گوروحانی نسبتیں بھی ساتھ ساتھ قائم تھیں لیکن اس عہد میں علماء اسلام زیادہ اپنی بڑی ذمہ داری احتمال بالعلم میں لگے رہے۔ اسی دور میں حدیث و فقہ کے ذخیرے مدون ہوئے اور اہل علم کی ایک علمی لائن قائم ہو گئی۔ اس میں بے شک علمی وسعتیں رہیں اس دور میں اجتہادی مسائل میں اختلاف کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اس دور میں بھی ائمہ تصوف اپنی پہلی صف بچھا چکے تھے۔ اس میں حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ)، حضرت سری سقطی (۲۵۰ھ)، حضرت بایزید بسطامی (۳۶۱ھ)، حضرت ذوالنون مصری (۳۳۵ھ) اور ابوالحسن الخرقانی (۳۳۳ھ) سر فہرست نظر آتے ہیں۔

پھر پہلے ہزار سال کے نصف ثانی میں سلسلہ اولیاء کرام بڑی تیزی سے ابھرا۔ چار روحانی سلسلوں میں سلسلہ چشتیہ یہیں سے اٹھا۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری (۶۳۲ھ) اس سلسلہ کے ہندی پیشرو ہیں۔ قادری اور سہروردی دونوں سلسلے پہلے بغداد میں چلے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی (۵۶۱ھ) اور حضرت خواجہ ضیاء الدین سہروردی (۵۶۳ھ)، شیخ حضرت خواجہ شہاب الدین سہروردی (۶۳۳ھ) سے ان سلسلوں کا آغاز ہوا۔ نقشبندی سلسلہ خواجہ بہاؤ الدین نقشبند (۷۹۱ھ) سے چلا اور حضرت باقی باللہ سے ہندوستان میں آیا۔ سب سے پہلے

حضرت شیخ عبید اللہ احرار کے بیٹے اور خلیفہ شاہ عبدالحق وارد دیار ہند ہوئے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی کتابیں فتوح الغیب، غنیۃ الطالبین، مجالس ربانی اور سہروردی حضرات کی آداب المریدین اور عوارف المعارف اس دور کے آثار احسان و سلوک ہیں۔ دونوں سلسلے بغداد سے ہندوستان پہنچے۔ نقشبندی سلسلہ کے پیشرو افغانستان کی راہ سے ہندوستان آئے۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ (۱۰۱۲ھ) پہلے ہزار سال کے نصف ثانی کے آخری بزرگ ہیں، آپ نے حضرت خواجہ ملکنگھی (۱۰۰۸ھ) سے خرقہ خلافت پایا۔

اسلام کے دوسرے ہزار سال میں برصغیر پاک و ہند میں نقشبندی نسبت بہت تیزی سے ابھری اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا فیض سلوک اور علم و عرفان دیکھتے دیکھتے پورے ہندوستان پر چھا گیا۔ مجددی نسبت سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا فیضان بھی ساتھ ساتھ رہا اس جہت سے یہ نقشبندی اور قادری دونوں نسبتوں کا قرآن السعدین رہا اور یہاں ہم پہلے دوسرے ہزار سال کے نقشبندی، چشتی اور قادری بزرگوں کا ایک یکجا خاکہ پیش کرتے ہیں۔ اس کے بعد ہم اپنے قارئین کے لیے انہیں کھلے پیرایہ میں پڑھنے کے لیے دوبارہ پیش کریں گے۔ واللہ هو الموفق لما یحبہ ویرضی بہ۔

اسلام کے دوسرے ہزار سال کے پاک و ہند کے رجال تصوف

| تقدیری حضرات | چشتی حضرات | نقشبندی حضرات |
|--|--------------------------------------|---------------------------------------|
| ۱۔ حضرت مجدد الف ثانی (۱۰۳۳ھ) | حضرت ابوسعید گنگوہی (۱۰۳۹ھ) | موج دریا بخاری (۱۰۱۳ھ) |
| ۲۔ حضرت خواجہ محمد مصوم (۱۰۷۹ھ) | شاہباز محمد بھاگپوری (۱۱۳۳ھ) | شاہ نعمت اللہ سرہندی (۱۰۱۷ھ) |
| ۳۔ حضرت سید آدم بنوری (۱۰۵۳ھ) | حضرت شاہ مہدالہادی امروہوی (۱۱۹۰ھ) | شاہ بدر پوان گیلانی (۱۰۱۸ھ) |
| ۴۔ حضرت خواجہ محمد نقشبندی ثانی (۱۱۱۳ھ) | حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (۱۲۰۵ھ) | شاہ ابوالعالی (۱۰۳۳ھ) |
| ۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ) | حضرت میاں نور محمد میانچی (۱۲۵۹ھ) | حاجی مصطفیٰ سرہندی (۱۰۳۹ھ) |
| ۶۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) | حضرت شاہ سلیمان تونسوی (۱۲۶۷ھ) | حضرت میاں میر (۱۰۳۰ھ) |
| ۷۔ حضرت شاہ عبدالعزیز (۱۲۳۹ھ) | حضرت محمد علی خیر آبادی (۱۲۶۶ھ) | شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) |
| ۸۔ حضرت شاہ غلام علی (۱۲۳۰ھ) | حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۳۰۰ھ) | شاہ چراغ (۱۰۶۸ھ) |
| ۹۔ شاہ ابوسعید (۱۲۵۰ھ) | حضرت حاجی امداد اللہ (۱۳۱۷ھ) | سلطان بابہ (۱۱۰۲ھ) |
| ۱۰۔ مولانا رشید الدین خان (۱۲۵۰ھ) | حضرت مولانا محمد قاسم (۱۲۹۷ھ) | شاہ گنج بخش (۱۱۳۳ھ) |
| ۱۱۔ شاہ محمد آفاق (۱۲۵۱ھ) | حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ) | سید احمد شیخ الہند (۱۱۳۶ھ) |
| ۱۲۔ حضرت شاہ نصیر الدین (۱۲۵۶ھ) | حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری (۱۳۳۰ھ) | شیخ عبدالواحد والد حضرت مجدد الف ثانی |
| ۱۳۔ حضرت شاہ محمد الحق (۱۲۶۲ھ) | مولانا ظلیل احمد سہارنپوری (۱۳۳۶ھ) | سلطان ولی محمد (۱۱۶۰ھ) |
| ۱۴۔ حضرت مولانا اسٹیل شہید (۱۲۶۶ھ) | مولانا حسین علی واں پھراں (۱۳۶۳ھ) | حضرت شاہ فیصل |
| ۱۵۔ شاہ عبدالرحیم دلائی (۱۲۶۶ھ) | مولانا محمد اشرف علی قانوی (۱۳۶۳ھ) | حضرت سید صفت اللہ (سندھ) |
| ۱۶۔ مولانا ولایت علی (۱۲۶۹ھ) | ریس التلیغ مولانا محمد الیاس صاحب | شاہ عبدالرحیم رائے پوری (۱۳۳۰ھ) |
| ۱۷۔ شاہ عبدالغنی (۱۲۹۶ھ) | مولانا سید حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ) | شاہ عبدالقادر رائے پوری (۱۳۸۲ھ) |
| ۱۸۔ میاں شیر محمد شہر پوری (۱۳۳۷ھ) | پیر محمد علی شاہ گلڑوی (۱۳۵۶ھ) | خلیفہ غلام محمد دہچوری (۱۳۵۳ھ) |
| ۱۹۔ مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی (۱۳۳۳ھ) | حضرت مولانا شاہ وصی اللہ | حضرت مولانا تاج محمد امروہوی (۱۳۶۸ھ) |
| ۲۰۔ مولانا محمد علی موگیری (۱۳۳۶ھ) | حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری (۱۳۸۲ھ) | حضرت مولانا احمد علی لاہوری (۱۳۸۱ھ) |
| ۲۱۔ مفتی عزیز الرحمن پٹانی (۱۳۳۷ھ) | شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا (۱۴۰۲ھ) | مولانا عبدالہادی دہچوری (۱۳۹۸ھ) |
| ۲۲۔ مولانا احمد خاں کنڈیاں (۱۳۶۰ھ) | حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ | رحیم اللہ تقانی اجمین |
| ۲۲۔ خواجہ محمد فضل علی قریشی (۱۳۵۳ھ) | مولانا محمد صدیق بامدوی | |
| ۲۳۔ محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنی (۱۳۸۵ھ) | | |

نقشبندی نسبت کے دوسرے ہزار سال کے پہلے دور کے بزرگ

- ۱- حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۱۰۳۳ھ)
- ۲- حضرت سید آدم بنوری (۱۰۵۳ھ)
- ۳- حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی (۱۰۷۹ھ)
- ۴- خواجہ خواجگان محمد نقشبند ثانی (۱۱۱۳ھ)
- ۵- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)
- ۶- حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)
- ۷- امام انیسیر قاضی شاہ اللہ پانی پٹی (۱۲۲۵ھ)
- ۸- حضرت شاہ غلام علی (۱۲۳۰ھ)
- ۹- مولانا غلام محی الدین قصوری (۱۲۷۰ھ)
- ۱۰- حضرت شاہ محمد آفاق (۱۲۵۱ھ)
- ۱۱- حضرت شاہ محمد اسلمی (۱۲۶۲ھ)
- ۱۲- حضرت سید احمد شہید، شاہ عبدالرحیم ولایتی، شاہ اسماعیل شہید (۱۲۶۶ھ)

ان کے بعد کے نقشبندی حضرات کی یہ فہرست بھی ملاحظہ فرمائیں۔

- ۱- حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی (۱۳۲۳ھ)
- ۲- حضرت میاں شیر محمد شرقپوری (۱۳۳۷ھ)
- ۳- حضرت مولانا محمد علی موٹگیری (۱۳۳۶ھ)
- ۴- حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانی (۱۳۳۷ھ)
- ۵- حضرت مولانا احمد خاں کندیاں شریف (۱۳۸۵ھ)
- ۶- شیخ الحدیث مولانا بدر عالم مدنی (۱۳۹۸ھ)
- ۷- حضرت مولانا عبداللہ بہلوی (۱۳۹۸ھ)

سلسلہ چشتیہ کی دو عظیم شاخیں چشتیہ نظامیہ اور چشتیہ صابریہ کے ناموں سے معروف ہوئیں، یہ حضرت شاہ نظام الدین (دہلی) اور حضرت صابریہ (کلیر شریف) سے چلی آ رہی ہیں۔ یہاں ہم پہلے سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے چند بزرگوں کا ذکر کرتے ہیں۔

- ۱- حضرت شیخ ابوسعید گنگوئی (۱۰۴۹ھ)
- ۲- حضرت شیخ شہباز بھاگلپوری (۱۱۳۲ھ)
- ۳- حضرت شاہ عبدالہادی امروی (۱۱۹۰ھ)
- ۴- حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (۱۲۰۵ھ)
- ۵- شیخ حافظ محمد علی خیر آبادی (۱۲۶۶ھ)
- ۶- حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی (۱۲۶۷ھ)
- ۷- خواجہ فیض بخش از اللہ شریف (۱۲۸۲ھ)
- ۸- حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی (۱۳۰۰ھ)
- ۹- حضرت مولانا حسین علی از واں پھراں (۱۳۶۳ھ)
- ۱۰- جناب پیر میر علی شاہ گولڑوی (۱۳۲۶ھ)

اب سلسلہ چشتیہ صابریہ کے ان چند بزرگوں کے اسماء گرامی ملاحظہ کیجیے:

- ۱- حضرت میاں نور محمد تمبھانی نومی (۱۲۵۹ھ)
 - ۲- حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرکی (۱۳۱۷ھ)
 - ۳- قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوئی (۱۳۲۳ھ)
 - ۴- حضرت شیخ حافظ محمد علی خیر آبادی (۱۲۶۶ھ)
 - ۵- حضرت مولانا غلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۳۶ھ)
 - ۶- حکیم الامتہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ)
 - ۷- حضرت مولانا شاہ وصی اللہ (۱۳۷۷ھ)
 - ۸- شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی (۱۳۸۲ھ)
 - ۹- حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری (۱۳۸۲ھ)
 - ۱۰- برکت العصر مولانا محمد زکریا کاندھلوی (۱۴۰۲ھ)
 - ۱۱- حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ جلال آبادی (۱۴۰۳ھ)
 - ۱۲- حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی (۱۴۰۳ھ)
- نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں بلا امتیاز چشتی نسبت کے کچھ بزرگوں کا بھی ذکر کر دیں۔
- ۱- حضرت شیخ ابوسعید گنگوئی (۱۰۴۹ھ)

- ۲- حضرت شیخ شہباز بھاگلپوری (۱۱۳۲ھ)
 ۳- شاہ عبدالہادی امرودی (۱۱۹۰ھ)
 ۴- حضرت خواجہ نور محمد مہاروی (۱۲۰۵ھ)
 ۵- حضرت میاں نور محمد جمجھانوی (۱۲۵۹ھ)

دوسرے ہزار سال کے قادری نسبت کے ان بارہ بزرگوں کے اسماء گرامی بھی ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

- ۱- شاہ ابوالعالی (۱۰۲۳ھ) ۲- حضرت میاں میر (۱۰۳۰ھ)
 ۳- شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) ۴- حضرت شاہ چراغ (۱۰۶۸ھ)
 ۵- سلطان ولی محمد (۱۱۶۰ھ) ۶- حضرت سید صنتہ اللہ (سندھ)
 ۷- شاہ عبدالرحیم رائپوری (۱۳۳۰ھ) ۸- خلیفہ غلام محمد دینپوری (۱۳۵۳ھ)
 ۹- مولانا سید تاج محمد امرودی (۱۳۳۸ھ) ۱۰- حضرت مولانا احمد علی لاہوری (۱۳۸۱ھ)
 ۱۱- شاہ عبدالقادر رائپوری (۱۳۸۲ھ) ۱۲- مولانا عبدالہادی دینپوری (۱۳۹۸ھ)

ہم پیچھے ایک ایک نسبت کی ایک ایک فہرست ہدیہ قارئین کر آئے ہیں آگے ہم ان کے کچھ تذکرے بھی ہدیہ قارئین کریں گے۔ انشاء اللہ العزیز یہ تذکرے آپ کو دوسرے ہزار سال کے ساتھ کے قریب رجال تصوف سے متعارف کر دیں گے۔

ان ساتھ ائمہ طریقت میں بیشتر حضرات وہ ہیں جن میں کئی کئی نسبتیں قائم ہوئیں تاہم یہ اولیاء کرام زیادہ معروف کسی ایک نسبت میں ہوئے۔ یہ حقیقت ہے کہ کئی اجازتوں میں کئی دوسرے سلسلوں کی برکات بھی ان کے شامل حال رہی ہیں۔

ان ساتھ ائمہ طریقت کا تذکرہ ہم انشاء اللہ العزیز اسی ترتیب سے کریں گے جس میں ہم نے ان کے اسماء گرامی کی فہرستیں ہدیہ قارئین کی ہیں۔

کئی کئی نسبتوں کے اجازت نامہ کی ایک جھلک

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم بطور نمونہ یہاں دو حوالے بھی عرض کر دیں کہ یہ مسافران راہ طریقت اور بزرگان راہ سلوک کس طرح اپنے وقت میں کئی کئی نسبتوں کے بھی امین رہے ہیں اور متعدد نسبتوں کے ساتھ چلے ہیں۔ ان دوسرے بزرگوں کے اجازت نامے ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ اجازت نامہ حضرت سید احمد شہیدؒ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله
محمد سيلة الطالبين و على اله و اصحابه ائمة السالكين
اما بعد!

پس برادر دینی جمیع مومنین کے خیر خواہ سید احمد کے ہاتھ پر شرف بیعت و توبہ سے
شرف ہوا اور طریقہ چشتیہ و قادریہ و نقشبندیہ مجددیہ و محمدیہ کی سلک میں فقیر کے توسط سے
منسلک ہوا۔ اللہ ان طریقوں کی نعمتیں انہیں نصیب فرمائے اور شریعت غراء کی اتباع میں
استقامت عطا فرمائے۔ آمین۔

مورخہ ہفتم ذی الحجہ (۱۲۳۶ھ) من مقام تخت ہند

۲۔ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی قدس اللہ سرہ العزیز

سلسلہ چشتیہ صابریہ قدوسیہ

سلسلہ چشتیہ نظامیہ قدوسیہ

سلسلہ علیہ قادریہ قدوسیہ

سلسلہ علیہ نقشبندیہ قدوسیہ

سلسلہ سہروردیہ قدوسیہ

سلسلہ علیہ کبرویہ قدوسیہ

یہ ہر چھ نسبتیں چشتی صابری سلسلہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ
(۹۳۳ھ) سے پہلی ہیں اور پھر حضرت حاجی صاحب میں آگئی ہیں۔

فقہی نسبتوں اور روحانی نسبتوں میں فرق

اہل السنۃ والجماعۃ اپنی فقہی نسبتوں میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے طریقوں سے
موسوم ہیں۔ یہ چار فرقے نہیں چار طریقے ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اپنے فقہی مسلک کی کبھی فرقہ
بندی نہ کی تھی۔ مختلف طریق عمل کے باوجود وہ ایک جماعت ہی رہے۔ اسی طرح ائمہ اربعہ
کے پیروؤں نے بھی اپنے فقہی فاصلوں سے کبھی علیحدہ جماعت بندی نہ کی۔ وہ ہمیشہ ایک

جماعت رہے۔ اس جماعت نے تاریخ میں اپنا ایک نام محفوظ کیا ہے وہ نام اہل السنۃ والجماعۃ ہے اور یہی فرقہ ناجیہ ہے۔

فقہی مسالک میں ایک طریقے کی پابندی رہی۔ یہ نہیں ہوا کہ کوئی شخص حنفی بھی رہے اور شافعی بھی۔ کیونکہ یہاں ایک طریقے سے دوسرے طریق میں جانا علی سبیل التبادل ہوگا۔ اس میں ایک طریقے کو چھوڑنا لازم ٹھہرے گا۔ تقلید میں تلفیق کو راہ نہیں دی جاسکتی ہے لیکن روحانی نسبتوں میں ایک طریقے سے دوسرے میں جانا علی سبیل التبادل نہیں علی سبیل الجمع ہوتا ہے۔ اس میں پہلے طریقے کو چھوڑنا لازم نہیں ہوتا۔ ایک شخص میں روحانی نسبتیں کئی کئی جمع ہو سکتی ہیں۔

فقہی اختلافات کی بناء احادیث و آثار پر ہے جس نے کسی ایک طریقے کو ترجیح دی وہ اتباع سنت کی نسبت سے اس ایک طریقے پر چلا اس صورت میں بیک وقت دو طریقوں کو ترجیح دینا عملاً ناممکن ہے۔ امام ابو عبد الرحمن النسائی (۳۰۳ھ) نے اپنی سنن میں رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کی حدیث روایت کر کے رفع یدین نہ کرنے کی حدیث روایت کی ہے۔ اور اس پر باب باندھا ہے باب ترک ذلک کہ رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھنے وقت رفع یدین کرنا اب ترک ہو چکا ہے، یہ کیوں؟ یہ اس لیے کہ یہ دونوں طریقے علی سبیل الجمع نہیں، علی سبیل التبادل ہیں۔ دوسرے کو اختیار کرنے سے پہلے کو ترک کرنا لازم ہوگا۔

لیکن اہل طریقت کے ہاں چشتی قادری نسبتوں میں جمع ممکن ہے۔ قادری ہونے سے نقشبندی نسبت کا ترک ہونا لازمی نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان روحانی نسبتوں کا فرق احادیث و آثار پر مبنی نہیں۔ ان ائمہ طریقت کے تجربات اور مشاہدات پر مبنی ہیں۔ مختلف تجربے کسی ایک بزرگ میں جمع ہو سکتے ہیں۔ مشائخ اپنے مریدوں کی اصلاح میں مختلف تجربات اور ان کے مختلف حالات سے گزرے ہیں۔ دلوں میں خدا کی محبت اتارنے میں انہیں ان دلوں کے اپنے حالات کو ملحوظ رکھنا پڑا۔ وقت کے کثیر و قصیر فاصلے انہیں مختلف مشارب پر لے آئے اور یہ فاصلے احادیث و آثار پر مبنی نہ ٹھہرے۔ ان حالات میں ممکن ہو گیا کہ بعض مشائخ کئی کئی راہوں سے اللہ رب العزت کی محبت کی راہیں پائیں۔ اور ان پر اپنے مریدوں کو مشقیں کرائیں۔ سیر و سلوک کی یہ مشقیں ہیں مسائل نہیں کہ یہاں بدعات کی بحث شروع کی

جائے۔ یہ دلوں کے ذمگ دھونے کے مختلف علاج ہیں جنہیں شریعت کی رو سے نہیں تجربے کی رو سے اختیار کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی بچہ قرآن شریف یاد کرتے بار بار سر کو ہلا رہا ہے تو وہ اسے ایک مسئلہ نہیں سمجھ رہا محض ایک تجربہ سمجھ رہا ہے کہ اس سے یاد کرنے کی مشقت کم ہو جاتی ہے۔

قانون اور طب کا فرق

قانون دان اپنی علمی کاوش سے ایک نتیجے پر پہنچتا ہے قانون میں کبھی دوئی نہیں ہوتی۔ لیکن طبیب ایک مرض کے ازالے کی کئی راہیں جانتا ہے اور وہ اپنے تجربے میں مریضوں کو ہر ایک راہ سے شفا یاب دیکھ چکا۔ اب وہ اگر مختلف طریق علاج جانتا ہے اور ہر ایک کو نسخہ صحت کہتا ہے تو اسے اس کا حق ہے لیکن قانون دان کبھی ایک قانون کو دو مختلف تشریحات نہیں دے سکتا قانون ہمیشہ سے ایک رہا ہے اور ایک ملک میں ایک مسئلہ میں کبھی دو ضابطے راہ نہیں پاتے۔ فقہاء قانون کے امین ہوتے ہیں اس میں دوئی اختیار کرنا تلفیق ہے۔ جو منع ہے اور صوفیہ کرام روح کے مریضوں کے روحانی معالج ہوتے ہیں۔ ان میں چشتی، قادری اور نقشبندی، سہروردی نسبتیں جمع ہو سکتی ہیں گو ان میں غالب نسبت ایک ہے۔ علاج میں جس طرح یونانی علاج، ویدک علاج، ایلو پیتھی اور ہومیو پیتھی چار طریقے علاج ہیں چشتی، قادری اور نقشبندی و سہروردی بھی روح کے چار مختلف طریق علاج ہیں اور ان میں جمع ممکن ہے، یہ تلفیق نہیں۔

اب ہم حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی کے تذکرہ سے ان اولیاء کرام کے تذکروں کا آغاز کرتے ہیں۔ ان حضرات کے تذکرہ میں ہم زیادہ توجہ ان کی تاریخی اور علمی حیثیت پر رکھیں گے۔ رہیں کرامات..... تو وہ ان بزرگوں میں سے ہر ایک کی بے شمار ہیں ہم اصولاً کرامات پر پورا یقین رکھتے ہیں اور اہل سنت کی کتب عقائد میں معجزات اور کرامات کو اصولی طور پر حق تسلیم کیا گیا ہے۔ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ کئی نادانوں نے اولیاء کرام کے نام پر کرامات گھڑنے میں بڑی فیاضی سے کام لیا ہے جن حلقوں میں لوگ کرامات سے عقائد کشید کرتے ہوں وہاں کرامات کا زیادہ بیان عوام کی خیر خواہی نہیں۔ یہ عمل ان میں سے کمزور علم لوگوں کو عقائد میں کمزور کر دیتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

دوسرے ہزار سال کے ائمہ تصوف

آئیے ہم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ سے اس تذکرہ الاولیاء کا آغاز کرتے ہیں۔ اس وقت شاید چاروں سلسلوں کے ان سب بزرگوں کا تذکرہ نہ ہو سکے تاہم ہر سلسلے کے دو دو بزرگوں کا ذکر ہم تمہارے دیتے ہیں۔ ان سب حضرات کا تفصیلی تذکرہ آئندہ کسی وقت ہدیہ قارئین کیا جاسکے گا۔ واللہ هو الموفق لما یحبہ ویرضی بہ۔

(۱) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ)

اس امت میں ہر سو سال کے سرے پر مجددین آتے رہے اور تجدید دین کا کام کرتے رہے۔ دین میں جو بھی فکری اور عملی آلائشیں داخل ہوتی رہیں، یہ مجددین کرام دین کو پھر سے نکھارتے رہے اور ان زوائد کا پوری قوت سے استیصال کرتے رہے لیکن ایک مجدد اس شان سے بھی اٹھا کہ اسے مجدد الف ثانی کہا گیا اور وہ اپنی روحانی قوت اور دعوت و اصلاح سے اگلے پورے ہزار سال پر چھا گیا۔ اس سے ہی ہم اس دور کے ائمہ طریقت کا آغاز کرتے ہیں۔

زبان پر بار خدایا یہ کس کا نام آیا

دہن نے نطق سے بوسے میری زباں کے لیے

حضرت شیخ احمد سرہندی کے والد مخدوم شیخ عبدالاحد قادری نسبت کے جلیل القدر

بزرگ تھے جب ان کے گھر بیٹے کی پیدائش ہوئی تو آپ اس بچے کو اس وقت کے سلسلہ

قادریہ کے نامور بزرگ حضرت شاہ کمال کبیر (۹۸۱ھ) کے پاس دعا کے لیے لے گئے۔ شاہ

کمال نے بچے کو گود میں لیا اور اس کے منہ میں اپنی انگلی دے دی۔ بچے نے اسے چوسا یہاں

نیک کہ شاہ کمال کہنے لگے:

بابا بس کرو اتنا ہی کافی ہے کچھ ہماری اولاد کے لیے بھی چھوڑ دو تم نے

ہماری ساری نسبت کھینچ لی ہے۔

آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے فیضان سے بھی مستفید ہوتے رہے۔ آپ

کے اجداد میں سے آپ کے جد ششم امام نواز رفیع الدین کابل سے ہندوستان آئے تھے۔ یہ

اس خاندان میں قادری اور نقشبندی نسبتوں کا قران المسعدین رہا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ سیدنا حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی (۱۳۱۷ھ) اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) یہ حضرات بھی اسی خاندان میں سے تھے۔ ان سب حضرات میں یہ خاندانی نسبت کھلے طور پر روشن تھی۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیم

۱۔ آپ کے والد بڑے جلیل القدر عالم تھے۔ آپ نے انہیں سے قرآن کریم حفظ کیا اور انہی سے عربی کتابوں کا آغاز کیا۔

۲۔ سیالکوٹ میں آپ ملا کمال کشمیری (۱۰۱۷ھ) کے ہاں قیام پذیر رہے اور فنون کی کتابیں ان سے پڑھیں۔ ملا یعقوب کشمیری (۱۰۰۳ھ) بھی ان دنوں وہیں مقیم تھے آپ نے حدیث کی کتابیں ملا یعقوب کشمیری سے پڑھیں۔

ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد آپ آگرہ چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ درس و تدریس میں گزارا۔ آگرہ ان دنوں مغلوں کا دار الحکومت تھا۔ اور اکبری دور میں وہ علماء و فضلاء کا بڑا مرکز تھا۔ آپ کی علمی شہرت اس سطح پر آگئی کہ شیخ مبارک کے بیٹے ابوالفضل اور علامہ فیضی بھی آپ کے ارادت مندوں میں حاضری دیتے اور آپ سے علمی استفادہ کرتے تھے۔ مولانا عبدالکیم سیالکوٹی (۱۰۶۸ھ) بھی اس دور کے ہیں۔ آپ نے اپنے علم ظاہری اور علم باطنی سے حضرت امام ربانی کے مجدد ہونے کا کھلے طور پر اظہار کیا۔ مجدد اپنے دعوے سے نہیں اپنے کام سے پہچانا جاتا ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضری

آپ جب حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی (۱۰۱۲ھ) کے حلقہ عقیدت میں آئے تو آپ کی نقشبندی نسبت جاگ اٹھی اور یہ سب نسبتوں میں نمایاں ہوگئی۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ آپ روحانی طور پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے بھی برابر فیضیاب ہوتے رہے۔ آپ میں ان دونوں نسبتوں کا قرآن المسعدین رہا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کا مزار دہلی میں صدر بازار کے قریب قطب روڈ پر واقع ہے۔

حضرت امام ربانی کا عقیدہ ختم نبوت

آپ کا عقیدہ تھا کہ حضرت خاتم النبیین ﷺ کے بعد کمالات نبوت کا سلسلہ ختم پذیر نہیں ہوا۔ انبیاء کو یہ دولت قرب خداوندی براہ راست اور بے توسط ملتی رہی، ختم نبوت کے بعد اس دولت کا کسی امتی کو اللہ تعالیٰ سے براہ راست ملنا بند ہو گیا۔ اب یہ دولت قرب خداوندی جس کو بھی ملے گی انبیاء کرام کی جمعیت اور وراثت سے ملے گی۔ علم کی کوئی راہ اب کسی کے لیے براہ راست نہیں کھلی، جس نے بھی کمالات نبوت سے کچھ حصہ پایا نبوت و وراثت کی راہ سے پایا۔

صحابہ کرام اس دولت قرب خداوندی سے حضور ﷺ کے وارثوں کے طور پر مشرف ہوئے اور کبار تابعین اور اکابر تبع تابعین پر بھی ان کمالات نبوت کا سایہ رہا لیکن بلا واسطہ یہ فیضان الہی اب کسی امتی کے نصیب نہیں کیونکہ حضور اکرم ﷺ پر نبوت کا دروازہ اب ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا۔ آپ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:-

باید دانست کہ حصول این موہبت در حق انبیاء علیہم الصلوٰت و التسلیمات بے توسط است و در حق اصحاب انبیاء علیہم الصلوٰت و التیحات کہ بہ جمعیت و وراثت بایں دولت مشرف گشتہ اند بتوسط انبیاء است علیہم الصلوٰت و البرکات۔ بعد از انبیاء و اصحاب ایشان علیہم الصلوٰت و التسلیمات کم کے بایں دولت مشرف گشتہ اند

(مکتوبات دفتر اول، مکتوب نمبر: ۳۰۱، ص: ۳۳۳)

ترجمہ: جاننا چاہیے کہ اس انعام (وصول بکمالات نبوت) کا حاصل ہونا انبیاء علیہم الصلوٰت و التسلیمات کے حق میں بغیر کسی توسط کے ہوتا رہا اور صحابہ کرام جو جمعیت اور وراثت کی راہ سے کمالات نبوت سے مشرف ہوئے وہ بتوسط انبیاء اس دولت کو پہنچے۔ انبیاء اور صحابہ کے بعد ایسے افراد بہت کم ہیں جو اس مقام تک پہنچے ہوں۔ اگرچہ یہ ممکن رہا کہ کوئی بھی پیروی اور وراثت کی راہ سے اس دولت کو پالے۔

آپ فرماتے ہیں کہ کمالات نبوت کسی کو بہ توسط جمعیت و وراثت ملیں، یہ موقف حضور ﷺ کی ختم نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ ختم نبوت کے خلاف جو چیز ہے وہ یہ کہ کمالات نبوت کسی کو بالاصلاتہ خدا تعالیٰ سے ملیں۔ ان کا بتوسط انبیاء ملنا ہرگز ختم نبوت کے منافی نہیں۔

حصول کمالات نبوت مراتباً را بہ طریق جمعیت و وراثت بعد از
بعث خاتم الرسل علیہ وعلیٰ جمیع الانبیاء والرسل الصلوٰت والتیمات منافی
خاتمیت اونست علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰة والسلام فلا تکن من الممترین
(دفتر اول مکتوب: ۳۰۱)

ترجمہ: حصول کمالات نبوت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وراثت سے
پالینا آپ کی خاتمیت کے خلاف نہیں ہے سو تم اس میں شک کرنے
والوں میں نہ ہوتا۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:-

این قرب بالاصالة نصیب انبیاء است و این منصب
مخصوص باین بزرگواران علیہم الصلوٰت و البرکات و
خاتم این منصب سید البشر است

ترجمہ: یہ قرب الہی اصل میں انبیاء کا حصہ ہے اور یہ منصب انہی حضرات
سے مخصوص رہا ہے اور اس منصب کے خاتم حضور سید البشر ہیں۔
آپ ملا محمد مراد کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

لوازم کمالاتیکہ در نبوت در کار است ہمہ را عمر داند
اما چون منصب نبوت بخاتم الرسل ختم شدہ است علیہ و
علیٰ الہ الصلوٰة والسلام بدولت نبوت مشرف نگشت
(دفتر سوم مکتوب ۲۳ ص ۴۳)

ترجمہ: کمالات کے جو لوازم نبوت میں درکار ہیں سب حضرت عمر کو
معلوم تھے لیکن چونکہ یہ منصب نبوت حضور خاتم النبیین پر ختم ہو چکا
آپ منصب نبوت نہ پاسکے۔

حضرت امام ربانی کے خلفاء کرام

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بیٹوں میں خواجہ محمد صادق (۱۰۲۳ھ)، خواجہ محمد
سعید (۱۰۷۰ھ)، شاہ محمد یحییٰ (۱۰۹۶ھ) اور حضرت خواجہ محمد معصوم (۱۰۷۹ھ) نے اپنے والد

سے خرقہ خلافت پایا۔ آپ کے پوتے شیخ عبدالاحد (۱۱۲۶ھ) (جو خواجہ محمد سعید کے بیٹے تھے) نے بھی آپ سے خلافت پائی اور آپ کی طرف سے لوگوں کو خدا کی راہ کی دعوت دیتے رہے۔ علاوہ ازیں آپ سے حضرت شیخ میر محمد نعمان (۱۰۶۰ھ)، سید آدم بنوری (۱۰۵۶ھ)، شیخ محمد طاہر لاہوری (۱۰۵۳ھ)، شیخ بدرالدین سرہندی (...ھ)، شیخ بدیع الدین سہارنپوری (...ھ) اور دوسرے کئی حضرات نے خرقہ خلافت پایا اور لوگوں کو اللہ کی طرف لوٹنے کی عام دعوت دیتے رہے۔ تاہم حضرت امام ربانی کے بڑے جانشین حضرت خواجہ محمد معصوم ہوئے۔ آپ کے چھ بیٹوں نے آپ سے خلافت پائی۔

۱۔ خواجہ عبید اللہ (۱۰۸۳ھ)، ۲۔ شیخ سیف الدین (۱۰۹۶ھ)، ۳۔ شیخ صبغت اللہ (۱۱۴۰ھ)، ۴۔ ججہ اللہ محمد نقشبند (۱۱۱۵ھ)، ۵۔ خواجہ محمد اشرف (۱۱۱۷ھ) اور ۶۔ شیخ محمد صدیق (۱۱۳۰ھ)۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے بڑے دو صاحبزادے خواجہ محمد صادق اور خواجہ ابوسعید حضرت خواجہ باقی باللہ سے بھی اجازت یافتہ تھے۔ حضرت خواجہ محمد صادق کا انتقال اپنے والد کی زندگی میں ہوا۔ یہ اپنے روحانی مقام میں اس بلندی پر پہنچے کہ آپ کے والد محترم امام ربانی بھی آپ سے کئی امور میں استفادہ فرماتے تھے۔ سرہند میں آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم آپ کے جانشین رہے۔ آپ کی اتباع سنت اور آپ کے ابطال بدعت کا نتیجہ تھا کہ آپ کی نماز جنازہ سنت کے مطابق پڑھی گئی اور نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا نہ کی گئی۔ روضۃ القیومیہ میں حضرت امام ربانی کے جنازہ کے بارے میں لکھا ہے:-

حضرت خازن الرحمۃ نے نماز جنازہ کی امامت کی کیونکہ یہی آجانب کے منتخب کردہ امام تھے۔ نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے توقف نہ کیا کہ سنت نبوی اتقواء نہیں کرتی علاوہ ازیں معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ جنازہ کے بعد کھڑے ہو کر دعا کرنا مکروہ ہے۔

(روضۃ القیومیہ ج: ۱، ص: ۴۳۹، مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

(۲) حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی

آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ ان کی

ولادت ۱۰۰۷ھ میں سرہند کے قریب ایک بستی میں ہوئی۔ آپ کا لقب العروۃ الوثقی رہا، یہ وہ کڑا ہے جو کہیں ٹوٹنے نہ پائے گا، آپ اپنے دائرہ کے قطب تھے۔

ولایت کی راہ میں قطب اپنے دائرہ کے تمام اولیاء کا مرکز ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات دفتر سوم مکتوب ۱۰۲ میں آپ کے مقام قبولیت کا ذکر کیا ہے۔ آپ اپنے مکتوبات دفتر اول مکتوب ۸۶ میں لکھتے ہیں کہ درویش اس پورے جہاں میں خلیفہ حق تعالیٰ ہوتا ہے۔ اس عبارت میں درویش سے ان کی اپنی ذات مراد ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس درویشے را از

مخلصاں خود خلعت قبولیت نواختند

ترجمہ: حضرت امام ربانی نے اپنے مخلص خدام میں سے ایک درویش کو

خلعت قبولیت سے نوازا۔

حضرت امام ربانی آپ کو زمرہ سابقین میں شمار کرتے تھے۔ بہت کم لوگ ایسے ہوئے جو اس کے فردِ مظہرے، مگر ان کا نمبر متاخرین میں ہوا۔ چودھویں صدی کے علماء میں حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری بھی زمرہ سابقین کے ایک فرد تھے جن کا ظہور اس دور میں ہوا۔ حضرت پیران پیر نے بھی ایک مقام پر اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم لکھتے ہیں:

حضرت پیر دہگبیر رضی اللہ عنہ روزے فرمودند کہ در زمرہ سابقین کہ

حضرت حق سبحانہ در شان ایشان ثلثہ من الاولین و قلیل من

الآخرین فرمودہ است نظرے کردم خود را داخل آن جرگہ دیدم۔

(مکتوبات معصومیہ جلد: ۱، مکتوب: ۲۳۷)

ترجمہ: حضرت پیر دہگبیر نے ایک دن فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ اس

زمرہ سابقین میں جس کی طرف قرآن کی اس آیت ”ثلثہ من الاولین

و قلیل من الآخرین“ میں اشارہ ہے، نظر کی میں نے اپنے آپ کو

اس جرگہ میں دیکھا۔

جو لوگ کمالات علیہ عملیہ اور مراتب تقویٰ میں دوڑ کر اصحابِ بچپن سے آگے نکل

گئے وہ حق تعالیٰ کی رحمتوں اور مراتبِ قرب و وجاہت میں بھی سب سے آگے نکلے۔ اللہ تعالیٰ

انہیں سابقین میں جگہ دیتے ہیں۔

اس آیت ثلثہ من الاولین وقلیل من الاخرین میں دونوں گروہِ ثلثہ اور قلیل اس امت میں سے ہیں۔ روح المعانی میں طبرانی سے ایک حدیث ابوبکرہ کی بسند حسن منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کے متعلق فرمایا، ہما جمعاً من ہذہ الامۃ۔ واقعی اس درجہ کے لوگ پہلے طبقوں سے بہت زیادہ ہوئے اور پچھلے طبقوں میں بہت کم ہوئے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ پچھلوں میں بھی ایسے لوگ ہوئے جو زمرہ سابقین کے تھے۔ (نورالقرآن ملخصاً ص: ۷۰۹)

زیارت قبور میں برزخ کی سیر کشف قبور سے ہوتی ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصوم کشف قبور میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ آپ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی قبر پر حاضر ہوئے۔ آپ نے وہاں کیا دیکھا؟ آپ اپنا یہ مشاہدہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:-

بحر انوار موجزن ہے اور کمالات صحبت خیر البشر آپ میں تاباں و درخشاں ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کشف قبور میں آپ بہت بلند پرواز تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بھی اس قسم کے انوار حضرت علی ہجویری المعروف داتا صاحب کے مزار پر محسوس کیے اور فرمایا میں نے کیا دیکھا۔ آپ ایک عجیب شان سے سلطنت کر رہے ہیں۔ اس روحانی سلطنت کو مادی تصرفات میں نہیں ڈھالا جاسکتا۔

حضرت خواجہ محمد معصوم ایک مقام پر حدیث القمر روضۃ من ریاض الجنۃ پر لکھتے ہیں:-

مراد روضہ بودن قبر آنست کہ حجابیہ و مسافتی کہ میان آن بقعہ قبر و جنت است بوجہ مرتفع مے گردد و ہیج حجابیہ و مانعے میان آن ہر دو مقام نمے ماند پیداے کند این قسم روضہ اخص الخواص راست۔ دیگران را از نورانیت ایمان اگر پرتو از جنت دران بقعہ تابدمے شاید حیاتی کہ بہ نشاء دنیوی تعلق دارد دو چیزے طلبد حس و حرکت۔ حیاتی کہ بہ برزخ متعلق است محض حس است بے آنکہ با و حرکتے بود۔ حق تعالیٰ حکیم مطلق است و موافق ہر محل حیاتی دادہ است در برزخ از حس

چارہ نیست تا تالم وتلذذ صورت بندد وحرکت هیچ
در کار نیست

ترجمہ: قبر کے باغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس قطعہ قبر اور جنت کے جو فاصلہ اور پردہ تھا وہ اب اٹھ گیا ہے اور ان جگہوں میں کوئی چیز حائل نہیں یوں سمجھئے کہ اب اس فانی قطعہ فنا میں جنت کی بقاء آتر آئی ہے۔ اس قسم کا روضہ قبر اخص الخواص کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ دوسروں کے لیے بوجہ ایمان کی نورانیت کے جنت کا پرتو بھی اس نکلزہ زمین پر چمکے تو ہو سکتا ہے وہ زندگی جو اس جہاں سے تعلق رکھتی ہے اس میں حس اور حرکت دونوں ہوتی ہیں۔ وہ حیات جو برزخ میں ملتی ہے اس میں حس تو ہے حرکت ظاہر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہیں اس نے ہر جہاں کے مناسب ایک زندگی پیدا کی ہے، عالم برزخ میں حس کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ بدن تکلیف اور راحت پاسکے وہاں حرکت کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

آپ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی کے بیٹے ہیں جو دہلی کے ان اونچے علماء میں سے تھے جو فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں شامل رہے۔ اس کے ساتھ حضرت شاہ عبدالرحیم اونچے درجے کے امام طریقت بھی رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے حدیث روایت کرنے کی اجازت حضرت حاجی محمد افضل سیالکوٹی سے لی تھی پھر آپ مدینہ شریف تشریف لے گئے تھے اور وہاں شیخ ابو طاہر بن ابراہیم اکرودی المدنی سے بھی حدیث کی اجازت لی۔

آپ کی عمر سترہ سال کی تھی کہ آپ کے والد محترم نے آپ کو بیعت و ارشاد کی خلافت دی۔ آپ انفاس العارفين میں خود لکھتے ہیں:-

حضرت ایشاں سے فرمودند کہ در دل من بے اختیار خطورے کند کہ بیک دفعہ ہمہ علوم در سینہ تو اندازم و باز بعد چندے جوشے سے زدند و بہ ماں کلمہ مشکلم سے شدند..... اثر انفاس مبارک ایشاں ظاہر گشت والا

ایں فقیر چنداں محنت تحصیل تکسیدہ (انفاس العارفین ص: ۶۳)
ترجمہ: آپ کہا کرتے تھے کہ میرا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ ایک ہی
دفعہ تمام علوم تیرے سینہ میں ڈال دوں اس کے بعد آپ کچھ جوش میں
آجاتے اور پھر وہی بات کہتے، آپ کے کہنے کا اثر ظاہر ہو گیا اس فقیر
نے طالب علمی میں کچھ زیادہ محنت نہیں کی (اور اتنے علوم اوپر سے
قلب پر آوارہ ہوئے)

آپ کی اس راہ کی کتابیں ہمععات، سطعات، القول الجلیل، انفاس العارفین اہل
طریقت کا روحانی سرمایہ ہیں۔ علمی طور پر آپ فقہاء کی نسبت محدثین کی روش پر چلے، آپ خود
ایک مقام پر لکھتے ہیں:-

بعد ملاحظہ کتب مذاہب اربعہ و اصول فقہ ایساں احادیثہ کہ متمسک
ایساں است قرار داد خاطر بحد نور نبیؐی روش محدثین افتاد

(الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف مطبع احدی دہلی ص: ۱۹۵)

درویشوں کی راہ میں قواعد کی پابندی نہیں رہتی اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ مسائل میں
محدثین کی طرح کچھ آزادی میں آگئے اور ظاہر حدیث میں آپ کا دل لگنے لگا یہاں تک کہ پھر
حضور نے آپ کو ایک مکاففے میں اس طرف متوجہ کیا کہ مذہب حنفی میں خود ایک ایسی راہ موجود
ہے جو صحیح بخاری کی روایت کردہ سنن کے بہت قریب ہے۔ آپ لکھتے ہیں:-

عرفنی رسول اللہ ﷺ ان فی المذہب الحنفی طریقة انیقة

وہی اوفق الطرق بالسنة التي جمعت فی زمن البخاری

آپ نقشبندی حضرات کی نشاۃ ثانیہ کے امام ہیں۔ آپ کے والد حضرت شاہ
عبدالرحیم فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شامل رہے اور یہ خاندان پہلے سے ایک علمی سلسلہ رہا
ہے۔ آپ حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ سے علم و معرفت کے حیرت افزا چشمے
پھوٹے۔ آپ کی بھی کشف میں بہت اونچی پرواز تھی۔ آپ کے حرم مکہ اور مدینہ کے
مکاشفات فیوض الحرمین کے نام سے جمع ہوئے ہیں۔ آپ کی کتابیں ہمععات اور سطعات اس
موضوع پر آپ کے سنگ میل ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ، ازالة الخفاء، تمہیمات الہیہ اور بدور بازغہ
میں آپ کے علوم کا سمندر موجزن ہے۔ آپ کا خاندان بیت علم حنفیہ مانا گیا ہے۔ مولانا حالی

نے محدثین دہلی کے قبرستان کے بارے میں کہا تھا:-

آج جس جنس گراں کا اس جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اس دولت سے مالا مال ہے
نامناسب نہ ہوگا کہ ہم یہاں چشتی صابری سلسلے کے دو بزرگوں کا بھی کچھ ذکر
کر دیں جو اپنے کمالات میں زمرہ سابقین کی عزت پائے ہوئے تھے۔

اس دور کے سلسلہ چشتیہ صابریہ کے دو مرکزی بزرگ

(۱) حضرت میاں جی نور محمد ^{تھنچھانوی} (۱۲۵۹ھ)

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرکی (۱۳۱۷ھ) کے پہلے شیخ طریقت حضرت شاہ نصیر
الدین دہلوی (۱۲۵۶ھ) تھے اور دوسرے حضرت شیخ میاں جی نور محمد ^{تھنچھانوی} (۱۲۵۹ھ)
تھے۔ شاہ نصیر الدین محدثین دہلی کے خانوادہ میں سے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی
دونوں بھائی تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسہ شاہ محمد اٹحق تھے اور شاہ رفیع الدین کے
نواسہ شاہ نصیر الدین تھے۔ یہ شاہ محمد اٹحق کے داماد اور شاگرد بھی تھے۔ حضرت سید احمد شہید کی
شہادت کے بعد آپ نے جہاد بالا کوٹ کی کمان سنبھالی اور پھر سے اس تحریک کی روح زندہ
کردی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حاجی امداد اللہ اس قافلہ آزادی سے کسی دور کے فاصلے پر نہ
رہے تھے آپ کے دوسرے شیخ میاں جی نور محمد صاحب ^{بھی} حضرت شاہ محمد اٹحق کے شاگرد تھے،
ظاہر ہے کہ اس گھرانے نے جذبہ حریت..... وراثت میں پایا تھا۔

حضرت میاں جی نور محمد صاحب حضرت شاہ عبدالرحیم دلائی (۱۲۶۶ھ) کے خلیفہ
تھے مولانا سید عبدالرحی جناب میاں صاحب کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے آپ کی تربیت اور طریقے میں برکت ڈالی آپ کے انوار
آفاق میں پھیلے اور چشتی صابری طریقہ آپ سے ایک نئی شان میں
ظاہر ہوا اور اپنی انتہا کو پہنچا۔ (نزہۃ الخواطر ص: ۷۱، جلد: ۸)

قافلہ حریت کے پہلے تینوں بزرگ حاجی امداد اللہ، حافظ ضامن اور شیخ محمد محدث
تھانوی آپ کے خلفاء کرام تھے۔

(۲) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی (۱۳۱۷ھ)

آپ بھی نسباً حضرت عمر فاروقؓ کی اولاد میں سے ہیں، والد محترم کا نام حافظ محمد امین تھا۔ یہ خاندان تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں مقیم تھا۔ حافظ محمد امین صاحب کی شادی نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی اور وہیں ۱۲۳۳ھ میں حضرت حاجی امداد اللہ کی پیدائش ہوئی۔ آپ کی عمر تین سال کے قریب تھی کہ حضرت سید احمد شہید اپنے ایک سفر میں نانوتہ ٹھہرے اور وہیں یہ بچہ حضرت سید صاحب کے پاس لایا گیا اور آپ نے اسے تمہر کا اپنی بیعت میں لیا، اسے بیعت تمہر کہتے ہیں۔ نانوتہ میں آپ کو بچپن میں حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی (۱۳۰۴ھ) کی معیت مل گئی وہ آپ کو دہلی لے آئے یہاں آپ حضرت شاہ نصیر الدین دہلوی کے حلقہ میں گئے اور ان سے کچھ ظاہری علوم کی بھی تحصیل کی۔

آپ کی ظاہری دینی تعلیم

آپ نے دہلی میں فارسی اور عربی صرف و نحو کی تعلیم حاصل کی، عقائد میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) کا فارسی رسالہ، تکمیل الایمان تھانہ بھون کے مولانا رحمت علی تھانوی سے پڑھا۔ فقہ اکبر (امام ابوحنیفہؒ کی تالیف) حضرت مولانا عبدالرحیم نانوتوی سے پڑھی اور مشکوٰۃ کا ایک حصہ حضرت مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی (۱۲۶۰ھ) سے پڑھا۔ مشنوی مولانا روم آپ نے شاہ عبدالرزاق (۱۲۹۲ھ) سے پڑھی۔ آپ نے تین دفعہ مشنوی شریف کا دورہ شاہ عبدالرزاق سے کیا۔ اس کے بعض مقامات آپ نے ان کے شیخ حضرت مولانا ابوالحسن سے بھی سمجھے اور مشنوی میں یہ سند عالی حاصل کی۔ یہ مولانا ابوالحسن کون تھے؟ یہ حضرت مفتی الہی بخش صاحب کاندھلوی (۱۳۰۰ھ) کے بیٹے اور شاگرد تھے۔ حضرت مفتی الہی بخش صاحب نے عالم رویاء میں مشنوی خود مولانا روم سے پڑھی تھی۔ مولانا روم نے مشنوی کے صرف پانچ دفتر لکھے تھے چھ دفتر مفتی الہی بخش صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ جو آپ نے مولانا روم کے کہنے پر لکھا۔ محققین نے مشنوی مولانا روم کو قرآنی علوم کا فارسی اڈیشن قرار دیا ہے۔ اس کی گہرائی میں علوم کے اتنے سمندر دے ہیں کہ ہفت اقلیم اس کی مثل نہیں لاسکتے۔ مفتی الہی بخش صاحب نے بھی جو لکھا وہ انہی کی تلقین سے لکھا۔

مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآن در زبان پہلوی

سو جب آپ نے کامل اساتذہ سے مثنوی کا دورہ تین دفعہ مکمل کیا تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ علوم کی کتنی گہرائی آپ کو مثنوی سے ملی ہوگی۔ ظاہری عربی تعلیم آپ کی پوری تھی تبھی تو آپ نے ایک جلیل القدر محدث سے مشکوٰۃ پڑھی۔ آپ نے نحو کا فیہ تک پڑھی تھی ان دنوں کنز، قدوری، کافیہ پڑھا ہوا مولوی بن جاتا تھا۔ پنجاب میں اب تک مثل چلی آ رہی ہے۔

۔ کنز قدوری کافیہ پڑھتے ملاں ہو

آپ کے متعلق جو کہا جاتا ہے کہ آپ رکی عالم نہ تھے اس سے مراد صرف یہ ہے کہ آپ اپنی تحصیل میں دورہ حدیث نہ کر پائے۔ دورہ حدیث میں حدیث کی اسانید پر عبور ملتا ہے، ورنہ مشکوٰۃ انہی کتب احادیث کا ایک ایسا طاق ہے جس میں حدیث کے جملہ ابواب کے چراغ پوری تابانی سے روشن ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دورہ حدیث کی بجائے دائرہ حدیث میں رسوخ دینا چاہتے تھے ورنہ یہ نہیں کہ علوم میں آپ کے لئے کوئی تشنگی باقی رہ گئی تھی۔ آپ کے خلیفہ اجل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی آپ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اور لوگ تو حضرت کی کرامات دیکھ کر آپ سے بیعت ہوئے میں آپ کے علم کو دیکھ کر آپ کے حلقہ ارادت میں آیا ہوں۔

یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنے حلقہ میں فتویٰ کی زبان اختیار نہ کی جب بات اس درجہ تک پہنچتی تو آپ یہی فرماتے:-

ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد صاحب سلمہ و مولوی محمد قاسم سلمہ را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر راقم اور اراق بلکہ ہمدارج فوق از من شمارند

(ضیاء القلوب ص: ۲۳۶)

حضرت حاجی صاحب کے اس اشارے کا اثر تھا کہ جناب میاں شیر محمد شریکوٹی، حضرت بید مہر علی شاہ صاحب گلڑوٹی اور پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پورٹی نے علماء دیوبند کی مخالفت میں مولانا احمد رضا خاں کا ساتھ نہ دیا اور اہل سنت کی باہمی تفریق کی کوششوں میں وہ کسی طرح حصہ دار نہ بنے۔ مولانا عبدالستار نیازی اپنی جماعت کو بار بار سمجھاتے رہے کہ ہمیں حضرت حاجی صاحب کے اس فیصلے کو دل و جان سے قبول کر لینا چاہیے جب یہ لوگ الہمد میں اپنے عقائد واضح کر چکے ہیں اور مولانا احمد رضا خاں نے بھی الہمد کے خلاف کچھ نہیں لکھا تو اب ہم

اس تفریق امت پر کیوں جے رہیں۔ مگر افسوس کہ ان کی جماعت نے ان کی یہ بات نہ مانی۔

فہم قرآن وحدیث میں حاجی صاحبؒ کے علم کی ایک جھلک

انسانوں سے اگر کبھی غلطی ہو جائے اور وہ صدق دل سے توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان گناہوں پر مواخذہ نہ کریں انہیں معاف کر دیں لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو نیکیوں میں کیسے بدل دیتے ہیں یہ موضوع مشکلات قرآن میں سے ہے۔ دیوبند کے ایک چوٹی کے محدث اس مشکل سے یوں نکلے ہیں:-

بدیوں کو مٹا کر توبہ اور عمل صالح کی برکت سے ان کی تعداد کے

مناسب نیکیاں مثبت فرمائے گا کما یظہر من بعض الاحادیث.

یہاں بھی ان بدیوں کے نیکیوں میں آنے کی مشکل حل نہیں ہو سکی۔ اب حضرت

حاجی صاحب کے علم لدنی کی جولانی بھی ملاحظہ فرمائیں، آپ فرماتے ہیں:-

اس آیت میں سیئات سے مراد وہ طاعات و عبادات ہیں جو پورے حکم

کے مطابق نہ ہوں اور یہ ضرور مشکل کام ہے کہ طاعات و عبادات

پورے حکم کے موافق کریں کیونکہ اول تو ہم اس کا ارادہ و اہتمام نہیں

کرتے اور یہ کھلا ہوا جرم ہم پر ہر وقت موجود ہے، دوسرے اہتمام کو

بھی لیس تو بے پروائی ہو جائے گی۔ اپنے نماز روزہ کو دیکھ لیجیے کہ ان

کی کیا حالت ہے۔ اخلاص پایا نہیں جاتا، دوسرے آداب مہمل رہتے

ہیں غرض یہ اعمال ہماری نظر میں حسنات ہیں اور درحقیقت حسنات

نہیں، ایک قسم کے مکروہات ہیں اور آیت میں سیئات سے مراد یہی ہیں

جن کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو حسنات میں لکھ دیں گے۔

(وعظ حضرت تھانویؒ المعروف بشوق القاء الافاضات جلد: ۴، ص: ۴۳)

جب ان نام کی حسنات سے مکروہات کے سائے اٹھ گئے تو اب وہ اصل حسنات

ہو گئیں۔ معلوم ہوا سیئات اس طرح حسنات میں بدلتی ہیں نہ یہ کہ گناہ خود نیکیوں کا لباس اڑھا

دیئے جاتے ہیں۔

فلاولئك يبذل الله سيئاتهم حسنات (الفرقان آیت: ۷۰)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح قرآن وحدیث کے حقائق حضرت حاجی صاحب کے دل ورنج میں اترے ہوئے تھے۔ ان کے علوم کی اتنا گہرائیوں تک بڑے بڑے محدثین اور مفسرین کا دماغ نہ پہنچتا تھا، اس سے علم اکسابی اور علم لدنی کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب کے علم کی ایک اور مثال
قرآن کریم میں ہے:-

وما خلقت الجن و الانس الا ليعبدون

(پ: ۲۷، الذاریات: ۵۶)

حضرت حاجی صاحب سے سوال کیا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اس کی تسبیح

کرتی ہے ان من شیء الا یسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبیحہم (پ: ۱۵
اسرائیل: ۴۴) تو پہلی آیت میں انسانوں اور جنوں کی تخصیص کے کیا معنی ہیں؟

اس پر آپ نے فرمایا:-

ایک تو عبادت ہے اور ایک طاعت اولاً ایک مثال ان دونوں کے فرق کی سمجھ لو، وہ یہ کہ ایک تو نوکر ہوتا ہے (servant) اور ایک غلام (slave) نوکر کا کام متعین ہوتا ہے خواہ ایک ہو یا متعدد اور غلام کی کوئی خدمت متعین نہیں ہے بلکہ تمام خدمات اس کے ذمہ ہیں جس کا بھی حکم ہو جائے۔

اسی طرح جن و انس کے سوا تمام مخلوق کی طاعت معین ہے ہر شئی مخلوقات میں سے ایک خاص کام پر معین ہے کہ اس کے سوا دوسرا کام اس سے نہیں لیا جاتا، مگر انسان کی کوئی خدمت معین نہیں ہے چنانچہ ایک وقت انسان کا سونا عبادت ہے دوسرے وقت میں دوسرا کام عبادت ہے..... غرض جو شان غلام کی ہوتی ہے وہی انسان کی ہے..... تمام مخلوق ذاکر و شاعل ہے مگر عابد صرف انسان ہی ہے۔

(وعظ حضرت تھانوی صلوٰۃ الخیرین جلد.. ص: ۱۵)

پس انسان اور جن تو بھولہ غلام کے ہیں اور دوسری مخلوقات مثل نوکر کے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو تسبیح و تقدیس

اور سجدہ وغیرہ کے الفاظ سے ذکر فرمایا اور انسان اور جن کی عبادت کو
 بلقہ عبدیت فرمایا۔ (وعظ تفاضل الاعمال ص: ۱۰)

حضرت حاجی صاحب کے حدیث کے علمی غوامض

حضرت حاجی صاحب علوم قرآن کی کس گہرائی میں چلے ہم دو مثالیں آپ کے
 سامنے پیش کر چکے۔ اب فہم حدیث میں بھی ہم دو مثالیں آپ کے سامنے رکھے دیتے ہیں۔

۱۔ حدیث میں ہے الحزم سوء الظن

حزم (دانائی) لائق مدحت ہے اور سوء ظن کسی دوسرے مسلمان کے بارے میں
 لائق مدحت نہیں۔ اس حدیث میں حزم اور ظن دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے اب یہ تعارض کس
 طرح اٹھے؟ اسے حضرت حاجی صاحب ایک لفظ کہہ کر حل کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں، یہاں
 سوء الظن بنفسہ مراد ہے۔ یہ بدگمانی دوسروں کے بارے میں نہیں اپنے بارے میں ہے۔ دانا
 وہ ہے جو اپنے نفس سے بدگمان رہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں:-

حاجی صاحب اس کی شرح میں فرماتے ہیں ای بنفسہ یعنی دانائی اور
 احتیاط یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس سے سوء ظن رکھے کسی وقت مطمئن نہ
 ہو، ہمیشہ کھٹکتا رہے۔ اگرچہ حکماء نے اس جملہ کے اور دوسرے معنی بھی
 لئے ہیں وہ یہ کہ انسان کو کسی پر اعتماد نہ کرنا چاہیے ہر شخص سے بدگمان
 رہے وہ کیسا ہی تخلص ہو۔ معاملہ کے اعتبار سے یہ معنی بھی صحیح ہیں مگر
 عارفین کہتے ہیں کہ دوسروں سے تو حسن ظن رکھے اور اپنے نفس سے
 سوء ظن رکھے۔ (وعظ شب مبارک ص: ۱۱، احکام اعمال ص: ۹)

۲۔ ایک اور حدیث کے مختلف محامل دیکھئے

حضرت حاجی صاحب سے حدیث میں وارد ایک دعا کا مطلب پوچھا گیا، وہ دعا یہ ہے:

اللہم اجعل وساوس قلبی خشیتک و ذکرک واجعل
 ہمتی و ہواى لیما تحب و ترضی

ترجمہ: اے اللہ! میرے دل کے وساوس کو اپنی خشیت اور اپنی یاد
 بنا دے اور میری ہمت اور خواہش کو ایسا کر دے کہ تجھے پسند آجائے

اور تو اس سے راضی ہو جائے۔

حضرت حاجی صاحب نے فرمایا:-

اس کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بجائے وسوس کے خشیت و ذکر، قلب میں پیدا ہو جائے اور یہ جمل ایسا ہوگا جیسا اس حدیث میں ہے۔ من جعل الهموم همأً واحداً یعنی پہلی چیز زائل ہو جائے اور دوسری پیدا ہو جائے (۲) دوسرے یہ کہ وسوس ذریعہ خشیت و ذکر کا بن جائیں وہ اپنے وسوس کو مرآة جمال خداوندی بنالے اس طرح سے کہ جب وسوس بند نہ ہوں تو مراقبہ کرے، جو کچھ قلب پر وارد ہو منجانب اللہ سمجھے۔ اس طرح یہ وسوس مرأت قدرت حق بن جائیں گے پھر مضمر نہ ہوں گے۔ (۳) حق تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ خود وسوس ہی کو ذریعہ خشیت و ذکر کر دیں جیسے کہ مولانا روم فرماتے ہیں:-

کیا داری کہ تبدیش کنی
گرچہ جوئے خوں بود بیلش کنی
این چنین مینا گر معا کارتست
این چنین اکیرھا اسرار تست

(کمالات اشرفیہ ص: ۴۱۲)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ علمی حیرانہ میں حضرت حاجی صاحب کی نظر گہری دقیق تھی کہ بڑے بڑے علماء ان بارکیوں میں اترنے کی ہمت نہ کرتے تھے۔ سو یہ کہنا کہ حاجی صاحب کتاب وسنت کے غوامض پر نظر نہ رکھتے تھے اور عالم نہ تھے کسی طرح صحیح نہیں۔

حضرت حاجی صاحب کی خاندان دہلی سے نسبت

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) جس طرح علم میں بواسطہ اپنے شاگرد حضرت شاہ محمد الحق محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ) مند علم ظہرے، آپ اعمال احسان اور سلوک و عرفان میں بھی بواسطہ اپنے خلیفہ حضرت سید احمد شہید (۱۲۳۶ھ) کے ہمیشہ کے لئے مند ارشاد ہو گئے۔ پھر جذبہ جہاد اور عمل قربانی میں بھی حضرت سید احمد شہید تیرہویں صدی کے مجدد ہوئے اور آپ نے حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید (۱۲۳۶ھ) اور حاجی عبدالرحیم صاحب دلائی کو ساتھ لے کر بالا کوٹ کی قربان گاہ میں اپنی جائیں اس شان سے جان آفریں کے سپرد کیں کہ شاید چشم فلک نے ایسا نظارہ پہلے کبھی ہندوستان میں نہ دیکھا ہو۔ یہ درست ہے کہ

مسلم فاتحین دفع مظالم کے لئے ہندوستان پر حملہ آور ہوتے رہے لیکن شاہان تصوف کا بے سرو سامانی میں جانیں قربان کرنے کا ایسا دلکش نظارہ شاید پہلے کہیں نہ دیکھا گیا تھا۔ انہی سید احمد شہید نے حاجی امداد اللہ صاحب کو تین سال کی عمر میں بیعت تبرک میں لیا تھا۔

حضرت حاجی صاحب کی بیعت حضرت مولانا نصیر الدین سے

یہ مولانا نصیر الدین کون تھے؟ جس طرح شاہ محمد اٹحق محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز کے نواسے تھے آپ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (۱۱۳۳ھ) کے نواسے تھے اور... ۲۔ آپ حضرت شاہ محمد اٹحق کے داماد بھی تھے... ۳۔ آپ حضرت شاہ محمد آفاق (۱۲۵۱ھ) مجددی کے خلیفہ بھی تھے اور... ۴۔ حضرت سید احمد شہید کی شہادت کے چار سال بعد آپ نے پھر سے ان مجاہدین کو اکٹھا کرنے کی جدوجہد میں سربراہ اور امیر المؤمنین کی ذمہ داری قبول کی۔ آپ کو یہ وہ عظیم جہتیں حاصل تھیں کہ شاید اس وقت تحریک آزادی میں ان سے بہتر قائد مسلمانان ہند کو میسر نہ ہوگا۔

حضرت حاجی امداد اللہ کے پہلے مرشد بھی مولانا نصیر الدین نواسہ شاہ رفیع الدین تھے۔ حضرت مولانا مملوک علی حاجی صاحب کو دہلی لائے تھے یہاں تو آپ شاہ نصیر الدین کے حلقہ تعلیم و تربیت میں رہے۔ شاہ نصیر الدین، سیدنا ناصر الدین تھامیری کی اولاد میں سے تھے اور یہاں نقشبندی سلسلے کے عظیم شیخ طریقت تھے۔ حضرت شاہ نصیر الدین حضرت سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے بھی رکن تھے۔ حضرت حاجی صاحب کو اچانک اپنے والد کی بیماری کے باعث تھانہ بھون جانا پڑا۔ حضرت شاہ نصیر الدین نے آپ کو طریقہ نقشبندیہ کی اجازت دی آپ کو رخصت کیا انیسویں کہ آپ دوبارہ شاہ نصیر الدین کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ حضرت شاہ صاحب نے ۱۲۵۶ھ میں انتقال فرمایا۔

حضرت حاجی صاحب کی بیعت حضرت میاں جی نور محمدؒ (۱۲۵۹ھ) سے

حضرت شیخ نور محمد تھمجانہ (خلع مظفر نگر) کے رہنے والے تھے اور سلسلہ چشتیہ صابریہ میں حضرت شاہ عبدالرحیم ولایتی خلیفہ شاہ عبدالباری امر ویٹی (۱۲۲۳ھ) کے خلیفہ تھے۔ شاہ عبدالرحیم ولایتی تحریک حضرت سید احمد شہید کے رکن رکین تھے اور اسی میں وہ آپ کے ساتھ شہید ہوئے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے یہ دوسرے مرشد بھی وہی جذبہ جہاد رکھتے تھے جو آپ کے پہلے مرشد شاہ نصیر الدین کا ذوق عمل تھا۔ حضرت شاہ

عبدالرحیم ولایتی نے حضرت میاں جی نور محمد (۱۲۵۹ھ) کو براہ راست بھی حضرت سید احمد شہید سے بیعت کرا دیا تھا اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت میاں جی کو دونوں طرف سے نقشبندی طریق سے بھی اور چشتی طریق سے بھی حضرت سید احمد شہید سے نسبت حاصل تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو خواب میں حضور اکرم ﷺ سے حضرت میاں جی نور محمد کی بیعت کا اشارہ ملا تھا اور آپ خواب میں ان کی صورت مبارکہ بھی دیکھ پائے تھے آپ پھر اپنی اس نسبت سے قطب الارشاد کے درجے تک پہنچے۔ حضرت میاں جی نور محمد کے دوسرے بڑے خلیفہ تھانہ بھون کے بڑے عالم شیخ محمد محدث تھانوی (۱۲۱۶ھ) تھے آپ حضرت میاں جی نور محمد کا ذکر اس پیرائے میں کرتے ہیں۔

چوں بخیراد دے ناسودہ ایم
نور از نور محمد بودہ ایم
بسر ہر کس کہ غل او فاد
از گدا شد شاہ اقلیم رشاد

آپ کے تیسرے بڑے خلیفہ حافظ ضامن شہید (۱۲۷۴ھ) ہیں جو ۱۸۷۵ء عیسوی کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ مولانا عبدالسمیع راپوری (.....ھ) نے ان کی تاریخ وفات یہ لکھی ہے۔
”ہوئے شہید وہ شاہ جری محرم میں“

حضرت حاجی صاحب کے ہندوستان کے خلفاء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ)، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی (۱۲۰۳ھ)، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ)، مولانا فتح محمد تھانوی (۱۳۲۲ھ)، مولانا محمد علی موگییری بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ (۱۳۳۶ھ)، مولانا انوار اللہ خاں حیدر آبادی (۱۳۲۶ھ)، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۳۳۹ھ)، مولانا ظلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۳۳ھ)، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی (۱۳۶۴ھ)، مولانا اشرف علی تھانوی (۱۳۶۲ھ) اور پیر مہر علی شاہ گلڑوی (۱۳۵۶ھ) زیادہ معروف ہوئے مگر جب آپ مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تو وہاں سلطان المناظرین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی (۱۳۰۸ھ) نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ سے خرقہ خلافت پہنا۔
چاچا اس ضلع بہاولپور کے خواجہ غلام فرید صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب کے بڑے خلیفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ہوئے۔ آپ لکھتے ہیں:-

اکثر علمائے جمید از علمائے دیوبند و دہلی و سہارنپور و گنگوہ از مریدان
حاجی صاحب ہستمد و مولوی رشید احمد گنگوہی نیز مرید و خلیفہ اکبر مولوی
موصوف ہست و دیگر خلفائے وے ہم بسیار اند

(مقائیس المجالس ص: ۴۳ جلد دوم)

حضرت حاجی صاحب ۸۴ سال کی عمر میں ۱۳۱۷ھ میں فوت ہوئے، حضرت مولانا
رشید احمد گنگوہی نے بھی ۸۰ سال کی عمر میں ۱۳۲۳ھ کو وفات پائی۔ پیر غلام فرید صاحب نے
آپ کو یہاں مولوی لکھا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی علمی شہرت میں بطور مولوی بھی
معروف تھے گو آپ اپنے حلقہ ارادت میں زیادہ حاجی صاحب کے نام سے معروف ہوئے۔
حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مقام جذب میں سوال و جواب میں فرماتے ہیں، آپ
سے پوچھا گیا تھا:-

| | | | | |
|-------------|------|----|------|-------|
| تو | کمل | از | کمال | کیستی |
| تو | منور | از | جمال | کیستی |
| آپ نے کہا:- | | | | |
| من | کمل | از | کمال | حاجیم |
| من | منور | از | جمال | حاجیم |

آپ نے یہ جواب دیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس نام میں بھی آپ کے متوسلین
ایک لذت محسوس کرتے تھے۔

آپ اپنے حلقہ میں زیادہ اسی لقب سے معروف ہوئے، حاجی کے لئے ہی تو دعا
کی جاتی ہے۔ اللہم زد هذا البيت شرفاً وزد من حج او اعتمره شرفاً
حاجی امداد اللہ کا سلسلہ ارادت و بیعت

آپ کے نقشبندی سلسلہ میں پہلے حضرت شیخ سید نصیر الدین دہلویؒ (۱۲۵۶ھ)
تھے، یہ حضرت شاہ محمد اخلاق دہلویؒ کے خلیفہ تھے۔ سید نصیر الدینؒ کو نقشبندی سلسلہ میں شاہ محمد
آفاقؒ (۱۲۵۱ھ) اور حضرت سید احمد شہید دونوں سے نسبت حاصل تھی ازاں بعد آپ حضرت
میاں جی نور محمد صاحبؒ سے چشتی سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ آپ حضرت سید احمد شہیدؒ سے بھی
نسبت رکھتے تھے لیکن آپ کی قوی نسبت چشتیہ سلسلہ میں رہی۔

حاجی صاحب چاروں سلسلوں کا منبع فیض تھے

جب کوئی فن اپنے کمال کو پہنچتا ہے تو شیطان اس میں اپنی راہ نکال لیتا ہے وہ سالکین کے ذہن میں یہ بات اتارتا ہے کہ تمہارا سلسلہ ان ان باتوں میں دوسروں پر سبقت لے گیا۔ اس صورت میں اس کے دل میں دوسرے سلسلوں کا احترام باقی نہیں رہتا۔ حضرت حاجی صاحب نے اس نبض پر ہاتھ رکھا اور کسی ایک سلسلہ میں بیعت کرنے کی بجائے چاروں سلسلوں میں بیعت کرنے لگے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں:-

ہمارے حاجی صاحب چاروں سلسلوں میں اس لئے بیعت فرماتے تھے تاکہ دوسرے سلسلوں کی تحقیر و بدگمانی اور بدظنی کا قلب میں دوسرہ نہ آسکے۔ اس سے حضرت کا محقق ہونا مطوم ہوتا ہے۔ بہت بزرگوں کو دیکھا مگر جو شان تحقیق اور حدود کی رعایت حضرت کے یہاں دیکھی کسی کے ہاں نہیں دیکھی۔ حاصل مقصود تو سب سلسلوں کا ایک ہی ہے صرف طریق تربیت کے اعتبار سے فرق ہے، معنوں میں ایک ہے عنوان میں فرق ہے، اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی تنقیص کرے گا وہ اس طریق میں محروم رہے گا۔ ایک سلسلہ کی تحقیر سب کی تحقیر ہے۔

(الاقاضات ج: ۴، حیرت ص: ۵۵۱)

ہمیں تو حاجی صاحب نے یہ سکھایا ہے کہ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کو باپ سمجھو اور دوسرے سلسلہ والوں کو چچا۔ (ملفوظات اشرافیہ ص: ۲۱۸)

حضرت حاجی صاحب کی سلسلہ چشتیہ صابریہ میں زیادہ مقبولیت

حضرت حاجی صاحب چاروں سلسلوں کے شیخ تھے اور آپ ان چاروں سلسلوں کے اسرار و رموز سے اچھی طرح واقف تھے تاہم آپ سے سلسلہ چشتیہ صابریہ کو بہت قبولیت ملی اور عرب و عجم کے مشائخ و عوام نے اس سلسلہ سے بہت فیض پایا۔ جناب خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

صابریہ سلسلہ کا مرکز اس دور (یعنی اٹھارویں صدی) میں امر وہہ بنا وہاں حضرت شاہ عضد الدین (۱۱۷۲ھ)، حضرت شاہ عبدالہادی (۱۱۹۰ھ)، حضرت شاہ عبدالباری (۱۲۲۶ھ) نے تزکیہ نفس اور تجلیہ باطن کی وہ مہنیں گرم کیں کہ فضا میں تک جگمگا اٹھیں۔ شاہ عبدالباری

کے خلیفہ سید عبدالرحیم قاسمی (۱۲۳۶ھ) شیخ کی مجلس سے دین کا ایسا درو لے کر اٹھے کہ جب تک زندہ رہے احیائے سنت کے لئے کوشاں رہے۔ جب حضرت سید احمد شہیدؒ نے جہاد کی تیاری کی تو ان کے ساتھ ہو گئے اور بالا کوٹ کے میدان میں لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کے خلیفہ میاں جی نور محمد ٹھنڈا نوئی (۱۲۵۹ھ) کے دامن تربیت سے ایک ایسا شخص اٹھا جس نے صابریہ سلسلہ کو عروج کی انتہائی منزل پر پہنچا دیا۔ حاجی امداد اللہ مہاجر کئی کے فیوض ہندوستان تک ہی محدود نہ رہے دیگر ممالک اسلامیہ میں بھی ان کے اثرات پہنچے۔

(تاریخ مشائخ چشت: ص: ۲۳۳)

جناب مولانا مشتاق احمد ایٹھوئی لکھتے ہیں:-

حضرت حاجی صاحبؒ کے خلفاء بے شمار ہر دیار و امصار میں ہیں۔ متاخرین چشتیہ صابریہ میں حضرت ممدوح کے برابر مشائخ میں سے کسی کو اس درجہ شہرت نہیں ہوئی۔

(انوار العاشقین ص: ۸۲ مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۱۳ھ)

جناب پیر مہر علی شاہ گولڑوی چشتیہ نظامیہ میں سیال شریف سے خلافت پائے ہوئے تھے پھر آپ کہ کرمہ میں حضرت حاجی صاحب سے بھی بیعت ہوئے اور ان سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں خلافت پائی۔

اکثر علماء دیوبند حضرت حاجی صاحبؒ سے ارادت و خلافت رکھتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے پیر مہر علی شاہ صاحب کو اپنے حلقہ ارادت میں لینے کا یہ اثر ہوا کہ حضرت پیر صاحب گولڑوی نے علماء دیوبند کی تکفیر پر دستخط نہ کئے، حضرت مولانا اسمعیل شہید کو بھی اللہ کے مقبول بندوں میں شمار کیا۔ فرحمہ اللہ رحمۃ واسعة

حضرت حاجی صاحب کے طریق کا حاصل

حضرت حاجی صاحب کے طریق کا حاصل یہ ہے کہ باطن میں عشق و سوز ہو اور ظاہر میں اتباع ہو اور بزرگی وہ ہے جس میں بزرگی مٹ جائے مگر بدوں بزرگی پہلے ہوئے فنا حاصل نہیں ہوتی جیسے انہ میں

شیرینی جب آتی ہے کہ پہلے ترشی آئے شیرینی کی قابلیت ترشی سے ہوتی ہے جیسے انہ میں ترشی نہ آئے تو وہ شیریں نہیں ہوتا بلکہ اس کا مزہ خراب رہتا ہے بزرگی درمیان میں آتی ہے پھر (مقام) فناء حاصل ہوتا ہے۔ (کمالات اشرفیہ ص: ۱۲۷)

حضرت حاجی صاحب اپنے فن کے امام تھے، مجتہد تھے، مجدد تھے، محقق تھے۔ حضرت کی ذات ہائے کات سے عالم کو بڑا فیض ہوا، بے شمار گم کردہ راہوں کو راہ مل گئی۔ حضرت کی بدولت فن سلوک کی درس گاہیں کھل گئیں، آپ کی دعا کی برکت سے صدیوں کا مردہ طریق زندہ ہو گیا اب صدیوں ضرورت نہیں۔ (الافاضات ج ۶ ص ۱۵۸)

اب ہم آخر میں اپنے قارئین کو قادری سلسلے کے حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری سے متعارف کراتے ہیں۔

ائمہ طریقت کا رائپوری سلسلہ

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری (۱۳۳۷ھ)

برصغیر پاک و ہند خصوصاً مغربی پنجاب میں اس سلسلے کی بہت شہرت ہے۔ اس سلسلے کا آغاز قطب ولایت حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری (۱۳۳۷ھ) سے ہوتا ہے۔ آپ حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری (۱۳۰۳ھ) سے جو صوات کے مشہور بزرگ قطب الاولیاء حضرت اخوند عبدالغفور صاحب (۱۲۹۵ھ) کے خلیفہ تھے ارادت اور خلافت رکھتے تھے۔ حضرت اخوند کے پیر طریقت حضرت خواجہ محمد شعیب تورڈھیری (۱۲۳۸ھ) رنجیت سنگھ کے دور میں ہوئے ہیں۔ آپ سکھ مظالم کے خلاف ہمیشہ نبرد آزما رہے اور ایسے ہی ایک معرکہ میں شہادت پائی۔

حضرت شاہ عبدالرحیم سہارنپوری قادری اور نقشبندی دونوں سلسلوں کے شیخ طریقت تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری ان سے بیعت ہوئے، آپ نے انہیں خلافت رائپوری دی اور رائپور میں قیام کا حکم دیا۔ رائپور ضلع سہارنپور میں ایک مشہور قصبہ ہے۔ یہ سلوک و احسان کی وادیوں کے ساکین اولیاء کرام کے مزارات پر بھی حاضری دیتے ہیں اور ان سے ان کو

ایک باطنی نسبت ہوتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری بھی حضرت خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابر کے مزار پر کبھی کبھی کلیر شریف جا ٹکلتے اور وہاں مزار کے پاس مراقب ہو کر بیٹھتے ایک دن آپ نے اچانک آواز سنی۔

ہمارے سلسلہ کی نعمت اس وقت گنگوہ میں لٹ رہی ہے وہاں مولانا رشید احمد کے پاس جاؤ۔

آپ ان دنوں حج کی تیاری میں تھے پہلے حجاز پہنچے پھر واپسی پر گنگوہ حاضری دی۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی کی خدمت میں حاضری دینے آئے تھے۔ آپ کے والد صاحب حضرت حاجی صاحب سے بیعت تھے اور اس تعلق سے آپ کو حضرت کے ہاں اور بھی قرب حاصل۔ حاجی صاحب سے آپ کی روشن نسبت باطنی مخفی نہ رہی آپ نے انہیں اپنا زیرِ تلاوت قرآن مرحمت فرمایا اور کہا ہندوستان واپسی پر مجھے مل کر جائیں اور واپسی پر انہیں حضرت گنگوہی کے نام ایک خط دیا۔

آپ جب ہندوستان آئے تو وہ ساعت سعیدہ آنجینی جس کی حضرت رائپوری نے کلیر شریف میں غیبی آواز سنی تھی۔ آپ قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کی بیعت کی اور اسی دن حضرت گنگوہی نے آپ کو چاروں سلسلوں کی اجازت اور خلافت دی۔ یہ کلیر شریف کے حضرت علی احمد صابر کی روحانیت تھی جو آپ کو گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد کے واسطے سے ملی گو اس سے پہلے آپ قادری اور نقشبندی دو سلسلوں کے مجاز اور شیخ کامل تھے۔

حضرت رائپوری کو نئے آداب ریاضت نہ دیئے گئے تھے

یہ مختلف سلاسل وادی سلوک کی چار راہیں ہیں منزل سب کی ایک ہے اور وہ ایک اللہ تعالیٰ کے حضور رسائی ہے، جو یہ دولت پا گیا منزل پا گیا گو وہ اسے کسی راہ سے ملی ہو۔ حضرت گنگوہی نے حضرت رائپوری کو ریاضت کی کسی نئی راہ پر نہیں لگایا نہ کوئی نئے اوراد و وظائف تلقین کئے، آپ کی پوری چشتی صابری نسبت بیعت میں آتے ہی آپ میں خنقل ہو گئی، اب یہ حضرت رائپوری میں قادری نقشبندی اور چشتی صابری سب نسبتیں جمع تھیں اور جب حضرت گنگوہی نے آپ کو چاروں سلسلوں کی اجازت دی تو آپ نے سہروردی نسبت کے چراغ بھی پوری روشنی میں دیکھے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے حضرت رائی پوری کو اپنی پہلی لائن پر ہی رہنے دیا گو آپ حضرت گنگوہی سے چشتی صابری سلسلوں کی پوری نسبت لے چکے تھے۔ آپ اپنے سالکین کو زیادہ قادری سلسلے میں تعلیم و تربیت دیتے رہے۔ حضرت گنگوہی کے مرشد حضرت حاجی صاحب نے ان سلسلوں کے جذبہ مسابقت کو روکنے کے لئے چاروں سلسلوں کی بیعت اور اجازت کی طرح ڈال ہی دی تھی۔

حضرت رائی پوری نے اپنے جانشین حضرت شاہ غلام جیلانی کا نام حضرت شاہ عبدالقادر رکھ دیا اس سے اس سلسلے کو قادری ہونے کی اور شہرت ملی۔ ہو سکتا ہے اس میں یہ بھی اشارہ ہو کہ آپ صرف جیلانی نہیں عبدالقادر جیلانی ہیں اور پیران پیر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی کا سلسلہ آپ سے خوب چلے گا، اتنی بات صحیح ہے کہ آپ نے ان کا نام عبدالقادر رکھا۔ اس وقت ملک میں بڑی شخصیتیں ایسی تھیں جن کے علم و فضل، فہم و بصیرت اور جامعیت شریعت و طریقت میں کبھی کسی کو تردد کرنے والا نہ دیکھا گیا تھا۔ وہ دو حضرات یہ ہیں:

۱۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

۲۔ حکیم الامہ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

حضرت شیخ الہند (۱۳۳۹ھ) نہ صرف یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے مسند آرائے حدیث تھے وہ اپنے وقت کے ایک عظیم سیاسی رہنما بھی تھے جو ترکوں سے مل کر ایک وسیع ہندوستان کی تعمیر چاہتے تھے، یہ آپ کی سیاسی فراست تھی جس نے ہندوستان کی ایک بڑی غیر مسلم قوم کو تحریک خلافت جو ایک خالص اسلامی سوچ تھی کا مہموا بنا دیا تھا۔ آپ کے ہاں حضرت شاہ عبدالرحیم رائی پوریؒ کا مقام کیا تھا وہ تاریخ کے سنہری حروف میں محفوظ ہے، ثانیاً آپ حضرت مولانا تھانویؒ کے ہاں کس عظمت و جاہت سے دیکھے جاتے تھے اسے خود ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ حضرت شیخ الہند کے ہاں حضرت رائی پوری کا مرتبہ

حضرت شیخ الہند کے ہاں آپ اپنے وقت میں اسی مقام پر تھے جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ سرہندی کو اپنے وقت میں حاصل تھا۔ آپ نے مالٹا میں بیٹھے جب حضرت رائی پوری کی وفات کی خبر سنی تو آپ کے بارے میں اپنے احساسات اس طرح سپرد قلم کئے:

قبلہ و کعبہ امانی مُرد
 عالم و حافظ مثنوی مُرد
 عارف حکمت بیانی مُرد
 طائر عرش آشیانی مُرد
 زینت و زیب الف ثانی مُرد
 شاہ عبد الرحیم ثانی مُرد
 رہنمائے مسالک ایماں
 راہگیرائے منازل ایقان
 راہ نورد مراحل احساں
 ساتی بزم وحدت و عرفاں
 زینت و زیب الف ثانی مُرد
 شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد
 ہمدوم! رائے کس سے لو گے کہو
 مشورے کس سے اب کرو گے کہو
 راز دل کس سے اب کہو گے کہو
 رائے پور بھی کبھی چلو گے کہو

حضرت شیخ الہند اپنی سیاسی جدوجہد میں آپ سے مشورہ کرتے وہ آپ کی سیاسی بصیرت اور اصابت رائے کے پوری طرح قائل تھے۔

آپ نے سفر حجاز اور اسارت مالٹا سے پہلے ہندوستان میں آپ کو ہی اپنا جانشین بنایا تھا دیوبند میں آپ کسی کو یہ ذمہ داری نہ دینا چاہتے تھے تاکہ دیوبند کی انتظامیہ کسی ملکی سیاست میں ملوث نہ ہو افغانستان میں حضرت شیخ الہند نے اگر کوئی اپنا سیاسی حلقہ بنایا تو وہ ایک دوسرا ملکی تھا اور آپ کے شاگرد مہمات امور میں سب آپ کی طرف ہی دیکھتے تھے، آپ کی وفات پر حضرت شیخ الہند کے نامور شاگرد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے اس دکھ بھرے احساس کا ان لفظوں میں ذکر کیا ہے۔

چلے ہاں آپ اور محمود بھی آنے نہ پائے تھے
اسے تو غالباً دل آپ کا بھی جانتا ہوگا
گئے ہو چھوڑ کر محمود کی اولاد کو کس پر
اگر ہوگا تو ہم کو آپ سے یہ ہی گلہ ہوگا
بہت اچھا ہمیں تم چھوڑ کر تنہا چلے جاؤ
کہ حامی ہم غریبوں بیکسوں کا بھی خدا ہوگا

آئیے اب دیکھیں حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ

کی نگاہ میں کیا تھے۔

مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کا قلب بڑا نورانی تھا، میں ان
کے پاس بیٹھنے سے ڈرتا تھا کہ کہیں میرے عیوب ان پر منکشف نہ ہو
جائیں۔ (حکایات الاولیاء (ارواحِ طلحہ) ص: ۳۶۵)

آپ نے اپنی وفات سے پہلے حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری کو اپنا جانشین بنایا اور
انہیں وصیت کی کہ میرے بعد سلوک کے بارے میں کوئی ضرورت محسوس ہو تو حضرت مولانا
خلیل احمد سہارنپوری سے مشورہ کرنا اور حضرت شیخ الہند جب ہندوستان واپس لوٹیں تو ان کے
سیاسی فیصلوں میں ان سے بھرپور تعاون کرنا۔ یہ اس مردِ نڈر کے آخری الفاظ تھے جو آپ نے
اپنے سفرِ آخرت سے پہلے اپنے جانشین حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری کو کہے اور داعی اجل کو
لیکھا۔

(۲) حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری

آپ رائپوری سلسلہ کے دوسرے عظیم روحانی پیشوا ہیں۔ آپ ضلع سرگودھا
(پاکستان) کے ایک قصبہ ڈھڈیاں میں ۱۲۹۰ھ سے کچھ پہلے پیدا ہوئے، اسی زمانے میں
پنجاب میں سکھ حکومت ختم ہوئی تھی اور انگریز ان کی دہشت گردی ختم کر کے ایک نیا نظام
حکومت لائے تھے، یہ آپ کی پیدائش کی پہلی برکت تھی کہ مسجدیں سکھوں سے واگزار ہو کر پھر
سے مسلمانوں کو ملیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مولانا کلیم اللہ صاحب اور حضرت شریف ضلع
سرگودھا کے مولانا محمد ظلیل صاحب سے حاصل کی، مولانا محمد ظلیل کو حضرت علی المرتضیٰ نے ایک
مکالمہ میں (اپنے سے آگے جاری ہونے والے) سلسلہ قادریہ میں بیعت کیا تھا۔ اب ان

کے بعد آپ سہارنپور آئے سہارنپور میں مولانا ثابت علی اور مولانا حبیب الرحمن (بن مولانا احمد علی سہارنپوری) سے پانی پت میں قاری عبدالرحمن صاحب سے بھی علمی استفادہ فرمایا۔ قاری عبدالرحمن صاحب بہت عمر رسیدہ بزرگ تھے اور انہوں نے مولانا اسلمعلیل شہید کے پیچھے کئی نمازیں پڑھیں تھیں، کشف الحجاب انہی کی تالیف ہے۔ پھر کچھ وقت کے لئے رامپور بھی گئے اور پھر دہلی کا رخ کیا اور مدرسہ مولانا عبدالوہاب میں قیام کیا۔ یہ مدرسہ صدر بازار دہلی میں تھا اور اس پر مولانا نذیر حسین دہلوی کے گہرے اثرات تھے۔

آپ نے کچھ عرصہ بریلی کے مدرسہ مصباح اجتہاد میں بھی گزارا اور غالباً یہیں تکمیل فرمائی۔ غالباً یہ ۱۳۱۹ھ کی بات ہے۔ آپ کی تدریسی خدمات میں آپ کا مولانا احمد رضا خاں کے مدرسہ میں تعلیم دینا مشہور ہے۔ ان کے صاحبزادہ مولانا مصطفیٰ رضا خاں اور دوسرے کئی علماء نے بھی آپ سے پڑھا۔

ضلع سرگودھا میں بھیرہ ایک مشہور قصبہ ہے وہاں کے ایک اہلحدیث عالم (باصطلاح جدید) حکیم نور الدین حضرت کے بزرگوں کے خاندانی شاگرد تھے ان کے تعلق سے آپ نے مرزا غلام احمد کا ابتدائی دور بھی پایا۔ مرزا غلام احمد کے ساتھ مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اہل حدیث مرزا غلام احمد کی طرف سے آپ کو خط لکھتے رہے۔

آپ کا ہاتھ وقت کے تمام فتنوں کی نبض پر بروقت آیا۔

پنجاب تمام عصری فتنوں کا مرکز رہا تھا (۱) قادیانیت یہیں اپنا سرٹھار ہی تھی، (۲) مولانا احمد رضا خاں نے بریلی میں اپنا علیحدہ مدرسہ بنایا اور پنجاب میں حزب الاحتاف لاہور سے یہ تحریک چلائی، (۳) اہلحدیث (باصطلاح جدید) کی تحریک ترک تقلید پنجاب میں چلی، ان کے شیخ اکل مولانا نذیر حسین دہلوی کے شاگردوں نے اپنی فصل بونے کے لئے اس زمین کو بہت زرخیز دیکھا۔ وزیر آباد میں حافظ عبدالمنان، امرتسر میں مولانا عبداللہ غزنوی، سیالکوٹ میں مولانا غلام حسن، بنالہ میں مولانا محمد حسین بنالوی، دہلی میں مولانا احمد اللہ، گوجرانوالہ میں حافظ محمد گوندی، ابالہ میں علماء روپڑ، پورے پنجاب بلکہ ہندوستان بھر میں اپنے مراکز قائم کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور میں دین حق کی حفاظت، فطری اعتدال اور اصلاح باطن کا کام آپ سے لیتا تھا اس لئے اس نے آپ کو ان فلاح تحریکوں اور فتنوں کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع دیا۔ آپ نے دہلی میں مولانا عبدالوہاب کے مدرسہ

میں اور بریلی میں مولانا احمد رضا خاں کے مدرسہ میں تحریک ترک تقلید اور تحریک ترک نسبت محمدین دہلی کو بذات خود دیکھا۔ قادیانیت کو بھی اس کی جڑوں سے دیکھا۔ حکیم نور الدین بھیروی (ضلع سرگودھا) اور مولوی عبدالکریم سیالکوٹی اور مرزا غلام احمد سے براہ راست خط و کتابت رہی۔ علماء کی صفوں میں راجپور میں معقولات کا دور دورہ دیکھا کہ ان میں بہت کم اصل منزل کی طرف رخ کرتے ہیں۔ آپ نے چشمہ صافی اسی راہ کو اختیار کیا جو شریعت اور طریقت کے دو کناروں میں چلے۔ فطری اعتدال پسندی اور محبت الہی کی پیاس آپ کو حضرت شاہ عبدالرحیم رانیپوری کی خدمت میں رانیپور لے آئی۔ ایسے حضرات خدا کا چناؤ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس قسم کے سیاہ اندھیروں اور منزلۃ الاقدام راہوں سے پورا بچا کر خود اپنے کام کے لیے چن لیتا ہے۔

اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویہدی الیہ من ینیب

(پ: ۲۵، الشوریٰ: ۱۳)

آپ نے حضرت شاہ عبدالرحیم کی خدمت میں رانیپور خط لکھا اور ارادہ بیعت کے لئے حاضری کی اجازت چاہی، حضرت رانیپوری نے آپ کو حضرت گنگوہی کی خدمت میں جانے کا مشورہ دیا، آپ نے حضرت گنگوہی کی کبرنی اور کزور صحت پر نظر رکھتے ہوئے حضرت رانیپوری کی ارادت میں آنے کی التجا کی جسے حضرت شاہ عبدالرحیم نے منظور فرمایا۔ آپ حضرت رانیپوری سے ایسے وابستہ ہوئے کہ پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ۱۹۱۰ء میں دونوں حضرات اکٹھے حج پر گئے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رانیپوری اپنی زندگی میں ہی مرض وفات میں اپنے پاس آنے والوں کو حضرت شاہ عبدالقادر سے بیعت کراتے۔ بڑے حضرت گو (رانپور) سہارنپور کے رہنے والے تھے مگر آپ نے اپنی خلافت میں پنجاب کو آگے رکھا۔ بہاولنگر، جالندھر اور سرگودھا میں مولانا اللہ بخش بہاولنگری منشی رحمت علی جالندھری اور مولانا عبدالقادر صاحب کو سرفہرست رکھا۔ مسلم لیگ پاکستان کے رکن صوفی عبدالحمید صاحب آپ سے بیعت تھے اور آپ لاہور میں زیادہ انہی کے ہاں ٹھہرتے تھے۔ آپ کے ہم عصر علماء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی، (۲) رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی، (۳) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری، (۴) حضرت مولانا احمد علی لاہوری قادری سرفہرست تھے۔ ان میں سے

ہر ایک کے ہاں حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری، حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری کے صحیح معنی میں جانشین تھے۔

آپ کے خلفاء کرام میں پنجاب میں زیادہ معروف یہ بیس حضرات رہے:-

(۱) حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری کے نواسہ حضرت مولانا عبدالعزیز (سرگودھا)

(۲) مولانا عبدالعزیز رائپوری، چک ۱۱ چیچہ وطنی

(۳) حضرت مولانا محمد عبداللہ رائپوری شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ

(۴) حضرت مولانا عبدالعزیز ساہیوال

(۵) مولانا عبدالقادر جمادریاں

(۶) پیر جی عبداللطیف رائپوری (چیچہ وطنی)

(۷) حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی

(۸) مولانا عبدالجلیل ڈھڈیاں برادرزادہ حضرت رائپوری

(۹) مولانا حافظ عبدالوحید ہمشیرہ زادہ حضرت رائپوری

(۱۰) شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہ گمانوی

(۱۱) مولانا حافظ محمد ابراہیم جگرانوی (میاں چنوں)

(۱۲) مولانا سید نیاز احمد شاہ گیلانی

(۱۳) مولانا محمد عبداللہ دھرکوٹی

(۱۴) حکیم ڈاکٹر مولانا محمد حسین للہی گوجرخان

(۱۵) مولانا سید معروف علی شاہ حمدانی (قصور)

(۱۶) مولانا نیس الرحمن لدھیانوی

(۱۷) حضرت مولانا سید انور حسین نقیس رقم سیالکوٹی ثم لاہوری

(۱۸) مولانا سید عطاء اللعظم شاہ بخاری (ملتان) ابن حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری

اقوال تصوف

اقوال تصوف اور ان کے گہرے اثرات

عام لوگوں کی ان مسائل پر تربیت اور اصلاح کے لیے اہل تصوف کے اقوال بھی بہت اثر کرتے ہیں۔ ہم یہاں چند روشن ضمیر بزرگوں کے کچھ اقوال تصوف بھی پیش کریں گے۔ یہ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں، اخلاق کی اصلاح میں یہ اقوال بسا اوقات تیر بہدف کا کام کرتے ہیں اور ان کے لیے ان حضرات کے سالہا سال کے تجربات اور مشاہدات اور مریدان بااخلاص کے ترکیب کی محنت ہوتی ہے۔ جب تک توبہ کا دروازہ کھلا ہے انسان ایسے اعمال کا مکلف ہے کہ جس طرح بھی بن آئے وہ ان اخلاقی بیماریوں سے نکلے یہاں تک کہ اسے ان برے اخلاق میں نہ کوئی لذت محسوس ہو نہ کوئی کشش۔ جب سمجھو کہ اس راہ کا مسافر منزل پا گیا۔

اس اُمت کے کامل ترین فرد حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ہیں، جو آنحضرت ﷺ سے پہلے کے نبی ہیں۔ اپنے نازل ہونے کے بعد وہ شریعت محمدی کے تابع ہوں گے اور اب وہ اُمت محمدی کے ایک فرد ہوں گے۔ اقوال تصوف میں پہلے انہی کا قول پر تاثیر پڑے۔

(۱)۔ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا ارشاد ہے:-

اہل دنیا کے مال کی طرف نہ دیکھو کیونکہ ان کی دنیا کی روشنی، ایمان کی شیرینی تمہارے دل سے دُور کر دے گی۔ (کیمیائے سعادت، ص: ۱۶۳)

امام محمدؑ امام مالکؑ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی یہ تین باتیں پہنچیں:-

لا تكثرُوا الكلامَ بغيرِ ذكرِ اللهِ فتفسو لولو بكم فان القلب

القاسی بعید من اللہ تعالیٰ ولكن لا تعلمون ولا تنظروا
الی ذنوب الناس کانکم ارباب وانظروا فیہا کانکم عبید
فان الناس مبتلی و معاف فارحموا اهل البلاء واحمدوا
اللہ علی العافیة

ترجمہ: (۱) اللہ کے ذکر کے سوا کثرت کلام سے بچو (قلیل الکلام رہو)
کثرت کلام سے تمہارے دل سخت ہو جائیں گے، سخت دل آدمی اللہ
(کی رحمت) سے دور رہتا ہے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلتا۔ (۲) اور
لوگوں کے گناہوں پر غور نہ کرو گویا تم (ان کے) رب ہو، (انہیں حقیر
سمجھنے سے بچو) ان پر بندوں کی سی نظر کرو (کہ ان کے گناہوں سے
تمہیں اللہ کا ڈر محسوس ہونے لگے)۔ (۳) لوگ دو ہی طرح کے ہیں،
ایک وہ جو آزمائش میں ڈالے گئے اور دوسرے وہ جو آزمائش سے بچے
بچے رہے۔ تم ان پر رحم کرو جو کسی آزمائش میں ہیں، اور تمہیں جو
عافیت ملی ہے اس پر تم خدا کی حمد کرو۔

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پر شریعت غالب تھی، حضرت عیسیٰ بن مریمؑ پر
درویشی غالب تھی۔ آپ زیادہ طریقت میں رہے۔ بائبل کے پرانے عہد نامہ میں زیادہ وقائع اور
قوانین ہیں اور نئے عہد نامہ میں تصوف کا رنگ جھلکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ
علیہ السلام کی شریعت کے بھی پابند تھے ماسوائے چند مسائل کے جو آپ کی اپنی شریعت کہلائے۔

(۲)۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

علم و تربیت میں ساری اُمت کی ماں ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا آدمی کب برا بنتا
ہے؟ آپ نے فرمایا:

جب وہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنے لگے۔ اگر کسی کو دین یا دنیا کا کوئی
منصب ملے اور اس میں تکبر کرے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اس کا مرتبہ
اس منصب سے کم ہے اور جو اس منصب میں تواضع کرے تو خبر دیتا

ہے کہ اس کا مرتبہ اس منصب سے بڑھ کر ہے۔ (ایضاً ص: ۴۲)

(۳)۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ

حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے بعد اس اُمت میں سب سے افضل ترین حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اب ان کے اقوال تصوف سے لذت پذیر ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اس نصیحت کو پڑھیں:-

(۱) زبان کو دوسروں کے شکوہ سے روک! خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔

(۲) خوف الہی بقدر علم ہوتا ہے اور خدا سے بے خوفی بقدر جہالت ہوتی ہے۔

(۳) تو دنیا میں رہنے کے سامانوں میں لگا ہے اور دنیا تجھے اپنے سے

ٹکالنے میں سرگرم ہے۔

(۴) شریف آدمی علم سے اور متواضع ہو جاتا ہے اور خبیث علم حاصل

کر کے متکبر ہو جاتا ہے۔

(۵) فقیر کے سامنے عاجزی اور ادب سے صدقہ پیش کرو، خوشدلی

سے صدقہ دینا قبولیت کی نشانی ہے اور بچھے دل سے صدقہ دینا اس

کے بار ہونے کا اظہار ہے گویا اس پر یہ ایک بوجھ سا تھا۔

حضرت عمر بن خطابؓ کا ایک قول:-

لو علمت ان أحداً أقوى علیٰ هذا الامر منی لکان لی ان

اقدام فیضرب عنقی اھون علیٰ فمن ولیٰ هذا الامر بعدی

فلیلعلم ان سیردہ القریب والبعید وایم اللہ ان كنت لاقتال

الناس عن نفسی (رواہ محمد بن الحسن) (تاریخ دمشق)

ترجمہ: اگر میں کسی ایسے شخص کو جان لوں جو مجھ سے زیادہ امور سلطنت

پر قابو پاسکتا ہے تو میرے لیے یہ آسان ہوگا کہ اسے اپنے اوپر مقدم

کروں، گو وہ مجھے مار دے سو جو شخص میرے بعد یہ سلطنت پائے وہ

جان لے کہ اس کے پاس اس کے لیے اپنے شہر کے اور اجنبی لوگ سب

آئیں گے اور خدا کی قسم کہ میں لوگوں سے اپنی ذات کے لیے لڑوں۔

آپ ہمیشہ اس بات پر زور دیتے تھے۔
 اے لوگو! بیشتر اس کے کہ تمہارے اعمال کو ترازوئے عدل میں ڈالا
 جائے تم خود ہی ان کا وزن کر لو تا کہ کمی بیشی کا اندازہ کر کے اس کی
 کوئی تدبیر تم اسی زندگی میں کر لو ورنہ بعد میں یہ موقع بھی کہاں؟
 حضرت عثمان غنیؓ کا ایک زریں قول:-

ياأيها الناس انکم احوج الی امام فعال دون امام قوال
 ترجمہ: تمہیں ایسے امام کی ضرورت ہے جو سلطنت کے کام کرے، کام
 کا دہنی ہو، صرف باتوں والا نہ ہو۔

شاہ ولایت حضرت علی مرتضیٰؓ کا ارشاد:

ان اعظم الخيانة خيانة الامة والقطع الغش غش الائمة
 (نسخ البلاغۃ ۳، ص: ۳۱)

ترجمہ: سب سے بڑی خیانت قوم کی خیانت ہے اور سب سے
 دہشتناک دھوکہ امراء کا ہے۔

والله لاسلمن ما سلمت امور المسلمين الا على خاصة
 النعماساً لاجر ذلك وفضله (ایضاً جلد ۱، ص: ۱۲۰)

ترجمہ: بخدا میں اس وقت تک سلامتی سے رہوں گا جب تک امت
 کے امور سلامتی سے چلتے رہیں اور میرے سوا کسی اور پر زیادتی نہ ہو،
 تا کہ مجھے اس کا اجر ملے اور اس کا فضل شامل حال رہے۔

آپ ان اقوال تصوف میں بھی ایک عجیب لذت محسوس کریں گے، یہ ان کی ایک
 نہایت لطیف تاثیر ہے جس سے بسا اوقات زندگی کا کائنات یکدم بدل جاتا ہے اور انسان ہدایت
 پر آجاتا ہے۔ چھٹی صدی تک اس راہ کے مسافر بڑی احتیاط سے اس میں چلتے رہے، اس کے
 بعد جب اس میں کچھ بے احتیاطی ہوئی اور اس میں غلو نے کچھ نہایت پیچیدہ جال بن دیئے،
 اس راہ میں ساتویں صدی کے شیخ اکبر محمد بن الدین ابن عربی (۶۳۹ھ) کچھ ایسے گہرے چلے کہ

کئی عارضین کو بھی اس جال سے نکلنا خاصا مشکل ہو گیا اور ان کے خلاف بہت آوازیں اٹھنے لگیں اور الحاد کے بھی کچھ الزامات لگے۔

تاہم اس سے بھی انکار نہیں کہ بعض بڑے اونچے درجے کے بزرگوں نے انہیں روحانی طور پر عالم برزخ میں مقبولین میں دیکھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب ”التبہ الطربی فی تنزیہ ابن عربی“ میں بہت سے ایسے دقیق اعتراضات کا جواب دیا ہے لیکن پھر بھی ہدایت یہی کی ہے کہ عام لوگ ان کی کتابیں نہ پڑھیں۔

ابن عربی کے زیر اثر پھر کچھ ایسے مشائخ بھی اٹھے ہیں جنہوں نے اپنے بلند پایہ علم کے باوجود تصوف میں اپنے مریدین کو اپنا بندہ بنانے کے آداب اختیار کر لیے۔

اللہ کے کچھ بندے معبود ہی بن بیٹھے
لوگوں میں نظر آئی جو خوئے جبین سائی

ان میں دسویں صدی ہجری کے ایک شافعی المذہب بزرگ علامہ عبدالوہاب شعرانی (۹۷۳ھ) شیخ ابن عربی کے سایہ میں اس طرح چلے کہ انہیں ان کا شاگرد خاص کہا جاتا ہے۔ اور علامہ شعرانی کی کتاب ”الیواقیت والجواہر“ ابن عربی کی فتوحات کیہ کا ہی ایک دوسرا ایڈیشن سمجھی جاتی ہے۔

اس کا سبب غالباً احتاف کے اصول فقہ اور شوافع کے اصول فقہ میں تعریف بدعت میں ایک اختلاف ہو، جسے ہم اس وقت زیر بحث نہیں لاتے، تاہم اللہ کے بندوں کو (مریدان باصفا کو) اپنے بندے بنانے کا جال شاید ہی کسی نے ایسا گھناؤنا بنایا ہو۔

علامہ عبدالوہاب الشعرانی الشافعی نے ”الانوار القدسیة فی معرفة قواعد الصوفیة“ اپنے اس خاص مزاج سے لکھی ہے جس میں مریدوں کو اپنا بندہ بنانے کے کئی سبق دیئے گئے ہیں۔ آپ انہیں ساتویں باب آداب المشائخ کے ذیل میں پڑھ آئے ہیں۔ یہاں ہم ان میں سے دو پھر نقل کیے دیتے ہیں، اس سے باقی بھی یاد آجائیں گے۔

(۱) اپنے شیخ کی اس طرح اطاعت کرے جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور اس پر قرآن کی سورۃ الاحریم کی یہ آیت پیش کی گئی ہے:-

لا يعصون الله ما أمرهم ويفعلون ما يؤمرون (پ: ۲۸، التحریم: ۶)
ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ کی کسی بات کے خلاف نہیں ملتے اور جو کچھ انہیں کہا
جائے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

(۲) جب سالک کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے جسمانی باپ کو چھوڑ
کر کسی دوسرے کی طرف نسبت کرے، تو یہ بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے
روحانی باپ شیخ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کی طرف نسبت کرے۔ وہ
یقین کرے کہ مرشد وہ آنکھ ہے جس سے اللہ تعالیٰ میری طرف رحمت
سے دیکھتا ہے۔

اس کتاب میں دیئے گئے آداب مشائخ کسی زاویہ فکر سے بھی اقوال تصوف نہیں
کہلا سکتے۔ اب آپ اس بات کی تحقیق کریں کہ دسویں صدی کے اس غلط مولف کے خلاف
سب سے پہلے کس بزرگ نے آواز اٹھائی؟ گیارہویں صدی کے مجدد حضرت امام ربانی مجدد
الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۱۰۳۳ھ) نے..... آپ نے علامہ شعرانی کا نام لے کر تو نہیں،
ان کے امام شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کتاب ”فصوص الحکم“ کا نام لے کر کہا کہ
ہمیں فص نہیں، کتاب وسنت کی نص چاہیے۔ طریقت کی راہیں شریعت سے آنی چاہئیں۔
طریقت شریعت کے مقابل کوئی دوسری راہ نہیں ہے۔ آپ اپنے مکتوب نمبر ۲۶۶،
ص: ۳۱۰ (دفتر اول) میں خواجہ عبداللہ کے نام لکھتے ہیں:

عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را
معدور داریم و ملامت نہ کنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض
داریم، این جا قول امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف و امام محمد معتبر است نہ
کہ عمل ابو بکر شبلی و ابو حسن نوری۔

ترجمہ: اہل تصوف کا عمل جائز اور ناجائز کے تعین میں ہرگز سند نہیں،
انہیں بس اتنی رعایت دی جائے کہ ہم انہیں کسی عذر کے باعث معدور
سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ ان کا معاملہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد

کریں۔ حلال و حرام کے تعین میں (فقہاء سے سند لینی چاہیے) یہاں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال لائیں، نہ کہ حضرت ابو بکر شیبیؓ اور ابو حسن نوریؒ کے۔

یہ بات کوئی عام شخص کہتا تو سب لوگ کہنے والے کو ملامت کرتے کہ کیا حضرت شیخ اکبر کتاب و سنت کے خلاف کوئی بات کہہ سکتے تھے؟ حضرت امام ربائی نے کھلے طور پر فرمایا:

ایں بزرگواراں دریں طریق التزام سنت نمودہ اند و اجتناب از بدعت فرمودہ مہما اکن۔ عمل برخصت تجویز نے کنند و نص بنفس نے گرایند و از فتوحات مدنیہ بفتوحات مکہ التفات نے نمایند.....

(مکتوبات شریف جلد اول مکتوب ۲۴۳ ص ۴۳، ص ۴۴ مکتبہ سعید یہ پشاور)

ترجمہ: نقشبندیوں کے یہ بزرگ ہمیشہ سنت کے ملتزم اور بدعات سے جہاں تک ہو سکا بجنب رہے ہیں۔ رخصتوں پر عمل تجویز نہیں کرتے۔ کتاب و سنت کی نص کو فصوص الحکم اور فتوحات مکہ سے کمزور نہیں کرتے۔ فتوحات مدنیہ کے بالمقابل فتوحات مکہ کی طرف ذرا التفات نہیں کرتے۔

معارف انبیاء کتاب و سنت و معارف اولیاء فصوص و فتوحات مکہ

(مکتوبات جلد ۱، مکتوب نمبر ۳۶۰، ص ۹۴)

ترجمہ: معارف انبیاء (قطع درجے میں) کتاب و سنت ہیں اور معارف اولیاء فصوص الحکم اور فتوحات مکہ کی وسعتیں ہیں۔ جنہیں قطعیت کا درجہ حاصل نہیں۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں

کشف و کرامت عام سہمی قطعیت سنت عام نہیں

حضرت امام ربانی کی یہ دوری صرف شیخ اکبر ابن عربی (ھ) اور علامہ شعرانی (ھ)

سے ہی نہیں۔ پہلے صوفیہ کرام سے بھی آپ دین کی سند نہیں لیتے۔ دین میں آپ فقہاء سے

سند لیتے ہیں جو کتاب و سنت سے بطریق اجتہاد مسائل فقہ کشید کرتے ہیں۔ ہم آپ کا یہ مکتوب گرامی پہلے بھی ہدیہ قارئین کر چکے ہیں۔

عمل صوفیہ درحل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ و تعالیٰ مفوض داریم (مکتوب ۲۶۶، جلد اول ص ۱۳۶)

ترجمہ: اہل تصوف کا عمل جائز اور ناجائز کے تعین میں ہرگز سند نہیں، انہیں بس اتنی رعایت دی جائے کہ ہم انہیں کسی عذر کے باعث معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں۔ ان کا معاملہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سپرد کریں۔

لیکن یہ بات ایک ایسے اونچے نقشبندی بزرگ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے کہی کہ ہم کوفص کی نہیں نص کی ضرورت ہے، تو کسی زبان سے بھی یہ بات نہ نکلی کہ یہ کہنے والا بزرگوں کا منکر ہے، پیروں کے مقامات نہیں سمجھتا۔

اس لیے یہ الفاظ کہ ہمیں فص نہیں نص چاہیے، اقوال تصوف میں ایک نہایت اونچا درجہ پاگئے۔ جو نبی یہ بات کہہ دی جائے راہ طریقت میں چلنے والے مسافروں کی سوچ کا کاٹنا یکدم بدل جاتا ہے۔ آپ کے یہ الفاظ علامہ شعرانی بھی سنتے تو شاید وہ اپنی پوری اس کتاب سے رجوع فرما لیتے اور پھر یہ دنیا کہتی کہ کس طرح ایک حنفی بزرگ نے ایک شافعی بزرگ کی راہ بدل دی ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے جو فصوص الحکم کا نام لیا، وہ آپ سے تقریباً چار سو سال پہلے کی ایک نہایت علمی اور گہری تالیف ہے، تو آپ خود سوچیں کہ کیا ایک صدی پہلے کی کتب تصوف پر آپ کی نظر نہ ہوگی؟

یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی علامہ شعرانی کی اس کتاب پر نظر نہ ہوگی۔ آپ اپنے ایک مکتوب میں، جو آپ نے خواجہ عبداللہ کے نام لکھا ہے، لکھتے ہیں:-

صوفیہ وقت نیز اگر برسر انصاف بیایند وضعف اسلام و افشائے کذب

را ملاحظہ کنند باید کہ در ماورائے سنت تقلید پیران خود نکند و امور مختصرہ را

بہانہ عمل شیوخ و یدین خود نگیرند

ترجمہ: صوفیہ وقت بھی اگر کچھ انصاف کریں اور اسلام کے ضعف اور
جھوٹ کی کثرت کا اندازہ کریں تو چاہیے کہ سنت کے ماسوا اپنے
پیروں کی تقلید نہ کریں اور اپنے شیوخ کے عمل کا بہانہ کر کے مختصر عم پر
عمل نہ کریں۔ (مکتوبات شریف نمبر ۲۳، ص ۵۸، جلد دوم)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ گیارہویں صدی میں پیروں کی اس روش سے سخت
بیزار تھے۔ کاش کہ آثار الاحسان کے قارئین کرام ان کی ان درد مندانہ اور دل نگار صداؤں کو
بھی سن چکے ہوتے۔ آپ لکھتے ہیں:-

یہ فقیر ان بدعات میں کسی بدعت میں حسن اور نورانیت نہیں دیکھتا ان میں
ظلمت اور کدورت کے سوا کچھ محسوس نہیں کرتا..... احادیث سے معلوم ہوتا
ہے کہ ہر بدعت سنت کو مٹانے والی ہے بعض کی کوئی خصوصیت نہیں ہیں۔
ہر بدعت سیئہ ہے۔ (مکتوبات شریف دفتر اول ص ۲۱۰)

یہ دسویں صدی کا حال تو آپ کے سامنے آتی چکا اور اس پر آپ نے گیارہویں
صدی کے اس نقشبندی بزرگ حضرت امام ربانی کی آہ و زاری بھی پڑھ لی۔

اب اس پر چودھویں صدی کے ایک عظیم سکا لرجن کی عصر جدید پر بھی پوری نظر تھی
اور وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے بڑے محقق عالم تھے، ان کا یہ تجزیہ بھی آپ پہلی جلد کے آخر
میں پڑھ آئے ہیں کہ چودھویں صدی میں تصوف جب اپنے اصل جوہر سے خالی ہو گیا تھا،
چودھویں صدی کے مجدد نے کس طرح اسے پھر سے شیخ شہلی و جنید بغدادی اور شہاب الدین
سہروردی کے خزانوں سے معمور کیا، یہ بھی آپ وہاں پڑھ آئے ہیں۔

وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا شہلی و جنید و بسطامی اور سہروردی و
سرہندی بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔ یہ ہستی حضرت مولانا
اشرف علی تھانویؒ کی ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اشرف کی ضخیم جلد میں

بالفصل اور حقیقت الطریقت میں مختصر تصوف کی حقیقت احادیث سے ثابت کی ہے اور مسائل السلوک من کلام ملک الملوک میں تصوف کے مسائل قرآن مجید سے ثابت کیے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ نے اپنی متعدد تصانیف و مواعظ میں جا بجا تصوف کے متعلق نہایت وضاحت تصریح فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:-

شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس میں اعمال ظاہری اور اعمال باطنی دونوں آگئے۔ اعمال باطنی گویا شریعت سے الگ نہیں، شریعت کا ہی ایک ذیل ہیں جسے طریقت کہا جاتا ہے۔

مریدوں کو اپنا بندہ بنانے والے مشائخ کی کیا کوئی بات قبول کی جاسکتی ہے؟

پہلے اس پر نظر کریں کہ اس باب میں کتاب و سنت کا موقف کیا ہے اور پھر اس پر اس کے مقابل اکابر علماء دیوبند کا موقف کیا ہے؟ جہاں تک ہماری معلومات ہیں تصوف کے تمام آئمہ کبار شریعت اور طریقت کے تمام ابواب میں کتاب و سنت سے ذرا بھی نہیں نکلتے۔ ان کے ہاں قرآن کریم سے لے کر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی تک یہی ایک صداری ہے کہ وہ اپنی پوری محنت مریدین کو اپنا بندہ بنانے کی بجائے اللہ کا بندہ بنانے پر لگاتے ہیں۔ ان کے عقیدے میں یہ حق کسی پیغمبر کو بھی نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کو اپنا بندہ بننے کے لیے کہے۔

ما كان لبشر ان يوتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لى من دون الله ولكن كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتاب و بما كنتم تدرسون ولا يامرکم ان تتخذوا الملائكة والنبيين ارباباً ايامرکم بالكفر بعد اذا انتم مسلمون (پ: ۳، آل عمران: ۸۰)

ترجمہ: کسی بشر کا یہ مقام نہیں کہ اللہ اس کو دے کتاب اور حکمت اور نبوت پھر وہ کہے لوگوں کو تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن وہ

اس طرح کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے وہ سکھاتے تھے تم کو کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی اسے پڑھتے تھے اور یہ نہ کہے تم کو کہ ٹھہراؤ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔ کیا تم کو وہ کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے۔

یہی بات امام الطائفہ جناب حاجی امداد اللہ مہاجر کی (۱۳۱۷ھ) نے کہی ہے، فرمایا کہ: سب سن لیں! میں اپنا بندہ نہیں بنانا چاہتا، خدا کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، کیونکہ خدا مقصود ہے شیخ مقصود نہیں۔ میرے پاس جو کچھ تھا وہ حاضر کر دیا، اگر اس سے زیادہ کی طلب ہو تو میری طرف سے عام اجازت ہے جہاں سے چاہیں مقصود حاصل کریں اور اگر کسی دوسرے شیخ سے بیعت کی ضرورت ہے تو بیعت کی بھی اجازت ہے۔ (اشرف السوانح ص: ۳۱۲)

چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کے اس ملفوظ کو اپنے پورے حلقہ کے لیے ایک اصولی نقطہ ٹھہرایا کہ جس کی پشت پر دیوبندی مشرب کے سب علماء اور سب مشائخ طریقت ایک ہی صدا لگاتے آرہے ہیں۔

اس وقت یہ موضوع نہیں ہے کہ اللہ کا بندہ بنانے اور اپنا بندہ بنانے میں کیا فرق ہے۔ یہ بات یہاں ضمنی طور پر آگئی ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ اہل تصوف کے اقوال کس طرح سربلج تاثیر ہوتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اس بات نے کہ ہمیں نص کی ضرورت نہیں نص کی ضرورت ہے، آئندہ کی واردات پر کیسے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ جب یہاں شیخ اکبر کی نص کو اس طرح بے بس کیا جا رہا ہے تو شیخ اصغر علامہ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب ”الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیہ“ راہ طریقت کے مسافروں کے لیے کیا کسی درجے میں بھی رہنما کتاب تسلیم کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں!

پھر یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ جو بھرا اپنے اہل و عیال کے بھی سارے اخراجات اپنے مریدوں پر ڈالیں اور علامہ شعرانی الشافعی کی اس ہدایت کو قواعد صوفیہ میں جگہ دیں، کہیں

وہ اس آیت کے ذیل میں تو نہیں آرہے:-

لِيَأْكُلُوا مِمَّا كَسَبُوا بِالطَّاهِرِ وَالْبَاطِلِ وَيَصْلُوا عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ (التوبہ)
اب آپ اس قاعدہ صوفیہ کو بھی پڑھیں اور اس پر سر دھیں جو الانوار
القدسیہ میں ملتا ہے۔

مرید کو چاہیے کہ اپنے شیخ کی اولاد اور عیال کی ضروریات کو ہر چیز پر
مقدم رکھے، اگر اپنا تمام مال بھی خرچ کرنا پڑے تو یہ گمان کرے کہ
میں نے شیخ کے سکھائے ہوئے ایک ادب کا بھی حق ادا نہیں کیا۔ سید
ابوالعباس سرسئی نے اپنے شیخ سید محمد حنفی پر تیس ہزار دینار خرچ کیے۔

ابوالعباس سرسئی جیسے راہ طریقت کے رہنماؤں نے مریدین کی جیب پر اس طرح
جو اپنی ذاتی ضروریات کے لیل لگائے، عام فطرت انسانی اسے کسی طرح بھی قبول نہیں کرتی
لیکن اس قسم کے مشائخ کے قدموں سے جس طرح صفہ تصوف پامال ہوئی یہ ایک درد بھری
کہانی ہے۔

اس پر ایک تبصرہ محقق العصر، مؤرخ اسلام حضرت مولانا سید سلمان ندوی سے بھی
آپ سن چکے۔ آپ حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی خدمات تصوف کا ذکر کرتے ہوئے
لکھتے ہیں:-

وہ فن جو جوہر سے خالی ہو چکا تھا، شبلی و جنید و بسطامی اور سہروردی و
سرہندی جیسے بزرگوں کے خزانوں سے معمور ہو گیا۔

(دیکھئے آثار الاحسان جلد: ۱، ص: ۵۱۵)

اور یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے پہلے بھی آچکی ہے۔

علماء دیوبند کو طریقت کے اس پلیٹ فارم پر کون لائے؟ امام الطائفہ حضرت حاجی
امداد اللہ مہاجر گئی (۱۳۱۷ھ)..... انہوں نے کھل کر فرمایا کہ میں اپنے مریدین کو اپنا بندہ نہیں
بنانا چاہتا، اللہ کا بندہ بنانا چاہتا ہوں، کیونکہ خدا مقصود ہے، شیخ مقصود نہیں۔ آپ فاروقی النسب
تھے اور آپ کے کلام میں فاروقی رگ پوری توبت سے دھڑکتی ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ ان کے پاس نویں دسویں ہجری کے کچھ بیروں کی یہ صدائے جگہ جگہ ہے کہ مریدین ان کے بندے بنیں اور وہ اس بات پر لائے جائیں کہ خدا بھی اپنے بندوں کو ان کے جی کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ کیا یہ اس کتاب الاوار القدسیہ کا کھلا رد نہیں؟

حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فاروقی جلال جس طرح دسویں صدی کی ان ظلمات پر چکا، وہی فاروقی جلال پھر حضرت مولانا تھانویؒ کے منبع فیض سے آگے چلا۔

حضرت حاجی صاحبؒ (۱۳۱۷ھ) کا جو اصولی قاعدہ آپ نے یہاں مطالعہ کیا ہے، شمالی پنجاب میں حضرت خواجہ شمس الدینؒ (۱۳۰۰ھ) سے بھی آپ اس کی صدائے بازگشت سنیں گے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ صرف چشتی صابری حلقے کی ہی باتیں نہیں، چشتی نظامی بھی ان سے کسی زیادہ فاصلے پر نہیں رہے۔ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوٹی سے پوچھا گیا کہ بولنے اور خاموش رہنے میں کون سی چیز افضل ہے؟

آپ نے اس کے جواب میں پیانہ شریعت کو کہیں چھلکنے نہیں دیا۔ آپ نے احتیال کی یہ راہ بتلائی:-

علماء کے لیے بولنا اچھا ہے اور درویش کے لیے چپ رہنا بہتر ہے
کیونکہ قیامت کے دن ہر ایک سے اس کے حال کے مطابق پوچھا
جائے گا علماء سے علم اور صوفیہ سے پردہ پوشی اور خاموشی کے بارے
میں سوال ہوگا۔

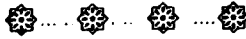
یہ وہ اقوال تصوف ہیں جو اپنے قارئین پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں اور بعض دفعہ ان سے پڑھنے والوں کی زندگی کا رخ فوراً بدل جاتا ہے۔

اب پورے برصغیر ہند و پاک کے لیے چودھویں صدی کے مجدد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ملفوظات اور مواعظ سالکین کے لیے اقوال تصوف ہیں جن سے ان کی زندگیوں کا رخ بدل جاتا ہے اور باطن چمک اٹھتا ہے ”لمن کان له قلب او القی السمع وهو شہید“

اس میں سوچنے کا موقع ہے اُس کے لیے جس کے اندر دل ہے یا وہ ڈال دے

از مولف عفا اللہ عنہ

کان ادھر دل لگا کر۔



مفتی زاہد حسین (نائب صدر، رحمہ علماء شاہدہ)

الحمد للہ کہ اسلامی تعلیمات کی آخری منزل آثار الاحسان کی دوسری جلد اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے اپنی آخری منزل کو پہنچ گئی ہے۔ دینی تعلیمات کی ان چار منزلوں میں تصوف آخری اہم ترین منزل ہے جہاں علم و معرفت کے تمام چشمے ایک ہو جاتے ہیں۔

احسان اور اسلام کے باطنی اور روحانی پہلو پر آثار الاحسان فی سیر السلوک و العرفان حضرت علامہ جسٹس (ر) ڈاکٹر خالد محمود صاحب دامت برکاتہم کے قلم حقیقت رقم سے عصر حاضر کا شاہکار ہے۔ حضرت مولانا سید انور حسین شاہ صاحب نفیس رقم قادری کی خانقاہ سید احمد شہید میں آثار الاحسان کی دوسری جلد پوری عقیدت سے پڑھی گئی اور حضرت شاہ صاحب نے اس کی پوری تصویب فرمائی اور جناب ڈاکٹر محمد فرحان رحمانی کے ہاتھ اس پر ایک ہزار کا انعام حضرت علامہ صاحب دامت برکاتہم کے لیے بھیجا۔

پھر خانقاہ نقشبندیہ کے حضرت مولانا حافظ ناصر الدین خاکوانی صاحب نے بھی اپنی دارالسلام (ضلع شیخوپورہ) کی سالانہ مجالس میں آثار الاحسان کا بڑی کثرت اور محبت سے ذکر فرمایا اور اپنے تمام متعلقین کو اس کتاب سے استفادہ کی تلقین فرمائی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ آثار الاحسان کی اس جلد کو حضرت علامہ صاحب دامت برکاتہم کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور امت کو اس سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

والسلام
مفتی زاہد حسین۔ مفتی صہیب ظفر

راہِ طریقت کے مسافر اور علماء ایسے آداب سے بچیں کہ عام لوگ
تصوف کو دکانداری سمجھنے لگیں اور درویش کٹے ہوئے پتنگ کی طرح
صرف ہواؤں میں اڑتے دکھائی دیں

رسول خدا کی ذمہ داریوں میں دوسرے نمبر پر اخلاقی بزرگیوں کی تکمیل میں امت
کے دلوں پر محنت کرنا ہے۔ ہر انسان دنیا میں ایک دکان کی مانند ہے۔ اخلاق اس دکان کا
دروازہ ہے اور زبان اس کا تالا ہے۔ جب اس کی کاروباری زبان کھلتی ہے تب پتہ چلتا ہے کہ
یہ دکان سونے کی ہے یا کونکے کی؟

چاہیے درویشانِ راہِ طریقت اس امت میں خوش اخلاقی کا ماحول پیدا کریں اور
کثرتِ وظائف و اوراد کا اب بوجھ نہ ڈالیں کہ وہ عام مسلم سوسائٹی سے کٹے رہیں، خوش
اخلاق انسان جاہل بھی ہو تو کبھی دوستوں کی دوستی سے محروم نہیں رہتا۔ رہتی بہتی میں جم کر رہتا
ہے دنیا سے رخصت بھی ساتھیوں کے ہجوم میں ہوتا ہے۔ قبر بھی خیر خواہوں سے حفاظت میں
ہوتی ہے۔

شریعت اور طریقت کسی طبقے کی میراث نہیں یہ ورثہ انبیاء کی امت کے دلوں پر
محنت ہے جب امتی تزکیہ قلب کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں تو تصوف عام لوگوں کے
دلوں کا چین اور ان کی باہمی اخوت کا نشان بنتا ہے۔
وهو الموفق لما يحبه ويرضی به.

مؤلف عفا اللہ عنہ

کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدارسِ عربیہ کے منتہی
طلبہ اور طالبات کے لیے علوم اسلامی کا

تعلیمی نصاب

- ۱۔ آثار التنزیل (قرآن کا تعارف) ۲ جلدیں
- ۲۔ آثار الحدیث (حدیث کا تعارف) ۲ جلدیں
- ۳۔ آثار التشریع (فقہ کا تعارف) ۲ جلدیں
- ۴۔ آثار الاحسان (تصوف کا تعارف) ۲ جلدیں

جامعہ ملیہ اسلامیہ: محمود کالونی، شاہدرہ، لاہور